بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاللّٰہُ یَقُولُ الحَقَّ وَھُوَ یَھدِی السَّبِیلَ

کلمۃ الھادی الی سواء السبیل

فی

جواب من لبس الحق بالاباطیل

چند غلط تاویلات و تجاوزات

اور

اُن کا علمی و شرعی محاسبہ

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ

مکتبۃ المفتی

جامعہ فتاح العلوم نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

بار سوم مع اضافہ ستمبر ۲۰۱۰ء
تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰)
صفحات ۳۶۶
ہدیہ روپے

ملنے کا پتہ

مكتبة المفتی

جامعہ فتاح العلوم، نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

قاری عطاء اللہ، 0301-6667443

فہرست

تقریظات

باب ۲ : مقام صحابہؓ

باب ۳: فریضہ جہاد

باب ۴: معیار تبلیغ

باب ۵ : اکابر علماء ہند

باب ٦ : مسلك احناف

باب ۷: فرق مختلفه

تقریظات

۱

محیی السنہ حضرت الاستاذ الشیخ

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب خلدت ظلالہ

استاذی المکرم، فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی محمد عیسی خان صاحب گورمانی زید مجدہم نے حضرت مولانا محمد طارق جمیل صاحب مدظلہ کے بعض تقریری و درسی بیانات کو مذہب اہل السنّت والجماعت، مسلک علماء دیوبند اور تاریخی حقائق وواقعات کے خلاف جانتے ہوئے ان پر خالص علمی انداز میں ایک تفصیلی مضمون تحریر فرمایا جو تقریظ واصلاح کے لیے شیخ مکرم سیدی وسندی ومرشدی ومولائی واستاذی حضرت والد محترم شیخ القرآن و الحدیث، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضرت شیخ مدظلہ نے ضعف ونقاہت کی وجہ سے وہ مضمون احقر کے پاس بھیج دیا کہ اسے اچھی طرح دیکھ کر اس پر کچھ تحریر کردو۔ اگر مناسب ہو تو وہ تحریر مضمون کی صورت میں لکھ کر مولانا طارق جمیل صاحب کو ارسال کر دی جائے تاکہ اتمام حجت بھی ہو جائے۔ چنانچہ یہ مکتوب حضرت شیخ مدظلہ کے حکم پر تحریر کیا گیا اور اس کا مکمل مضمون حضرت شیخ مدظلہ کو سنایا گیا۔ اب ان کے حکم اور اجازت سے مولانا محمد طارق جمیل صاحب مدظلہ کو ارسال کیا جارہا ہے اور حقیقتاً یہ استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی محمد عیسی صاحب مدظلہ کے مضمون پر حضرت شیخ مدظلہ کی طرف سے تائید وتقریظ ہے۔

(مولانا عبدالحق خان بشیر)

— ۲ —

فخر الاماثل والافاضل الناطق بالشواہد والدلائل

جناب پروفیسر غلام رسول عدیم صاحب ادام اللہ فضلہ

زیر نظر کتاب ''کلمۃ الہادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالاباطیل''
اسلامی لٹریچر میں ایک خوب صورت اضافہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی
مدظلہ العالی دینی علوم میں گہری بصیرت کے حامل ہیں۔ ان کا تفقہ فی الدین مسلم ہے۔
گزشتہ ادوار کے مسائل اور فقہائے کرام کی ژرف نگاہی ان کے سامنے ہے۔ قرن اول
سے عصر حاضر تک کے پیش آمدہ مسائل کی نظیریں بحیثیت مفتی ان کی نگاہ میں ہیں۔ ان
کا اصل میدان ہی میدان افتاء ہے، تاہم وہ تفسیر وعلوم تفسیر اور حدیث وعلوم حدیث میں
کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ اصل منابع سے اخذ واستفادہ ان کے مزاج کا حصہ ہے۔

اس علمی وجاہت کے ساتھ ساتھ ان کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے
ہوئے دین متین کی پیش کردہ توانا سچائیوں کے ابلاغ کے لیے بے پناہ تڑپ ہے۔
جہاں کہیں دین خالص میں کسی جہت سے رخنہ اندازی کا شائبہ تک بھی محسوس ہوا، ان
سے رہا نہ گیا۔ سیماب وار علمی وشرعی محاسبے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یقین سے کہا جا
سکتا ہے کہ وہ یہ کام نہ دنیوی شہرت ونمائش کے لیے کرتے ہیں اور نہ ہی حصول جاہ
ومنزلت کے لیے۔ نہ لومۃ لائم کی فکر نہ مفادات عاجلہ وآجلہ کی پروا۔ وہ صرف اور صرف
دینی حمیت کے جذبے کے تحت رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اس پیرانہ سالی میں
کھڑے ہو جاتے ہیں اور استقلال واستقامت کا کوہ گراں بن کر عقائد زائغہ کا ابطال
کرتے ہیں۔

مولانا طارق جمیل کی تقاریر و مواعظ پر ان کی علمی گرفت بھی مضبوط ہے اور شرعی نقطہ
نگاہ سے کوتاہ فکریوں، غلط اندیشیوں اور کم فہمیوں کا مواخذہ بھی بڑا جاندار ہے۔
عموماً دیکھا گیا ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ

لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب
مگر لذت شوق سے بے نصیب

خطابت ایک فن ہے۔ علمیت، دینی بصیرت، مسائل عصر حاضر کے لیے فقہی گہرائی
اور گیرائی بالکل دوسری شے ہے۔ واہ واہ کی غوغا آرائی میں ٹوکروں داد وصول کرنا اور
بات ہے اور شرعی تقاضوں کے پیش نظر علمی و فکری ترازو میں بات کو تول کر بولنا اور بات
ہے۔ ان بولوں کو اللہ کی میزان میں تولا جائے گا۔ یوں ہی ہوا میں تحلیل نہیں ہو جائیں
گے۔ والوزن یومئذن الحق (۷:۶)

حضرت مفتی صاحب نے پرزور استدلال سے ثابت کیا ہے کہ اسلامی تعلیمات
جاہلوں کی خوش گمانیوں اور کچے پکے علم کے لوگوں کی خوش خیالیوں سے نہیں، اہل علم کی
علمی بصیرتوں سے پروان چڑھتی، پھلتی پھولتی اور پھیلتی رہی ہیں۔ مساجد کی عباداتی
فضاؤں اور مدارس کی بھرپور علمی و فکری و استدلالی قوتوں سے یہ نخل ہرا رہا اور پورے عالم
میں اپنے اثمار شیریں بکھیرتا رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے شب و روز گرویدگان تشہیر، مشتاقان تقریر اور دل دادگان
تصویر کے برعکس تحقیقی و علمی کاوشوں میں بسر ہوتے ہیں۔ وہ نہایت خاموشی سے خدمت
اسلام میں مصروف ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انھوں نے مخالف کے Thesis کا زوردار
طریقے سے Anti-thesis پیش کیا ہے۔ اس میں محض عقیدے ہی کو دخل نہیں، اس
کے پس منظر میں بے پناہ استدلال، قرآن فہمی، حدیث کے لٹریچر کے رموز و غوامض پر
مکمل دسترس، تاریخ سے استناد اور فقیہانہ جزئیات رسی کا بحر زخار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

ہر منصف مزاج شخص کتاب کے محتویات و مافیہا کو پڑھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا۔

جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

کتاب کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے، زبان و بیان میں ش
اور شائستگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسلاف کی دینی بصیرت پر اعتماد، ماضی سے پیوستگی، ح
سے بھرپور آگہی اور مستقبل کے اندیشہ فردا کا داعیہ بھی اس کتاب کے اختصاصات
سے ہیں۔

فی الجملہ یہ کتاب محض جواب آں غزل نہیں، بلکہ مولانا طارق جمیل کے تقر
بیانات اور خطیبانہ لب و لہجے سے پیدا شدہ عقیدوں اور عقیدتوں کے فساد کی ڈولتی ک
کے لیے ایک پتوار کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ساحل مراد تک رسائی کی سہولت ہ
ہے۔

— ۳ —

العالم النبیل والفاضل الجلیل مولانا فضل محمد یوسف زئی دام مجدہ

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ

امابعد: مولانا طارق جمیل صاحب پاکستان میں تبلیغی جماعت کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں اور تبلیغی جماعت میں عالمی شہرت یافتہ بھی ہیں جن کا ہر قول وفعل تبلیغی جماعت کے کارکنوں کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔انہوں نے اپنے مدرسہ میں اپنے طلباء کے سامنے مختلف درسوں اور بیانات میں مختلف موضوعات پر کھلی باتیں کی ہیں۔یہ بیانات ریکارڈ ہو چکے ہیں اور کیسٹوں میں موجود ہیں۔ان بیانات میں بہت ساری قابل گرفت باتیں کہی گئی ہیں جن کا مواخذہ گوجرانوالہ کے جید عالم دین اور مشہور مفتی حضرت مولانا مفتی محمد عیسی صاحب نے کیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کا جواب بھی دیا ہے۔ میں نے اس مسودے کو دیکھا ہے۔واقعی اس میں قابل گرفت اور مایوس کن مواد موجود ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عیسی صاحب نے بروقت اور برمحل اس کا بہتر مواخذہ کیا ہے۔ اور "لایخافون لومۃ لائم" کا حق ادا کر دیا ہے۔آپ نے گروہ بندی سے بالاتر ہو کر محض اصلاح کی غرض سے دین کا دفاع کیا ہے جو علماء حق علماء دیوبند کا طرہ امتیاز رہا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کیلیے اسلام کا تقدس ہر چیز سے مقدم ہونا چاہیے۔اور دین اسلام کے آئینہ میں ہر مسلمان کو اپنا چہرہ درست کرنا چاہیے؛ نہ یہ کہ اپنے چہرہ کے

آئینہ میں دین اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع کی جائے۔

تبلیغی جماعت کے اکابر واصاغر کو چاہیے کہ وہ اپنے بیانات کے ذریعہ سے دین اسلام کو تختۂ مشق نہ بنائیں اور نہ اس دین مقدس کو لاوارث سمجھیں، کیونکہ اس دین کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی مضبوط نظام موجود ہے تاریخ گواہ ہے کہ دین اسلام کے اس مبارک نظام کے مقابلے میں بڑے بڑے فتنے کھڑے ہوئے مگر اس حفاظتی مضبوط غیبی نظام کے سامنے وہ فتنے قصۂ پارینہ ہو کر رہ گئے لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم ہو کہ وہ دین اسلام کی خدمت قرآن وحدیث کے ارشادات کے مطابق اور سلف صالحین کے نقش قدم کی روشنی میں کرے تاکہ دنیا و آخرت میں آدمی اللہ تعالیٰ کے اس مضبوط غیبی نظام کے غیظ وغضب سے بچ سکے اور ترقی [illegible]نے کے بعد زوال کا شکار نہ ہو جائے۔

"ومااریدالاالاصلاح وما علینا الاالبلاغ"

فضل محمد غفرلہ یوسف زئی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

مطابق ۲۰ اپریل ۲۰۰۹ء

— ۴ —

الحجۃ الفقیہ والعالم النبیہ حضرت مولانا حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی

خضدار، بلوچستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کافی عرصہ سے تبلیغی جماعت کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تو محسوس ہوا کہ مروجہ تبلیغی جماعت اہل سنت وجماعت کے مسلک ومزاج اور اصولوں سے منحرف ہوتی جارہی ہے اور اس کی غلط تاویلات اور تجاوزات کی نشان دہی کرنے والا کوئی نہیں۔ یا اللہ! کوئی ایسا مجاہد پیدا فرما جو امت مسلمہ کو اس بڑے فتنے سے آگاہ کرے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ، اللہ پاک حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب مدظلہ جیسے عالم، مفکر اور محقق کو سامنے لائے اور دین مبین کے معاملے میں ایسی جرات عطا کی کہ انھوں نے ایک عظیم الشان کتاب ''کلمۃ الہادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالا باطیل'' کے نام سے شائع کی۔ انھوں نے امت مسلمہ پر احسان کے ساتھ ساتھ اللہ پاک کے فرمان کو پورا کر کے اس کی رضا کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس پر میں پہلے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر میں مفتی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس دور میں جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ کتاب شائع کی۔

یقیناً حق کو ظاہر کرنے کی وجہ سے آنجناب پر آزمائشیں آئی ہوں گی اور آئیں گی بھی، مگر ان پر استقلال کے ساتھ صبر کرنا ہوگا کیونکہ آزمائشیں اللہ والوں ہی کے لیے ہیں اور جو اللہ سے جتنا دور ہے، وہ بظاہر مسرور ہے۔ وسائل کی فراوانی انھی کو حاصل ہے

جو دین مبین کے لیے کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ عجیب کشمکش کا دور ہے۔ تجربے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حق پر چلنا، حق کہنا، حق لکھنا اس دور میں جتنا مشکل ہے، شاید اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ اس دور میں ایمان پر قائم رہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ آگ کا انگارا ہتھیلی پر رکھنا۔ جب تک انسان میں خود احتسابی کا احساس پیدا نہ ہو، تب تک نہ وہ خود حق پر چل سکتا ہے، نہ دوسروں کو چلا سکتا ہے۔ یہی احساس تھا جس نے مفتی صاحب کو اس کتاب کی تالیف کے لیے مجبور کیا۔ دعا ہے کہ اللہ انھیں مزید حق کہنے اور حق لکھنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

باقی رہی بات خود کتاب کی تو میں نے اسے اول سے آخر تک پڑھا اور سمجھا تو یہ کتاب جس کا نام ''کلمۃ الہادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالا باطیل'' رکھا گیا ہے، احسن انداز سے مروجہ تبلیغی جماعت کی غلط تاویلات وتجاوزت کو شرعی دلائل کے ساتھ رد کرتی ہے۔ یہ کتاب مروجہ تبلیغی جماعت کی دینی وفکری اور اعتقادی کمزوریوں پر پورے انصاف، دیانت، جرات اور حق پسندی کے ساتھ روشنی ڈالتی ہے۔ یہ کتاب جماعتی اور علاقائی عصبیت سے بے نیاز ہو کر محض حق برائے حق کی تلقین کرتی ہے۔ یہ جھوٹی مصلحتوں اور مصنوعی حکمتوں کا لبادہ اوڑھنے کے بجائے مشکل سے مشکل حالات میں بھی کلمہ حق کا فریضہ ادا کرتی ہے۔

مجھے معاف کیجیے، شاید میرے علم ومطالعہ کی کمی ہو، اس وقت بہت سی کتابیں مروجہ تبلیغی جماعت کی کمزوریوں پر میری نظر سے گزری ہیں، مگر نامکمل۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو خود احتسابی کا نتیجہ لگتی ہے، جو معرفت حق کا درس دیتی ہے، جو انصاف کے باب میں جماعتی امتیاز کی قائل نہیں، جو اتنی بڑی دعوتی جماعت کہلانے والی جماعت کی کمزوریوں کی نشان دہی اور احتساب کرتی ہے، جو لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتی، جو قرآن کریم کی شان کو بڑھاتی ہے اور قرآن کریم کی شان پر چوٹ نہیں آنے دیتی، جو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ناموس پر آنچ نہیں آنے دیتی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ضروری سمجھتی ہے اور اس پر چلنے والے کو ایمان ویقین والا قرار دیتی ہے، بنی اسرائیل کے اسوہ میں جھانکنے کو مصلحت یا حکمت سمجھنے والے کے دانت کھٹے کرتی ہے۔ یہ کتاب حقیقی اور غیر حقیقی امور میں امتیاز پیدا کرنے کا شعور پیدا کرتی ہے اور آفاق سے زیادہ نفس پر نگاہ رکھتی ہے۔

یہ ہیں اس کتاب کی خصوصیات وامتیازات اور اغراض ومقاصد۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو اس عظیم کارنامے کا بدلہ اپنے شایان شان عنایت فرمائیں اور اس سے وابستہ تمام حضرات کو بھی۔ آمین یارب العالمین۔ فقط

میں نے طارق جمیل کے اس اجمالی رجوع کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ان کی غلط تاویلات اور مغالطات کا اس سے موازنہ کیا۔ مجھے ایسا لگا کہ طارق جمیل نے رجوع ہی نہیں کیا، کیونکہ اسے یقین نہیں ہے کہ میرے ان دروس سے عقیدہ باطلہ ابھر رہا ہے۔ وہ شک کی زبان استعمال کرتے ہوئے رجوع کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر میرے اس درس سے کچھ مختلف تاثر ابھرا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور آئندہ پوری احتیاط کروں گا، لہٰذا یہ رجوع کافی نہیں۔ اس کو یہ لکھنا چاہیے تھا کہ میرے مختلف دروس سے عقائد باطلہ کا تاثر ابھرتا ہے۔ واقعی میں نے یہ جملے سہواً یا عمداً استعمال کیے ہیں جس سے مسلمانوں کے عقائد پر بہت برا اثر پڑا ہے اور آئندہ چل کر بھی پڑے گا، لہٰذا میں ان جملہ غلط تاویلات اور مغالطات کو جہاں بھی پہنچ چکے ہیں، ختم کرنے کی درخواست کرتا ہوں اور میں ان جملوں کو باطل سمجھتے ہوئے ان سے رجوع کرتا ہوں اور آئندہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے غلط جملے اپنی تقاریر یا دروس میں استعمال نہیں کروں گا اور نہ میرا یہ عقیدہ ہے، نہ مسلمانوں کو اس کی ترغیب دوں گا، نہ ہی مسلمانوں کے جذبات کو آئندہ اس طرح مجروح کروں گا۔ ورنہ یہ مذکورہ بالا رجوع ایک وقت کو ٹالنا ہے۔

حسین شاہ ولد عبدالقادر شاہ

سابق مدرس مدرسہ عربیہ خضدار

وسابق مدرس گورنمنٹ ہائی اسکول، خضدار بلوچستان

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ / ۲ر اگست ۲۰۰۹ء

— ٥ —

الجناب المستطاب صاحب القلم والخطاب
پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم۔اے

مرکزی جامع مسجد حویلیاں ہزارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت المحترم زیدت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید بعافیت

شفیق مکرم جناب مولانا محمد صدیق صاحب مہتمم جامعہ رشیدیہ احمد پور راولپنڈی نے آپ کی علمی، تحقیقی اور منفرد کتاب ''کلمۃ الہادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالباطل'' کا مسودہ برائے مطالعہ وتبصرہ ارسال فرمایا تو ملتے ہی دیگر جاری مصروفیات معطل کر کے پڑھنا شروع کر دیا اور ایک ہی طویل نشست میں تمام کرلیا۔ جوں جوں پڑھتا جاتا تھا، توں توں آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی جاتی تھیں۔ آپ نے جس عرق ریزی اور محنت سے ابتداءً معترض کی شیعہ نوازی اور اہل باطل کی طرفداری پر مبنی عبارات مختلف کیسٹوں سے یکجا اور مرتب کر کے اپنے تعارفی خط سمیت اکیس صفحات پر مشتمل ''چارج شیٹ'' یا ''فرد جرم'' ملک بھر کے علماء کرام کی خدمت میں ارسال فرمائی، وہ یقیناً آپ جیسے باہمت مردمیدان کا ہی حصہ تھا۔

اگرچہ اس ''فرد جرم'' کا جواب اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے انداز میں دیگر علماء کرام بالخصوص مولانا مفتی عبدالواحد صاحب اور مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نے دیا ہے، مگر اس کے باوجود اس ''فرد جرم'' کا جواب علماء دیوبند پر بصورت ''دین'' باقی تھا۔

سابقہ محنت کے پیش نظر آپ اس کے ''اہل'' بھی تھے اور ''احق'' بھی۔ الحمدللہ آپ نے علماء دیوبند کی طرف سے ''مع احسان'' یہ قرض چکا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم کاوش کو اپنی جناب میں قبول ومنظور فرمائے اور ان سے وابستہ تمام احباب کی طرف سے احسن احسن جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کے علم، عمل اور عمر میں برکت دے، آمین یا الٰہ العالمین بحرمۃ سید المرسلین۔

آپ کی اس محنت وجانفشانی کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جو خود بھی ان اعصاب شکن اور صبر آزما مراحل سے گزرا ہو جن سے آپ گزر رہے ہیں۔ عصر حاضر میں ''بت پرستی'' کی قبیح ترین صورت ''شخصیت پرستی'' ہے۔ اس طرح کے ماحول میں ایسے اعصاب شکن مراحل سے کچھ تھوڑا بہت گزر میرا بھی ہوا ہے، اس لیے میں اس راہ کی مشکلات سے واقف وآگاہ ہوں۔ اسی لیے آپ کی ہمت وجرات اور محنت ومشقت کی داد دیتا ہوں۔

مکرر دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

آمین

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

جملہ احباب کو سلام مسنون

والسلام مع غایت الاحترام

دعا گو ودعا جو

قاضی محمد طاہر الہاشمی

٨۔ جمادی الاولیٰ ١٤٣٠ھ

٤ مئی ٢٠٠٩ء

— ٦ —

الملہم بالرشد والسداد، الفائز بالفتح والمراد

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب نفع اللہ بہ عبادہ

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

بسم اللہ حامدا ومصلیا

حضرت مولانا مفتی محمد عیسی خان صاحب مدظلہ اوران کے ساتھیوں کی جانب سے مولانا طارق جمیل صاحب کی کچھ تقریروں کی نقل موصول ہوئی۔ اس پر انھوں نے ہماری رائے بھی مانگی ہے۔ ہمارے ساتھیوں نے CD پر اصل تقریر کو تحریر سے ملایا تو مطابق پایا۔ اس پر ہم نے چیدہ چیدہ امور میں مولوی طارق جمیل صاحب کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے اور ساتھ میں حق بات کو بھی بیان کیا ہے۔

مولانا الیاسؒ کے چلائے ہوئے کام کو ہم اپنا کام سمجھتے ہیں، لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کی علمی وعملی بے اعتدالیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ اس طرح کے نادان دوستوں کی وجہ سے تبلیغ کے کام پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوگیا ہے۔ اس لیے اگرچہ ذہن میں کچھ لکھنے کا پہلے سے پروگرام تھا، لیکن اب جبکہ ایک سنجیدہ حلقے کی طرف سے مولوی طارق جمیل صاحب کے فرمودات کی نقل بھیجی گئی تو بنام خدا الدین النصیحة اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت مولوی طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیوں کو کھولا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ باوجود عالم ہونے اور پھر مبلغ اسلام ہونے کے مولانا طارق

جمیل صاحب اپنی ایک دو تقریروں میں ہی اتنی بہت سی غلطیاں کر گئے اور غلط باتیں کہہ گیے، گویا وہ اہل سنت کے عالم ہی نہیں۔ اگرچہ بعد میں ان کی طرف سے بہت کچھ پس وپیش کے بعد رجوع کا دعوی کیا گیا جو ایک دین دار عالم کو اول مرحلے میں ہی کر لینا چاہیے تھا، ان کی غلطیاں بھی دلائل کے ساتھ سامنے آنی چاہییں تھیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مولانا طارق جمیل صاحب پر بلاوجہ ہی اعتراضات کیے گئے۔ یہ کوشش اور لوگوں نے بھی کی، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد عیسی خان گورمانی مدظلہ اس اعتبار سے فائق ہیں کہ اول انھوں نے اعتراضات کی ذمہ داری بھی اٹھائی اور کتاب کی صورت میں مولانا طارق جمیل صاحب کی غلطیوں کو دلائل سے ثابت کیا اور سلجھے ہوئے علمی انداز میں اہل حق کی بات کو واضح فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب کی کتاب اس قابل ہے کہ نہ صرف علما، طلبا بلکہ عوام بھی اور بالخصوص تبلیغی حضرات اس کو پڑھیں اور حق وباطل میں امتیاز کریں۔ اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور نافع خلائق بنائے۔ آمین

تبلیغ کے ذمہ دار حضرات سے استدعا ہے کہ وہ خود بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، سنجیدہ محتاط طرز عمل اختیار کریں اور مولوی طارق جمیل جیسے جوشیلے لیکن غیر محتاط حضرات کو بے اعتدالیوں سے روکیں، ورنہ یہ کام کو بھی اور کام کے ذمہ داروں کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ

عبدالواحد

جامعہ مدنیہ لاہور

۲ رشوال ۱۴۳۰ھ

— ۷ —

استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول

حضرت شیخ مولانا محمد سردار مدظلہ العالی

ٹل، ضلع ہنگو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ العالی نے مولانا طارق جمیل کی بعض غلطیوں کی اہل سنت و جماعت کے مسلک کے موافق اصلاح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم کاوش کا دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ مفتی صاحب نے مولانا طارق جمیل کے جو اقوال نقل کیے ہیں، اگر واقعتاً درست ہیں تو بندہ مفتی صاحب مدظلہ کی تائید کرتا ہے کہ جس قول پر انھوں نے رد کیا ہے، وہ قول واقعتاً قابل رد ہے، صحیح نہیں اور اس کی اصلاح میں جو جواب لکھا ہے، وہ بالکل صحیح اور اہل سنت و جماعت کے مذہب کے موافق ہے۔ مثلاً جماعت میں تبلیغی نصاب کے مقابلے میں درس قرآن کی غیر اہمیت اور حاجی عبد الوہاب صاحب کا حضرت لاہوریؒ پر طعن کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں اگر ان میں ہیں تو یہ عظیم غلطی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح کریں اور اس کے متعلق مفتی صاحب مدظلہ کی اصلاحی تجویز پر عمل کریں۔

امام مسلم نے مسلم شریف کے خطبے میں اس بات پر رد کیا ہے کہ ایک عالم عوام کی خوشنودی کے لیے غیر ثابت اور من گھڑت روایات و واقعات بیان کرے۔ مولانا طارق

جمیل صاحب ہوں یا کوئی اور عالم، انھیں چاہیے کہ اپنے وعظ و خطاب میں مثبت پہلو اختیار کریں اور اہل سنت و جماعت کے اتفاقی مسائل خصوصاً عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان کریں تاکہ فرق باطلہ، شیعہ، غیر مقلدین، جماعتی گروہ وغیرہ کے غلط نظریات کی تائید نہ ہو سکے۔ مناسب موقع پر فرق باطلہ کی تردید ہم پر لازم ہے کیونکہ یہ دین کی حفاظت کا ایک جز ہے۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم (ج ۱ ص ۳۶) میں حدیث مبارک ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين

"اٹھائیں گے اس علم کو ہر بعد میں آنے والوں میں ان کے عادل لوگ، دور کریں گے ان سے حد سے تجاوز کرنے والوں کی تبدیلیوں کو اور باطل لوگوں کے جھوٹ کو اور جاہلوں کی تاویل کو۔"

جس طرح علماء کے ذمے تعلیم و تبلیغ ہے، اسی طرح ان کے ذمے یہ فریضہ بھی ہے کہ دین میں افراط و تفریط کرنے والے، جھوٹ کہنے والے اور غلط تاویل کرنے والے کی نفی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کی ادائیگی کی توفیق دے۔ آمین

محمد سردار عفی عنہ
دار العلوم عربیہ، ٹل، ضلع ہنگو

۲۴ رجب ۱۴۳۰ھ

— ۸ —

الاستاذ الکامل محق الحق القوی حضرت مولانا محبّ النبی عظمہ اللہ

دارالعلوم مدنیہ، رسول پارک لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اھتدوا۔ اما بعد

میں نے مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات کیسٹوں سے سنے ہیں جن میں حق اور اہل حق کے خلاف کئی جرات مندانہ تجاوزات ہیں جو غور سے سننے والے کسی بھی عالم دین کے لیے درگزر کے قابل نہیں۔ علماء دین اس معاملے میں صحیح رائے قائم کرنے میں کامیاب اور اپنے فریضے سے تب سبک دوش ہوسکتے ہیں کہ خود غور سے کیسٹوں کو سنیں، ورنہ رسمی رواداریاں، عوامی قبولیت کا لحاظ امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی میں رکاوٹ بن سکتا ہے، امت کے شاندار ماضی کی روایات مٹ جائیں گی۔ طارق جمیل نے ماضی قریب کی ایک صدی پر ہاتھ صاف کیا ہے۔

دین اسلام میں فہم وعمل کی ترقی جہاں تک پہنچنی تھی، پہنچ چکی۔ علم کے اعتبار سے اتمام پذیر ہوگیا اور عمل کے لحاظ سے خیر القرون پیشوا ٹھہرے۔ اب کسی نئی راہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ دنیا کی سیر وسیاحت عوام الناس کی نظریں اٹھنے اور شہرت کا ذریعہ تو ہوسکتی ہے، لیکن یہ کوئی معیار نہیں۔ مادیات میں ترقی بہ نسبت پہلی تحقیقات کے مستقبل کی تحقیقات میں زیادہ سمجھی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ Latest معلومات ہیں۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ مادی ترقی کا مدار انسانی تحقیقات ہیں، وحی نہیں۔ بخلاف اسلامی ترقی کے کہ ان کا مدار وحی پر ہے۔

اس سلسلے میں مجھے حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ کی کتاب کلمۃ الہادی پڑھنے کا موقع ملا۔ اہل علم نے مولانا طارق جمیل کے زبانی رجوع کو ایک تو اس وجہ سے کافی نہیں سمجھا کہ وہ غلطی صرف عنوان اور تعبیر کی مان رہے تھے، مفہوم اور مضمون کی نہیں اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ قابل گرفت باتیں کیسٹوں میں موجود ہیں، ان کے سامنے ان کے شاگردوں نے ریکارڈ کی ہیں اور اب انھی کی آواز میں سنی جارہی ہیں۔ کیسٹ اور قرطاس بات کو ختم نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کو پختہ وجود دے دیتے ہیں۔ تو جب جرم ثابت ہوگیا یعنی پختہ وجود کی شکل میں آگیا تو رجوع اور توبہ کے لیے بھی پختہ وجود تحریری ہونا ضروری ہوا جیسا کہ توبہ کا اصول ہے، مگر جب رجوع طلبی کی محنت کارگر نہ ہوئی تو اس ارشاد کے تحت کہ **اذا ظھرت الفتن فلیظھر العالم علمہ** (مشکوۃ، ص ۳۰) علماء حق بلاخوف لومۃ لائم اظہار حق کی طرف متوجہ ہوئے، اس لیے کہ یہ امت برائی میں تو بنی اسرائیل کی مثل ہوسکتی ہے، جیسا کہ **حذو النعل بالنعل** والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، لیکن حق پر قائم رہنے کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی شان عالی واضح فرمائی ہے کہ میری امت میں ایک ایسا گروہ تا قیامت رہے گا جو بلاخوف لومۃ لائم اظہار حق کرتا رہے گا۔

اس فریضہ حق کو جہاں اور علماء کرام نے ادا فرمایا، وہاں ہمارے محسن حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ العالی نے اپنی کتاب کلمۃ الہادی میں بڑے احسن طریقے سے اس ضرورت کو پورا کیا، چنانچہ کتاب کی ابتدا ہی میں بڑے بڑے اکابرین دین کا رجوع اور نکھرے ہوئے انداز سے اہتمام حق اور اعلان حق باحوالہ نقل فرمایا تاکہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوجائے تو وہ اکابر دین میں رجوع کے لیے عمدہ نمونے پائے اور وہ اس رجوع کو اپنے لیے اتباع سلف سمجھے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرے اور اس امر کو اپنے دین اور تربیت کا اہم جزو قرار دے۔

مولانا طارق جمیل صاحب کی قابل گرفت باتوں پر حضرت مفتی صاحب نے جو تبصرہ فرمایا ہے، وہ محض ان کی ایک ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ فقہا، محدثین اور متکلمین کی واضح تصریحات سے باحوالہ تبصرہ ہے اور اس کی حیثیت ہر طالب حق کے لیے رہنما کی ہے، اس لیے اس کی اشاعت ضروری تھی تاکہ بعد میں آنے والے گروہ سلف کی راہ سے نہ ہٹیں اور کسی کی ذاتی یا اجتماعی مشاورتی یا کشفی رائے سے اگر کہیں امت کا بہت بڑا فائدہ بھی نظر آئے تو اس کو اکابرین کی محنتوں کے برابر نہ سمجھیں۔ کسی عمل کا اجر وثواب کتنا ہے، یہ توقیفی ہے یعنی ہر اجر اپنے مخصوص عمل کے ساتھ خاص ہے، قیاسی نہیں۔ کسی عمل کا اجر منصوص عدد سے بڑھ جائے، اس کی بنا اخلاص کی قوت یا زیادتی پر ہے اور اخلاص کا تعلق قلب سے ہے، جس کو بجز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ واللہ یضاعف لمن یشاء۔ کسی عقلی تگ ودو سے ثواب کو انچاس کروڑ تک پہنچانا درست نہیں۔ ایسے ہی جہاد اور قتال کا عمل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ان کی اتباع میں سلف صالحین کی سوچ اور عمل سے ایک متعین شرعی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کو یا اس عمل کے اجر کو کسی اور عمل پر منطبق کرنا دینی سمجھ کی کوتاہی اور تحریف جیسے جرم تک پہنچانے والی چیز ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر امتی کو ہر قسم کی گمراہی سے بچائے اور ہمیشہ خیر کی توفیق اور دائمی قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

احقر العباد محتاج دعا
محب النبی
دار العلوم مدنیہ، رسول پارک لاہور
۱۵ ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

— ۹ —

صاحب الذوق السلیم والحمیۃ المستقیم مولانا ساجد حسین معاویہ
سپلائی بازار، ایبٹ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام حضرت العلام مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم!

امید واثق ہے کہ آپ ایمان اور صحت کی بہترین حالت میں دینی وملی خدمات کے ذریعے سے دین حق کی اشاعت، تبلیغ، ترویج اور حفاظت میں مسلسل مصروف عمل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول ومنظور فرمائے اور بہترین اجر عظیم سے نوازے۔

آمین!

کلمۃ الہادی کو پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ آپ نے جس انداز میں احقاق حق کیا، وہ یقیناً آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ نے جس طرح اعتدال کا دامن تھامے ہوئے مولانا طارق جمیل صاحب کی غلطیوں پر منصفانہ گرفت کی ہے، یہ پوری امت پر بالعموم اور مسلک اعتدال، مسلک حق علماء دیوبند پر بالخصوص ایک قرض تھا جس کی ادائیگی کی توفیق رب ذوالجلال نے آپ کو عطا کی ہے۔ اللہ رب العزت آپ کی ان مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور اجر عظیم عطا فرمائے اور آئندہ بھی احقاق حق اور ابطال باطل کا کام اسی طرح آپ سے لیتا رہے۔

بندہ چونکہ علماء دیوبند کو اس وقت امت کا خلاصہ اور خاصان خدا میں سے سمجھتا ہے، اس لیے ان کی صحبت اور ان ہی کے نقش پا کو اپنے لیے طرۂ امتیاز سمجھتا ہے۔ علماء دیوبند

کے دو اوصاف جنھیں میں ان کے بے شمار اوصاف وکمالات میں نمایاں سمجھتا ہوں، ایک تو یہ ہے کہ ہر دور میں انھوں نے باطل کی تردید جان ومال اور زبان وقلم سے کی اور مشکل ترین حالات میں بھی دبے جھکنے کے بغیر حق کا ساتھ دیا اور ہمیشہ حق کا اظہار بانگ دہل کیا اور اس فرض کی ادائیگی میں کبھی بھی مداہنت سے کام نہ لیا۔ دوسرے یہ کہ جب بھی ان کا کوئی قول وعمل یا نظریہ وفکر اکابر وجمہور کے نظریات وافکار سے ٹکرایا یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سبیل صحابہ رضی اللہ عنہم یا مجتہدین کے خلاف ہونا پایا تو انھوں نے اپنی وجاہت وشہرت کا خیال نہیں کیا بلکہ "والحق احق ان یتبع" کے تحت اپنے نظریہ وفکر سے رجوع کرنے میں کوئی تامل نہ کیا۔ علماء دیوبند کے یہ دونوں وصف آج بھی اہل حق علماء میں دکھائی دیتے رہتے ہیں۔

میں اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ ان دو اوصاف میں سے پہلا وصف تو میں نے آپ کی شخصیت گرامی قدر میں پایا ہے اور دوسرا وصف آپ کے مخاطب مولانا موصوف میں دیکھنے کے لیے ایک عرصے سے منتظر وبے قرار ہوں۔ اگر چہ مولانا نے کئی مجالس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا ہے اور کثیر تعداد میں مسلمانوں تک ان کے معذرت کرنے کا شہرہ ہو چکا ہے، تاہم اگر مولانا موصوف اکابر کے دوسرے وصف کو اپناتے ہوئے تحریری رجوع فرمادیں تو یہ ان کے علمی قد وقامت میں مزید اضافے کا باعث بنے گا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کے خیالات اہل سنت وجماعت کے مسلمہ عقائد ونظریات سے بالکل متصادم اور بڑے حیران کن ہیں۔ بندہ نے دو سال قبل بھی مولانا طارق جمیل صاحب کو گلگت کے بیان کے حوالے سے ایک اصلاحی خط ارسال کیا تھا، لیکن موصوف نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا حالانکہ اخلاقی جرات کا تقاضا تھا کہ موصوف اس کا جواب ضرور تحریر فرماتے۔ مولانا کے یہ خیالات مسلک حق اہل سنت و

جماعت کے عقائد ونظریات کو قینچی کی طرح کاٹ رہے ہیں، لہٰذا آپ جیسے علماء حق ذمہ داران شرع کی طرف سے بروقت نوٹس لینا ایک بڑا اور قابل داد کام ہے۔

اس امت کا پہلے ہی بہت نقصان ہو چکا ہے۔ اب مزید زخم لگانے کی مولانا کو پتہ نہیں کیا ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ میں آخر میں آپ جملہ بزرگوں اور علماء حق کا مشکور وممنون ہوں کہ جنھوں نے بروقت نوٹس لیا۔ اگر آج اس طرح کے نام نہاد سنی کہلانے والوں کا پوسٹ مارٹم نہ کیا گیا تو آنے والے دور میں یہ کام اور مشکل ہو جائے گا اور اس کا سارا فائدہ کفریہ طاقتوں کو ہوگا۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں احقاق حق اور ابطال باطل میں اپنے اکابر کے طرز عمل سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ جیسے علماء حق کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

وما توفیقی الا باللہ

ساجد حسین معاویہ

خادم علماء حق پاکستان

سپلائی بازار ایبٹ آباد

—— ۱۰ ——

العالم النحریر صاحب البیان والتحریر حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دام مجدہ

مہتمم جامعہ رشیدیہ راولپنڈی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔امابعد۔

حضرت علامہ مفتی محمد عیسی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب کا مسودہ الحمد للہ پڑھا۔ پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ علماء حق زندہ ہیں۔ علماء دیوبند کا وطیرہ رہا ہے کہ فتنہ سامنے سے آئے تب، منافقت کا لبادہ اوڑھ کر آئے، تب مقابلہ کرتے رہے۔ کسی فتنہ سے مفاہمت نہیں کی۔ ابراھیم حنیفا کا یہی مطلب ہے۔ فتنہ فتنہ ہی ہوتا ہے، چاہے جس شکل میں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے لطف وکرم سے ہر قسم کے فتنہ سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلویؒ نے جب دیکھا کہ ہندو مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنا رہے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے منظم تحریکیں چلائی ہوئی ہیں جن کا نام شدھی اور سنگٹھن رکھا ہے تو انہوں نے تحریک ایمان کے نام سے کام شروع کیا جو بعد میں تبلیغی جماعت کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ بہت مبارک کام ہے لیکن دشمنان اسلام نے اس مبارک جماعت میں اپنے بندے گھسا دیے اور اب اس جماعت سے ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو مدارس کے دشمن، علما کے دشمن، درس قرآن کے دشمن، جہاد کے منکر، اعمال کے پابند اور عقائد سے عاری ہوتے ہیں۔ دشمنان صحابہ ہوتے ہیں۔ بیس بیس لاکھ کے اجتماع میں درس قرآن سے روکا جا رہا ہے۔ علماء کو بظاہر سر کا تاج کہنے والے جب نجی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ علماء میں تکبر ہوتا ہے۔ اس وقت علماء امت کی ذمہ

داری ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف جو بھی نظریہ سامنے آئے، اس کی تردید فرمادیں، کیونکہ تبلیغی جماعت پر اس وقت جاہل امراء کا قبضہ ہے اور جو علماء اس جماعت سے وابستہ ہیں، وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ شب جمعہ یا اجتماعات میں جہلاء بیان کرتے ہیں جس سے عقائد خراب ہو رہے ہیں۔ اکابرین تبلیغ کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی یہ کاوش ان شاء اللہ جاہل امراء کی اصلاح کا سبب بنے گی۔ سیدھے سادے اور بھولے بھالے عوام جو اپنا مال، اپنی جان لگا کر مدارس دشمنی اور علماء دشمنی کا ذہن لے کر لوٹتے ہیں، ان کی بھی آنکھیں کھلیں گی۔

فقط والسلام

بندہ محمد صدیق عفی عنہ

مہتمم جامعہ رشیدیہ راولپنڈی

— ۱۱ —

فاضل محقق جناب قاری فتح محمد صاحب

پٹھان کوٹ، بھاگٹانوالہ سرگودھا

نحمده ونصلي على رسوله الكريم امابعد!

حضرت مفتی محمد عیسی خان صاحب دامت برکاتہم نے کتاب ''کلمۃ الهادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالباطل'' لکھ کر امت پر احسان فرمایا ہے۔ اکابر علماء دیوبند میں سے جس کسی نے بھی تبلیغی جماعت کے بارے کچھ لکھا یا کچھ کہا ہے، اگر خود پسندی اور خود پرستی کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو تبلیغ والوں کے لیے ایک نصیحت اور ایک نسخہ کیمیا ہے اور نصیحت کو اپنے حق میں مخالفت تصور کرنا بہت بڑی کم ظرفی ہوتی ہے۔ تبلیغی علماء کا باقی علماء سے کٹ کر رہنا، باقی علماء کو اپنے سٹیج پر نہ آنے دینا، باقی علماء کی طرح درس قرآن یا درسِ حدیث یا دوسرے علماء حق کی طرح عقائد کا بیان یا تردید باطل سے لاپروائی برتنا، ان امور سے جس خطرہ کی بُو زمانہ قدیم سے علماء حق محسوس کر رہے تھے۔ آج اس بوتل کا ڈھکن کھل چکا ہے اور آج علماء دیوبند سے الگ ایک مستقل گروہ کی صورت میں تبلیغی جماعت ابھر رہی ہے جس کو ان راہوں پر لانا علماء دیوبند کے لیے ضروری ہو چکا ہے جن راہوں پر مولانا الیاسؒ اس جماعت کو چلانا چاہتے تھے۔ اسی ذمہ داری کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد عیسی خان صاحب نے کتاب لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے آمین؟

فتح محمد

— ۱۲ —

جلیل القدر والشان مولانا محمد سلیمان صاحب دامت برکاتہم

خطیب مسجد نورستان اڈیالہ روڈ راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہر دور میں اپنے مخلص بندے پیدا کیے۔ اکبر بادشاہ نے دین الٰہی بنایا تو مجدد الف ثانیؒ جیسے اپنے بندے پیدا فرمائے۔ آج کے دور میں بھی ہم ایک ایسے ہی اکبری فتنہ سے دوچار ہیں۔ جس طرح اکبر بادشاہ کے دور میں درباری علماء ابوالفضل اور فیضی اس فتنہ کا سبب بنے، اسی طرح آج کے دور میں بھی کچھ درباری علماء نے تبلیغ کے نام سے تحریف شروع کی ہوئی ہے جس کی نشاندہی حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمائی۔ (بحوالہ فتاوی محمودیہ ۳۴۰ ج ۴ مطبوعہ جامعہ فاروقیہ کراچی)

اس وقت تبلیغی جماعت قصہ گو واعظین کی فیکٹری بن چکی ہے جبکہ موضوعات کبریٰ میں لکھا ہے کہ دین کو سب سے زیادہ نقصان قصہ گو واعظین نے پہنچایا۔ تبلیغ نام ہے قرآن وحدیث کا جبکہ موجودہ تبلیغی جماعت نے اپنا اصول بنایا ہوا ہے کہ مشورہ وحی کا بدل ہے۔ (بحوالہ فتاوی محمودیہ ص ۳۴۷ ج ۴) گویا کہ انہوں نے قرآن اور حدیث کو مشورہ کے ذریعے ریٹائرڈ کر دیا ہے۔ تبلیغی جماعت کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ لوگ کلمہ نماز سے روشناس ہو جاتے ہیں، لیکن جمہور علماء امت کے عقائد سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو دیوبندی کہلانے سے شرماتے ہیں جبکہ تبلیغی جماعت کی سرپرستی ہمیشہ علماء دیوبند نے کی ہے۔ وقت لگانے کے بعد یہ علماء دیوبند کے کسی کام میں شریک اور

معاون نہیں ہوتے۔ تبلیغی اکابرین کو چاہیے کہ مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت کے مطابق اپنا قبلہ درست کریں۔

ترسم کہ بکعبہ نہ رسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

مولوی محمد سلیمان
خطیب مسجد نورستان
اڈیالہ روڈ راولپنڈی

——— ۱۳ ———

الصادق المصدق والکامل المحقق

حضرت مولانا سید عبدالمالک شاہ صاحب دام مجدہ

خطیب جامع مسجد حاجی مراد ٹرسٹ آئی ہسپتال، گوجرانوالہ

اللھم اھدنی واعذنی من شر نفسی۔ اما بعد

موجودہ دور میں تبلیغی جماعت عالم دنیا میں ایک اصلاحی، دینی، مذہبی اور دعوت الی الخیر میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کے طور پر ابھری اور اس سے وابستہ حضرات کے ہر قول وفعل کو حجت مانا جانے لگا۔ یقیناً اس کے فوائد دین کی طرف رغبت کا باعث بنے۔ بے نمازی، نمازی بنے اور دین سے برگشتہ لوگ دین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس عمومی فائدے کو پیش نظر رکھ کر بعض سخت قابل گرفت امور پر، جو اکابر کے وضع کردہ اصولوں سے ہٹ کر ہیں، اپنے تحفظات کے باوجود علما نے خاموشی اختیار فرمائی اور تنقید کو حکمت کے خلاف سمجھا۔ مثلاً سارے دین کو تبلیغ میں بند کر دینا، دیگر دینی امور تدریس وتعلیم، تصنیف وتدوین اور فرق باطلہ کی تردید کو دین نہ سمجھنا، قرآن کے درس پر فضائل اعمال کی ترجیح، چلہ لگا کر مفتی بننے کا رجحان، ائمہ مساجد سے الجھنے اور بات بات پر مخالفت جیسے امور سے چشم پوشی اور انفرادی معاملات پر محمول کر کے احتیاطاً مخالفت اور نقائص سے درگزر کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن اب اس جماعت کے بعض اہم اکابر نے اجتماعی طور پر مشن کے انداز میں بعض صریح احکامات اور قرآن کی غلط تاویلات اور جہاد جیسے اہم رکن اسلام کے خلاف شعوری یا غیر شعوری طور پر ہرزہ سرائی شروع کی ہے۔

مثلاً "ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگی میں نمونہ نہیں، ہمیں بنی اسرائیل کی طرف دیکھنا پڑے گا"، "صحابہ کرام محفوظ نہیں"، "مودودی صاحب حنفی تھے، اسلام کی بڑی خدمت کی ہے" جبکہ وہ خود کہتا ہے کہ میں نہ حنفی ہوں نہ شافعی ہوں وغیرہ اور علماء امت کا فتویٰ ہے کہ وہ ضال ومضل ہے۔ یہ کہنا کہ "حاجی عبدالوہاب کے مقابلے میں علماء ہیچ ہیں" اور اس ضمن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہؓ کی مثال پیش کرنا اور علامہ محمد احمد کا صراحتاً آیات جہاد کی غلط تاویل کرنا اور بطور گروہ کے، جماعت کے بزرگوں کا اس طرح کا رویہ اختیار کرنا سخت قابل گرفت ہے۔

نوجوانوں کے عقائد کی درستی اور تحفظ کے لیے علماء حق کا فریضہ بنتا ہے کہ کتمان حق سے بچیں۔ بحمد اللہ اگرچہ کئی علماء کرام نے اس کی نشان دہی کی ہے لیکن استاد محترم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ شاگرد خاص مولانا مفتی محمودؒ، مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ وخلیفہ مجاز حضرت نفیس الحسینی شاہؒ نے کسی پرخاش اور عناد سے ہٹ کر گرفت کی ہے اور کتمان حق سے بچتے ہوئے جماعت کے ایک مخصوص گروہ کی مداہنت بے نقاب فرمائی ہے۔ جہاد کے سلسلے میں وہ کام جو انگریز، نبی بنا کر بھی نہ کر سکے، جہاد کی اہمیت کو بڑی گہرائی اور ملمع سازی کے ساتھ ختم کرنے اور کمزوری کا سہارا لے کر اختیار کی جانے والی روش کو بے نقاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کی ہدایت، اصلاح اور تحفظ عقائد اور جہاد کی اہمیت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

سید عبدالمالک شاہ

۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

۱۴

الفاضل المدرس حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال سلمہ ربہ

کوٹلہ جام، بھکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

مولانا محمد طارق جمیل صاحب ایک اچھے واعظ اور اچھے مبلغ ہیں جن کے وعظ وتبلیغ سے اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں ہزاروں بھٹکے ہوؤں کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔

اب کچھ عرصہ سے ان کو تاریخ وتحقیق کی چوٹیاں سر کرنے کا شوق لگا ہے اور یہ شوق بھی کوئی ناجائز نہیں تھا اگر یہاں بھی وعظ وتبلیغ والی روایت برقرار رکھی جاتی، لیکن بدقسمتی سے یہاں وہ اپنے آپ کو "اچھے واعظ" اور "اچھے مبلغ" کی طرح "اچھا مورخ" یا "اچھا محقق" ثابت نہ کر سکے بلکہ ان سے شدید نوعیت کی سنگین تاریخی وتحقیقی غلطیاں واقع ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے بروقت تنبیہ کر کے ان کی درست سمت میں رہنمائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مولانا کی راہنمائی اور استقامت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

امید ہے مولانا طارق جمیل صاحب اپنی بین الاقوامی شہرت ومقبولیت کو قبول حق میں رکاوٹ بنا کر "اخذتہ العزۃ بالاثم" کا مصداق نہیں بنیں گے۔ ہمارے اکابر نے

وضوح حق کے بعد اپنے سابقہ موقف سے رجوع کو کبھی عار نہیں سمجھا، اس لیے ہم بجا طور پر مولانا سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے واضح اور غیر مبہم رجوع کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔

ہمارا مولانا موصوف کو یہ بھی مشورہ ہے کہ وہ تاریخ وتحقیق کے جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے اپنے وعظوں کو زیادہ سے زیادہ عام فہم اور سادہ رکھیں اور تاریخی حوالہ جات کی بجائے قرآن وحدیث سے اپنے بیانات کو مزین ومنور فرمائیں تاکہ عوام الناس نظریاتی الجھنوں میں نہ پڑیں۔

آخر میں پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی اس سعی کو مشکور فرما کر دونوں حضرات کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین

العبد ظفر اقبال غفرلہ البر المتعال
مدیر ومدرس مدرسہ مفتاح العلوم کوٹلہ جام، بھکر
۶ر شوال المکرم ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۶ر ستمبر ۲۰۰۹ء

کیسٹس اور سی ڈیز کے بارے میں توضیح

جناب جمال عبدالناصر صاحب
(دارالعلوم عثمانیہ، رسول پارک، اچھرہ، لاہور)

میں اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں کہ میں ایک ایسے کام میں علماء کا معاون بنا جو وقت کا اہم تقاضا تھا۔ پاکستان میں اکابرین دیوبند کی محنت کی وجہ سے مدارس ہمیشہ آزاد رہے اور انہوں نے حق گوئی کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا۔

کچھ عرصہ سے مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات سے علماء میں تشویش پیدا ہو رہی ہے۔ مولانا تبلیغی جماعت کے ترجمان ہیں، لہٰذا ان کے بیانات سے جماعت کے بارے میں غلط فہمیاں جنم لے رہی ہیں، خاص طور پر جہاد کے بارے میں ان کے ریمارکس قابل گرفت ہیں۔

مفتی حمید اللہ جان کے گھر پر مولانا محب النبی صاحب کی موجودگی میں، میں نے ڈاکٹر معظم صاحب سے، جو تبلیغی مرکز رائیونڈ سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، پوچھا کہ آپ حلفاً بتائیں کہ مرکزی شوریٰ میں جہاد کے مخالف نہیں بیٹھے؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر حلفاً پوچھتے ہو تو یہ حقیقت ہے کہ مرکزی شوریٰ میں جہاد مخالف لوگوں کی اکثریت ہے۔

مولانا طارق جمیل صاحب کی گفتگو جب کیسٹوں کی صورت میں ہم تک پہنچی تو میں نے مولانا محمد نواز بلوچ صاحب کی مدد سے ان بیانات کو تحریری شکل دی، لیکن اتنی طویل گفتگو سننا آسان نہ تھا۔ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب نے حکم دیا کہ کوئی آسان شکل ہو

کہ ہم قابل اعتراض گفتگو کو آسانی سے سن بھی سکیں اور اس تک رسائی بھی سہل ہو۔ چنانچہ جن عنوانات سے سی ڈیز علماء کرام تک پہنچ چکی تھیں، میں نے ان کو جوں کا توں رہنے دیا اور قابل اعتراض گفتگو کو علیحدہ بھی کر دیا اور اس کو selection (منتخب کردہ) مولانا طارق جمیل کا نام دیا۔ مثال کے طور پر سی ڈی میں cassete no:2(A) نامی فولڈر آپ کو ملے گا تو اس میں Selection(1) کے نام سے آپ وہ گفتگو سن سکیں گے جس کا عنوان ہے: ''شاہ ولی اللہ کا کشف نہیں مانتا''۔

اس کا وقت بھی لکھا گیا ہے کہ اتنے منٹ سے یہ گفتگو شروع ہوئی ہے۔ مثلاً اگر آپ مولانا کی مکمل گفتگو والی سی ڈی کمپیوٹر میں چلاتے ہیں تو آپ کے سامنے اس کا پورا وقت آجائے گا۔ اب اگر قابل اعتراض حصہ سننا چاہتے ہیں تو اس کا وقت Selection میں دے دیا گیا ہے۔ وہ آپ کو لکھا ہوا ملے گا:

Selection (1)   Time 01:00 To 22

اس گفتگو کا عنوان ترتیب دیا گیا ہے اور گفتگو کے آغاز و اختتام کا وقت بھی دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس کو سمجھنے میں کوئی خاص دقت نہ ہوگی۔

نوٹ: اصل سی ڈیز ہمارے پاس موجود ہیں۔ ممکن ہے کوئی اور کاپی کرتے ہوئے غلطی سے گفتگو ادھر ادھر کر دے۔ آپ ہم سے رجوع کر سکتے ہیں۔

جمال عبدالناصر

انتخاب مسجد عائشہ فیصل آباد، خطبہ جمعہ cut

''ہم ہیں کچے مسلمان، ہمیں کہاں سے راستہ ملے گا۔ بدر میں تین سو تیرہ تھے۔ تم نے ابھی تک تین سو تیرہ بھی تیار نہیں کیے۔ یہ نا سمجھنے کی وجہ سے بات ہو رہی ہے: الجہاد الجہاد۔ ابھی تک 313 بھی تیار نہیں ہوئے۔ جہاد کا منکر تو پکا کافر ہے، ہاں وقت میں اختلاف ہے۔ ہم کچے مسلمان ہیں۔ اس بھنور سے نکلنے کے لیے صحابہ کے دور سے ہمیں راستہ نہیں ملے گا۔ پیچھے جانا پڑے گا بنی اسرائیل میں۔''

عنوان: cut. 09

غزوات میں صحابہ کرام کی ثابت قدمی پر بحث:

عنوان: cut.11 (مکمل)

''حکومت کسی بڑے صحابی کے نام لگے، یہ مناسب نہ تھا، اس لیے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ بنایا گیا۔ یقیناً علیؓ حق پر تھے اور معاویہؓ خطا پر۔ اس مسئلہ میں اہل سنت سب شیعہ ہو جاتے ہیں۔''

عنوان: cut.13

''مدارس میں منفی پہلو پر کام کیا جاتا ہے۔''

عنوان: cut.14

''جو علماء اہل حدیث پر اعتراض کرتے ہیں، اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یاد رکھو! ان چاروں سلاسل نے چلنا ہے۔''

عنوان: Cut.17

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر بحث

''چونکہ ابوبکر صدیق سے خطائیں ہوئی تھیں'' وغیرہ

عنوان: ''جتنا ہندو ظلم کرتے ہیں، اتنا جہادی بھی تو کرتے ہیں۔''

''پچھلے سو سال کی تمام تحریکیں ناکام و نامراد ہوئیں'' وغیرہ۔

عنوان:

''اگر کوئی اہل اللہ تبلیغ سے روکے تو گھاٹے کا سودا ہے۔ مولانا نذر الرحمٰن نے تصوف کو تبلیغ کے تابع رکھا ہوا ہے۔ تم لوگ کہیں مقررین نہ بن جانا۔ خطیبوں سے اگر کام لینا ہوتا تو تبلیغ کا کام اللہ عطاء اللہ شاہ بخاری سے لیتے، ابوالکلام آزاد سے لیتے، حفظ الرحمٰن سیوہاروی سے، حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے لیتے۔'' (وغیرہ)

عنوان: Cassete No .2.A

شاہ ولی اللہ کا کشف نہیں مانتے، دین میں کوئی کشف نہیں، تمہاری ساری تحقیقات ''تجلیات صفدر'' تک ہیں، ائمہ حرمین بھی تو جرابوں پر مسح کرتے ہیں، تکفیر صحابہ کا قائل کافر نہیں ہے۔ وغیرہ

عنوان: Cassete No .4

مناظرے فضول ہیں، تجلیات صفدر پر بحث، حنفیوں کی نماز پر بحث، علماء دیوبند کا عرب میں تعارف نہ تھا۔

تین طلاق کا مسئلہ، اہل حدیث تین چار کروڑ ہیں، مولانا سرفراز صفدر نے منفی پہلو پر کام کیا ہے، امام اعظمؒ زندہ ہوتے تو حج کے مسائل پر رجوع کر لیتے، صحابہ کی تکفیر کے بارے میں بحث، ہمیں یہ سوچ اور دین سمجھنے کی راہ مولانا جمشید، مولانا نذر الرحمٰن، مولانا احسان وغیرہ نے دی ہے۔

عنوان: Cassete. 05

قادری، نقشبندی فرقوں کی لڑائی کی وجہ سے مدارس اجڑے ہیں، غنیۃ الطالبین والی حدیث غلط ہے، چاہے مولانا سرفراز صفدر نے ہی نقل کی ہے، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے نتائج، تحریک جھنگوی کے کوئی مثبت نتائج نہیں نکلے، غیر مقلد کو گمراہ کہنا تعصب ہے، مولانا زرولی خان کے بارے میں، اسماعیلیوں نے چار چار ماہ تبلیغ میں لگائے ہیں۔

عنوان: Cassete. 07

مدارس کا ماحول تعصب پر مبنی ہے، منفی اندازِ تعلیم مدارس میں رائج ہے وغیرہ

عنوان: Cassete. 08

مناظرین پر تبصرہ، ہمارے طرز تدریس میں قرآن وحدیث کے لیے حصہ کم ہے، مودودیت کوئی فرقہ نہیں، جماعت اسلامی کے خرم مراد کا وصیت نامہ، حضرت علیؓ کے بعد اس وصیت نامہ نے متاثر کیا ہے، آپ لوگوں کے دلوں میں نفرت بھری ہوئی

ہے، مودودی صاحب اہل حق میں سے ہیں، وغیرہ

عنوان: Cassete. 09

یہ سپاہ صحابہ والے بھی تو قتل کرتے پھر رہے ہیں، حضرت عمرؓ کی سعد بن عبادہؓ نے بیعت نہیں کی۔ خلافت ابو بکرؓ پر اختلاف (تبصرہ)، اہل حدیث فرقہ نہیں، خلافت عثمانیہ کو تو ختم ہونا ہی تھا، اس کے لیے کچھ نہ تھا، تمام دینی وسیاسی تحریکیں ناکام ہوئیں، شیعوں کے رد میں ہم صحابہؓ کو محفوظ کہتے ہیں، حضرت لاہوریؒ نے سندھی افکار سے رجوع کر لیا تھا۔

عنوان: Cassete. 14

مولانا الیاسؒ پر الہام ہوا، بنی اسرائیل اور امت مسلمہ میں تلوار اٹھانے کا فرق، جہاد میں بھاگ جانے والوں پر بحث، علم کا مقام جہاد سے افضل ہے، امام اعظمؒ کے دور میں شہید ہونے والوں کا نام ونشان نہیں ملتا اور امام اعظم علم کی وجہ سے مشہور ہوئے وغیرہ، چاروں ائمہ نے جہاد میں حصہ نہیں لیا۔

عنوان: Cassete. 14 Selection(2)

ایک قبیلہ کو کلمہ پڑھوانے پر صحابی کا ناراض ہونا، تحریکوں سے متاثر نہ ہونا، ہمارے لیے افضل ترین جہاد علم حاصل کرنا ہے۔

عنوان: Cassete.14 Selection(3)

طالبان نے ناکام ہونا تھا، امریکہ نے فضول حملہ کیا، تمام فرقوں کو اسلام میں رہنے دو، تامرون کا کیا مطلب ہے، مدارس میں انحطاط، علماء پر شدید تنقید، مشرف کے خلاف تقریر کرنا زیادتی ہے، حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والے کے لیے درگزر ہو سکتا ہے تو آج کے شیعہ سے کیوں نہیں؟ مفتی رشید صاحب سے متاثر نہ ہونا، امام صاحب سے دو صحابہ کی ملاقات ہوئی ہے، وغیرہ۔

—+——+—

پیش لفظ

مولانا محمد نواز بلوچ

مدرسہ ریحان المدارس گوجرانوالہ

گزشتہ چند سالوں سے مولانا طارق جمیل صاحب کے صلح کل مواعظ، ادنی غیرادنی کے مابین فرق ختم کرنے کی تقاریر اور حق و باطل کے خلط ملط بیانات کی شکایات سننے میں آرہی تھیں، لیکن کوئی ثبوت دستیاب نہ تھا۔ اتفاق سے فیصل آباد سے میرے استاد زادہ تشریف لائے اور مولانا کے چند قابلِ مؤاخذہ بیانات کا تذکرہ کیا اور فرمایا میرے پاس ان کا ثبوت بصورت کیسٹ موجود ہے۔ کیسٹوں میں حق کے خلاف اس قدر ہرزہ سرائی تھی کہ مجھ میں سننے کی برداشت نہ رہی۔ میں نے استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد عیسی خان صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ روئیداد سنائی۔ آپ نے فرمایا لاہور کے علماء ان کیسٹوں کی تلاش میں ہیں۔ اگلے روز مولانا محب النبی صاحب مدظلہ چند رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے اور جناب جمال عبدالناصر صاحب سے ان کیسٹوں کو تحریری شکل میں لانے کا فرمایا، چنانچہ انہوں نے چند اہم قابل گرفت باتیں تحریر کیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے فرمایا یہ باتیں ایسی نہیں کہ ان سے صرف نظر کیا جائے۔

خصوصاً تاویل کے ذریعے جہاد کا انکار، دورِ نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور کی بجائے بنی اسرائیل کے دور کو مثالی قرار دینا، حضرات شیخینؓ پر تنقید، صحابہ کرامؓ کی تکفیر

کرنے والوں کو مسلمان کہنا، علماء دیوبند کی محنت اور باطل کے خلاف ان کی تحریکوں کو ناکام کہنا۔ لہٰذا مولانا کی تقاریر کے یہ اقتباسات علماء کی خدمت میں پیش کر کے ان کی آراء لی جائیں اور مولانا کو ارسال کی جائیں۔ اگر وہ رجوع کر لیں تو فبہا، ورنہ عوام کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے۔ چند مخلص ساتھیوں کے کہنے پر استاد محترم امام اہل سنت حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ کو یہ روئیداد سنائی۔ آپ کے حکم پر اگلے دن یہ مسودہ پڑھ کر سنایا۔ دو صفحات سن کر حضرت شیخ مدظلہ نے فرمایا: یہ باطل فرقوں کا ایجنٹ ہے اور پوچھا، مفتی صاحب تمہارے ساتھ ہیں؟ میں نے کہا کہ سارا کام مفتی صاحب مدظلہ کے حکم سے ہوا ہے تو حضرت شیخ نے فرمایا: ٹھیک ہے، یہ کام ہونا چاہیے۔

مفتی صاحب مدظلہ نے حضرت شیخ مدظلہ کی تائید پر تشکر کا اظہار فرمایا اور تقریباً بائیس علماء کرام کا ایڈریس لکھوا کر یہ مسودہ ان کی خدمت میں ارسال کرنے کے لیے کہا۔ اس سے قبل کہ میں یہ مسودہ علماء کرام کو بھیجتا، مختلف علاقوں سے رابطے ہونا شروع ہو گئے۔ کچھ تو غصے کا اظہار کرتے اور کچھ حقیقت حال دریافت کرتے۔ میں نے یہ سارا معاملہ مفتی صاحب مدظلہ کے گوش گزار کیا اور پوچھا کہ میرے مسودہ بھیجنے سے پہلے یہ عوام تک کیسے پہنچ گیا؟ آپ نے بتایا ہم نے مسودہ چند علما کو بھیجا تھا، لیکن وہ کس طرح پھیل گیا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے تھے، لیکن بعض نادان دوستوں نے ایسا کر دکھایا۔

مولانا کے رجوع کا افسانہ

(ا) جامعہ اشرفیہ لاہور کے اساتذہ کرام اور ارباب فتوی نے اس مسودہ کا نوٹس لیتے ہوئے مولانا کو بلایا۔ مولانا نے اپنی غلطیوں سے معذرت اور رجوع کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ حضرات نے جن امور پر گرفت کی ہے، میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ اس پر آپ

سے مطالبہ کیا گیا کہ آپ اپنے معذرت نامہ پر دستخط کردیں تاکہ سند رہے، لیکن بقول
مولانا حمید اللہ جان زید مجدہٗ، صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ لاہور، موصوف نے دستخط
کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ میرے استاذ مولانا احسان الحق صاحب نے مجھے اس
سے روکا ہے۔

یہ ہے مولانا کا رجوع اور توبہ۔ ان کے بیانات پر مشتمل مسودہ کی فائلیں ملک کے
گوشہ گوشہ میں پڑھی گئیں۔ اس سے لوگوں میں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہوگیا اور مولانا
ہیں کہ اجمالی طور پر اپنی اغلاط پر دستخط کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہیں اسے کیا کہیے

(۲) جامعہ خیر المدارس ملتان میں اس مسودہ سے طلباء میں پیدا ہونے والے شکوک
وشبہات کے ازالہ کے لیے اپنی جوابی تقریر میں مولانا نے یہ آیت پڑھی:

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا۔

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق شخص کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔"

یہ ہے جواب۔ گویا ان کا مسودہ حقیقت نہیں بلکہ ایک جعلی دستاویز ہے۔ قارئین
کرام! غور فرمائیں کہ مولانا اپنے موقف سے رجوع کررہے ہیں یا دوسروں پر الزام
دھر رہے ہیں؟ اگر مولانا کو اس مسودہ سے انکار ہے تو پھر رجوع کے کیا معنی؟ لیکن ہم
کہتے ہیں، ایسا ہی سہی۔ ہمارے پاس یہ مسودہ پہنچا، ہم نے اس میں تحقیق وتفتیش سے
کام لیا تو معلوم ہوا کہ یہ خرافات کا مجموعہ ہے تو ہم نے مذکورہ بالا آیت مبارکہ پر عمل کیا۔

(۳) ماہنامہ الحریۃ لاہور شمارہ اگست، ستمبر ۲۰۰۸ء میں مولانا کا رجوع ان الفاظ
میں لکھا ہے:

"کچھ عرصہ سے میرے بارے میں مختلف پمفلٹ تقسیم ہورہے ہیں اور ایک
رسالہ میں بھی کچھ چھپا تھا۔ میری ان سب تحریروں کے بارے میں ایک ہی بات

ہے۔

سبحانک ھذا بھتان عظیم

میں الحمدللہ اکابر علماء دیوبند اہل سنت وجماعت کے مذہب ومسلک ومشرب کا
پابند ہوں، انہی کا شاگرد ہوں، انہی کے عقائد پر قائم ہوں۔

والسلام

محتاج دعا

طارق جمیل

۲۰۰۸/۹/۱۰"

مولانا موصوف بہتانِ عظیم اور رجوع کے مابین کوئی فاصلہ نہیں سمجھتے اور ان کے ہاں
کچھ بعید نہیں کہ بہتانِ عظیم بھی ہو اور اس پر رجوع بھی کرلیں۔

(۴) ہمارے استاد محترم حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے مولانا سے کہا کہ مسودہ کا
جواب شائع ہونے سے پہلے آپ اس کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ جہاں آپ اپنے طور پر یہ
سمجھتے ہوں کہ میری اصل مراد اور مقصد کو سمجھے بغیر رد کیا گیا ہے، اسے قلم زد کردیں اور
صرف اتنا لکھ دیں کہ مفتی صاحب نے کتاب وسنت اور جمہور علماء امت کے اقوال و
آراء کی روشنی میں میرے مسودہ پر نقد کیا اور میری جن اغلاط کی نشان دہی کی، میں انہیں
تسلیم کرتا ہوں، لیکن مولانا نہ مانے اور بے پروائی سے اس پیشکش کو ٹھکرادیا۔

(۵) بعض علماء کی طرف سے مولانا طارق جمیل صاحب کا معذرت نامہ شائع ہوا
ہے جس میں تحریر کیا گیا ہے:

"باقی اگر میرے درسی بیانات میں اس سے مختلف تاثر پایا جاتا ہے تو وہ میری تعبیر
کی غلطی ہے، عقیدے کی غلطی نہیں۔"

اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے:

عذر گناہ بدتر از گناہ

حضرت استاذ محترم کے جوابی مقالہ کے مطالعہ سے قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ تعبیر کی غلطی ہے یا فہم اور معنی کی۔ خلیفہ رسول سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت پر طعن بلکہ یہ کہنا کہ دور نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہمارے لیے کوئی مثال نہیں، ہمیں پیچھے بنی اسرائیل کی طرف جانا پڑے گا، انگریز کے خلاف جہاد اور علماء دیوبند کی مساعی جمیلہ کو غلط قرار دینا، شیعہ اور غیر مقلدین کی وکالت، مولوی احمد رضا خان اور مودودی صاحب کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور امامت و پیشوائی کا درجہ دینا، تمام صحابہؓ کی تکفیر سے بھی کسی شخص کا کافر نہ ہونا اور اس کو اپنے اکابرین میں سے کسی کی طرف منسوب کرنا، جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور مجاہدین پر ہٹ کرنا، اسی طرح آیات واحادیث کے معانی و مطالب کے بیان میں تحریف کی حد تک دور از کار تاویلات کا ارتکاب وغیر ذلک، کیا ان جملہ مطالب کو صرف تعبیر کی غلطی کہا جائے گا؟

استاذ محترم حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہ شیخ الحدیث باب العلوم کہروڑ پکا نصرۃ العلوم تشریف لائے۔ مجھے بلا کر فرمایا ''آپ لوگوں نے صحیح بریک لگائی ہے۔ اگر بریک نہ لگاتے تو گاڑی کہیں کی کہیں چلی جاتی۔ یہ بریک لگی نہیں رہنی چاہیے، بلکہ مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ مولوی صاحب کو گوجرانوالہ بلائیں۔ دونوں طرف سے چار چار علماء بٹھا کر ان باتوں کا تصفیہ کرائیں۔'' میرے کہنے پر استاذ محترم نے جناب حاجی محمد نعیم صاحب سے فرمایا کہ مولانا کو گوجرانوالہ بلائیں۔ کچھ عرصہ بعد حاجی صاحب نے بتایا کہ مولانا اس سلسلے میں آنے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ حضرت استاذ مفتی صاحب مدظلہ نے ان غلط نظریات کا جواب لکھنا ضروری سمجھا جو آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اسے پڑھیے اور شہادت علی الحق کی سعادت حاصل کیجیے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل اسلام کو راہِ

راست پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

علماء کرام کی طرف سے موصول شدہ آراء اور تبصرے حذف و اختصار سے پیش کیے گئے ہیں۔ دیگر آراء اور تبصرے آئندہ اشاعت میں شامل کیے جائیں گے۔

اس مجموعے کا نام ''کلمۃ الہادی الی سواء السبیل فی جواب من لبس الحق بالباطل (چند غلط تاویلات وتجاوزات اور ان کا علمی و شرعی محاسبہ) تجویز ہوا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔ وتب علينا انك انت التواب الرحيم

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مدرسہ ریحان المدارس

جناح روڈ، گوجرانوالہ

وجہ تالیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الہادی دراصل مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات کے کمپوز شدہ مسودہ پر ایک علمی و تحقیقی تبصرہ ہے۔ مولانا نے جس تمہید اور ترتیب سے اپنے طلباء کی تربیت کی ہے، اس کی ترتیب کچھ یوں ہے:

اکابر علماء ہند خصوصاً علماء دیوبند، جن سے اللہ تعالیٰ نے بارہویں، تیرہویں اور چودھویں صدی میں رشد وہدایت، تعلیم وتربیت، دینی، مذہبی، سیاسی اور جہادی راہ نمائی کا کام لیا ہے، مولانا نے ان کی مساعی جمیلہ کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ

○ ۱۸۵۷ء کی جنگ غلطی تھی جس میں شکست کھا کر سارے حضرات مفرور ہو گئے اور مولانا حاجی امداد اللہ چھپتے چھپاتے ہجرت کر کے مکہ چلے گئے۔

○ پچھلی صدی میں قوت کے واقعات کو سامنے رکھ کر استدلال کرتے رہے۔ مخلصین کی طاقتیں لگتی رہیں۔ جس مقصد کے لیے اٹھے تھے اس تک نہ پہنچ سکے۔

○ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مولانا الیاس کو الہامی طور پر یہ چیز دی گئی۔

○ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہو کر چلتا ہے۔ ہم کمزور ہیں۔ کمزور کے احکام اور ہوتے ہیں۔ حدیبیہ اس کی دلیل ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ، صبر کرو۔ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح کا مبدا و منشا آپ اور آپ کے صحابہ کی کمزوری تھا۔ پھر اس پر ترقی

کر کے یہ کہا کہ مولانا الیاس صاحب سے ایک صدی پہلے جب سے انگریز آئے ہیں، دعوت کا کام موقوف ہو چکا تھا۔ مولانا الیاس نے اس کام کا احیاء کیا۔

اس وقت اللہ کی ہدایت کا نظام تبلیغ کے ساتھ چل رہا ہے۔ پہلے خانقاہوں اور مدارس کے ساتھ تھا۔ تین دن لگانے سے آدمی بدل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کا ظہور تبلیغ میں ہو رہا ہے۔

مولانا الیاسؒ پر اللہ تعالیٰ نے جو پیغام فرمایا، پچھلی کئی صدیوں میں کسی پر نہیں ہوا۔ پچھلے ہزار سال بھی کہوں تو یہ مبالغہ نہیں ہے۔ اس پر ترقی کر کے پھر مولانا نے مولانا الیاسؒ کے حوالے سے ہندوستان میں علما کی جہادی کوششوں کی شہ رگ پر ہاتھ ڈالا اور کہا کہ مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ انگریزوں کو نکالنے پر کیوں زور لگاتے ہو؟ مسلمان بنانے پر زور لگاؤ۔ نیز کہا کہ لوگ اس وقت واقعہ بدر کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ بدر میں تین سو تیرہ تھے۔ وہ پکے مسلمان تھے۔ ہم کچے مسلمان ہیں۔ دور نبوی اور خلفاء راشدین کے دور میں ہماری مثال نہیں ہے۔ ہمیں پیچھے بنی اسرائیل کی طرف جانا پڑے گا۔ یوں جہاد کی نفی کرتے چلے گئے اور کہتے ہیں کہ جہاد کا انکار تو قرآن کا انکار ہے اور قرآن کا انکار عین کفر ہے۔ ہاں وقت میں اختلاف ہے۔ وقت ہے یا نہیں۔ نماز تو فرض ہے، پر وقت داخل ہوا ہے یا نہیں، کہ پہلے ہی اللہ اکبر!

پھر صحابہ کرام پر آ گئے۔ سیدنا صدیق اکبر کی خلافت کے بارے میں وہ شکوک وشبہات پیدا کیے کہ الامان والحفیظ۔ کہتے ہیں کہ آپ کی خلافت میں اختلاف ہوا، بڑے بڑے صحابہ نے آپ کی بیعت نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے باغ فدک میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ سے کمی ہوئی تھی اور ہوئی۔ آپ سے خطا ہوئی تھی اور ہوئی۔ آپ نہ معصوم تھے نہ محفوظ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بطور خلیفہ تعین اس لیے نہیں کیا کہ آپ کی کمی بیشی اور نقصان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف منسوب ہوتا۔ ہم شیعوں کی مخالفت میں آ کر کسی کی صفائی کیوں پیش کریں۔ وغیر ذٰلک۔

سیدنا صدیق اکبر کے بعد روئے سخن سیدنا فاروق اعظم کی طرف پھیرا کہ وہ ننانوے فی صد عصمت کے قریب ہو گئے تھے، لیکن سو نمبر وہ بھی نہیں لے سکے۔

امیر معاویہ، عبداللہ بن عمر کے ناخن کے برابر بھی نہیں تھے۔

ان تمام مضامین کی تفصیل آپ کو کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگی۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ صحابہ کرام کی تنقیص و کسر شان بھی مولانا کے ہاں تبلیغ کا جز اور حصہ ہے! مولانا نے ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ شیعہ بھی خوش اور سنی بھی خوش۔ ان کی اس روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر کسی ایک طبقے کی چھاپ نہیں چاہتے۔ انھوں نے اپنے اکابر علماء کے علی الرغم ان طبقات کو سراہا جنھوں نے ہندوستان میں علماء حق کی تکفیر کا بیڑہ اٹھایا، اجتہاد کے نام سے ائمہ مجتہدین اور علماء سلف وخلف کو تنقید کا نشانہ بنایا، آزادئ رائے کے نام سے بے راہ روی اختیار کی اور قرآنی معجزات کا انکار کیا۔

کلمۃ الہادی کا ہر مسئلہ اور اس کی ہر سطر اس کتاب کا تعارف ہے۔ عیاں راچہ بیاں!

عوام وخواص کو ان غلط نظریات واحساسات سے بچانے کے لیے کتابی شکل میں اس کا جواب ضروری تھا۔

مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات پر مشتمل مسودہ پورے ملک میں پھیل گیا تو بعض حضرات نے مختصر جواب دیے، لیکن اس مسودہ کا بالتفصیل اور خاطر خواہ جواب باقی تھا۔ چنانچہ استاذی المکرّم حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ نے باوجود ضعف وپیرانہ سالی کے، بلفظہ وبمعناہ اول سے آخر تک کتاب وسنت، ائمہ مجتہدین، فقہا اور اسلاف امت کے اقوال کی روشنی میں اس مسودہ کا جواب تحریر فرمایا۔

اس مقالہ میں بے شمار اصولی اور فروعی مسائل ومباحث زیر بحث آئے ہیں۔ ان

میں قارئین کرام اور سالکین کی تشفی اور تسلی کے علاوہ ان شاء اللہ صاحب مسودہ کو سب سے زیادہ فائدہ ہوگا کیونکہ اس میں ان کے مغالطات کا کافی وشافی جواب بھی ہے اور ان کے اشکالات کا ازالہ بھی۔ یوں ایک قابل قدر علمی ذخیرہ اس کتاب کی صورت میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا۔ ملک بھر سے علماء کرام کی طرف سے خطوط اور فون کی صورت میں تحسین وتبریک کے پیغامات موصول ہوئے اللہ کا شکر ہے کہ کوئی تو مرد میدان اٹھا جس نے جمود توڑا۔

اللہ تعالیٰ استاذی المکرّم کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما کر اصلاح اور راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ واللہ الموفق

قاری عطاء اللہ

ادنیٰ من المعتقدین

استاذ مکرم

تقدیم

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امّا بعد!

اختلاف وانتشار:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بُعد کے باعث ہر چیز میں تغیر رونما ہوا ہے۔ خیر وبرکت کا زوال، امانت میں خیانت، علم کا انحطاط، عمل میں کوتاہی، علماء میں باہم جدال، فتاویٰ و مسائل میں تقابل اور کشیدگی، رائے میں اختلاف اور نظری معرکہ آرائی، معاملات میں کسی ایک فریق کی طرفداری اور خصومت، ہر طرف سے اعجابُ کُلِّ ذی رایٍ برأیہ یعنی اپنی رائے کو دوسرے کی رائے سے بہتر سمجھنا اور تعلّی سے کام لینا اور کبر کا اظہار کرنا۔ کبر کے معنی زبان فیض ترجمان صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صادر ہوئے ہیں کہ الکبرُ بَطَرُ الحقِ وغَمطُ النّاس، حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

نشانِ علم وجہل کی وضاحت ایک مثال سے:

علم کی مثال ایک آفتاب کی سی ہے۔ اس کی شعاعیں سارے عالم کو جگمگا رہی ہیں، لیکن پہاڑوں، درختوں اور بڑی بڑی عمارتوں کے حائل ہونے کے باعث یا گہری خندقیں اور لمبی لمبی غاروں کی وجہ سے کچھ مقامات تاریکی میں رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض قدرتی تاریکیاں اور پردے ہیں جو مخلوق کو علم سے استفادے کا موقع نہیں دیتے۔

اس مقام پر اہل علم کو مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے: لا نـدری (ہم نہیں جانتے)۔ مفہوم یہ ہے کہ ہمارے نور کی انتہا ہو گئی ہے، اس سے آگے ہماری روشنی ماند پڑ گئی ہے اور ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ جاہل آدمی جو اس راہ سے ناآشنا ہے، اس کے ہاں تو روشنی نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ وہ اندھا ہے۔ اگر اسے راہنما بنا لیا جائے تو اسے نہ راہ کی خبر ہے نہ نشان راہ کا پتہ۔ وہ شخص جب تک اپنے ساتھ دوسروں کو ہلاکت کے گڑھے میں نہ ڈالے گا، اس سے پہلے رکنے کا نام نہیں لے گا۔

حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔(۱)

"حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ ان میں کوئی عالم نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے۔ پھر ان سے مسائل دریافت کریں گے اور وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

علما کا شعار اور ان کی پہچان:

علماء کی پہچان یہ ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات نہیں کہتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اہل علم کو سخت تاکید کی ہے کہ سنی سنائی بات کو قرآن کی تفسیر کا حصہ نہ بنائیں اور کسی مسئلے کو نہ جاننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف تحویل کریں۔ قطعی دلیل کے بغیر ظن اور تخمین سے کام لینا تکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا ہے: وما انا من المتکلفین۔ "میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" گویا آپ نے اس تحویل کو علماء کا شعار قرار دیا ہے۔ جن اہل علم میں یہ وصف پایا جائے، علماء کہلانے کے مستحق ہیں۔

---

(۱) بخاری ص ۲۰، جلد اول، مسلم ص ۳۴۰ ج ۲۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انتباہ

بخاری شریف میں ہے:

عن مسروق... فاتيت ابن مسعو د وكان متكئاً فغضب فجلس فقال: من علم فليقل ومن لم يعلم فليقل: الله اعلم فان من العلم ان يقول لما لايعلم: لا اعلم فان الله قال لنبيّه: قل ما اسئلكم عليه من اجر وما انا من المتكلفين۔ (۱)

"مسروق سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو بتلایا گیا ایک شخص آیت **يوم تاتي السماء بدخان مبين** کی تفسیر اس طرح کرتا ہے۔ آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے، غصہ میں آگئے اور سیدھے بیٹھ گئے۔ فرمایا جس کو علم نہ ہو تو لا اعلم (میں نہیں جانتا) کہنا بھی علم ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ کہے: میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں چاہتا اور میں متکلفین میں سے نہیں ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی مقام اور جلالت شان:

کتاب وسنت کی فہم وفراست کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جو مقام ہے، وہ کسی صاحبِ علم پر مخفی نہیں ہے۔ آپ اپنے متعلق بطور تحدیث نعمت فرماتے ہیں:

واللّٰه لقد اخذت من فی رسول الله صلی الله علیه وسلم بضعا وسبعین سورة والله لقد علم اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم انی من اعلمهم بکتاب الله وما انا بخیر هم۔ (۲)

"بخدا میں نے ستر سے کچھ اوپر سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

(۱) بخاری ص۷۰۳، ۷۱۰، ۷۱۳، ج۲۔ ترمذی ص۱۵۷، ج۲۔ (۲) بخاری ص۷۴۸ ج۲۔

مبارک سے حاصل کی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بخوبی جانتے ہیں کہ میں کتاب اللہ کا ان سے زیادہ عالم ہوں اور میں ان سے بہتر نہیں ہوں۔"

آپؓ نے ارشاد فرمایا:

والله الذی لا اله غیره ما انزلت سورة من کتاب الله الا انا اعلم این نزلت ولا انزلت آية من كتاب الله الا انا اعلم فيم انزلت ولو اعلم احدا اعلم منى بكتاب الله تبلغه الابل لركبت اليه۔ (۱)

"اور بخدا کہ جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، کتاب اللہ کی ہر سورت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ کہاں اتری ہے۔ ایسے ہی ہر آیت کے متعلق مجھے علم ہے کہ کس واقعہ سے متعلق ہے۔ اگر میں جانتا کہ کتاب اللہ کا مجھ سے کوئی زیادہ عالم ہے اور وہاں تک اونٹ پہنچ سکیں تو میں سوار ہو کر وہاں پہنچنے کی کوشش کرتا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اعتراف حق اور اپنے فتوی سے رجوع:

اس علم وفضل کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اہل علم سے مراجعت میں عار نہ تھا۔ بلاتکلف آپ دوسرے صاحبان علم سے استفادہ کرتے بلکہ اپنی رائے سے رجوع کرنے میں بھی عار محسوس نہ کرتے۔ آپ نے رجوع کے بعد مستفتی کو اپنے فتوی کے خلاف مطلع کرنا بھی اپنا فرض سمجھا۔ ان واقعات سے اس امر کا اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مالك عن غير واحد ان عبدالله بن مسعودؓ استفتى وهو بالكوفة عن نكاح الام بعد الابنة اذا لم تكن الابنة مُسّت فارخص فى ذلك ثم ان ابن مسعود قدم المدينة فسأل عن ذاك فاخبر انه ليس كما قال وانما الشرط فى الربائب فرجع

(۱) بخاری، ص۷۴۸، ج۲

ابن مسعود الى الكوفة فلم يصل الى منزله حتى اتى الرجل الذى افتاه بذلك فأمره ان يفارق امراته۔ (۱)

"امام مالک نے بہت سے راویوں سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا (اس وقت آپ کوفہ میں تھے) کہ لڑکی سے نکاح کر لینے کے بعد اس کی ماں سے نکاح کرنا کیسا ہے جبکہ لڑکی کو ابھی چھوا نہ ہو۔ آپ نے اس معاملہ میں رخصت دی۔ ابن مسعودؓ مدینہ آئے اور اس سلسلہ میں دریافت کیا تو ان کو بتلایا گیا کہ مسئلہ یوں نہیں اور شرط مساس تو ربائب کے نکاح میں ہے۔ ابن مسعود کوفہ آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے اس شخص کے پاس آئے جس کو فتوی دیا تھا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس عورت سے مفارقت یعنی جدائی اختیار کر لے۔"

۲۔ روى ان رجلا تزوج امرادة ولم يدخل بها ثم راى امها فاعجبته فاستفتى ابن مسعود فامره ان يفارقها ثم يتزوج امها ففعل فولدت له اولادا ثم اتى ابن مسعودؓ المدينة فسأل عمر وفى لفظ فَسَأل اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فقالوا لايصلح فَلَمَّا رجع الى الكوفة قال للرجل انها عليك حرام ففارقها (۲)

"ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس نے اس سے ہم بستری نہ کی اور اس کی ماں کو دیکھا اور پسند کیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے کہا اس کو طلاق دے دو اور اس کی ماں سے نکاح کر لو۔ اس نے ایسا کیا۔ اس دوسری عورت سے اولاد بھی ہوئی۔ اتنے میں عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ سے

(۱) موطا امام مالک، ۱۹۳۲ء، مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

(۲) مظہری مع الحاشیہ ص ۶۱ ج ۲۔ احکام القرآن للتھانوی ص ۱۱۵ ج ۲۔

اور ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا یہ جائز نہیں ہے۔ آپ جب کوفہ واپس آئے تو اس سے کہا یہ تمہارے لیے حلال نہیں تو اس نے جدائی اختیار کر لی۔"

۳۔ ان رجلا من بنى شمخ بن فزارة تزوج امراة ثم رأى امها فأعجبته فاستفتى ابن مسعود فأفتاه ان يفارقها ثم يَتَزَوَّج امها فتزوجها فولدت له اولادا۔ (۱)

"بنی شمخ بن فزارہ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس کی ماں کو دیکھا، وہ اس کو بہت پسند آئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا۔ آپ نے فتوی دیا کہ وہ اسے طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس نے اس کی ماں سے نکاح کیا۔ اس سے اس کی اولاد ہوئی۔"

ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہاں آپ کا علمی مقام

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اس طرح کا اعلان اپنی بابت کرنا پڑا اور طے کر لیا کہ جب تک تم میں یہ متبحر عالم (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔ بخاری میں ہے:

سئل ابو موسى عن ابنة ابن واخت فقال للابنة النصف ولاخت النصف وائت ابن مسعود فسيتابعنى فسال ابن مسعودؓ واخبره بقول ابى موسى فقال لقد ضللت اذا وما انا من المهتدين اقضى بما قضى النبى صلى الله عليه وسلم، للابنة النصف و لابنة الابن السدس تكملة للثلثين وما بقى فللاخت، فأتينا ابا موسى فاخبرناه بقول ابن مسعود فقال لاتسالونى ما دام هذا الحبر

(۱) المحلی للحافظ ابن حزم ص ۶۴۳، ۶۴۴، مطبع الامام شارع مصر۔

فیکم۔(۱)

''ایک شخص کی بیٹی، پوتی اور بہن کے حصوں کے متعلق ابوموسیٰ اشعریؓ سے سوال ہوا۔ آپ نے کہا آدھا حصہ بیٹی کا اور آدھا پوتی کا۔ سائل سے کہا، ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ، وہ بھی میری متابعت کریں گے۔ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا اور ابوموسیٰ کے جواب سے انہیں مطلع کیا گیا تو آپ نے کہا (اگر میں اس کی تائید کروں) تو اس وقت میں گمراہ ہوا اور ہدایت یافتہ نہ ہوا۔ میں اس میں وہ فیصلہ دوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ بیٹی کا آدھا، پوتی کا چھٹا حصہ، اس سے دوتہائی حصہ مکمل ہو جائے گا اور بقیہ حصہ بہن کا ہوگا۔ ہم ابوموسیٰ کے پاس آئے اور انہیں ابن مسعود کے جواب سے مطلع کیا تو آپ نے کہا جب تک یہ عالم تم میں ہیں، مجھ سے سوال نہ کیا کرو۔''

امام ابوبکر خصافؒ کا اعلانِ حق:

اسی طرح اپنے فتویٰ کے خلاف اعلان واشتہار کا قصہ بھی بہت معروف ہے۔ ابن نجار کہتے ہیں بعض ائمہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ابوسہل محمد بن عمر سے سنا جو شیخ بلخ کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں:

جب میں بغداد گیا تو وہاں ایک شخص پل پر کھڑے ہو کر تین دن تک یہ منادی کرتا رہا کہ قاضی احمد بن عمر خصاف سے فلاں مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فلاں جواب دیا، وہ غلط ہے۔ اس مسئلے کا جواب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو مستفتی تک یہ بات پہنچا دے۔ منادی کرنے والے یہ شخص امام خصاف ہی تھے۔(۲)

چنیں کردند یاراں زندگانی
ز کار افتادہ بشنو تا بدانی

(۱) بخاری ص۹۹، ج۲ (۲) مقدمہ شرح ادب القاضی، ص۵۔

امام ابوبکر احمد بن عمر خصافؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) نے اپنے اس عمل سے اتنا بڑا نمونہ پیش کیا ہے کہ علماء زماں اگر ان کی تقلید کریں تو جملہ اختلاف وانتشار ختم ہو جائے۔

امام یحییٰ بن سعید بن القطانؒ کی عزیمت اور اظہار حق:

امام یحییٰ بن سعید بن القطانؒ نے اسی جذبہ کے پیش نظر فرمایا تھا جس کی تفصیل یہ ہے:

قال ابوبکر خلاد قلت لیحیی بن سعید ن القطان اما تخشی ان یکون ھؤلآء الذین ترکت حدیثھم خصماءك عنداللہ؟ فقال لأن یکون ھؤلاء خصماء ی احبُّ الیّ من ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم خصمی، یقول یا یحیی لولا ذبّبْت عن حدیثی (۱)

''ابوبکر خلاد نے اپنے شیخ یحییٰ بن سعید بن القطان سے کہا آپ کو اس بات سے ڈر نہیں ہے کہ جن لوگوں کی آپ نے حدیث ترک کی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے خلاف مدعی ہوں گے؟ (اس لیے کہ آپ نے کسی کو مُدَلّس مُلَبِّسْ اور کسی کو وضاع وغیرہ کہا ہے) تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے خلاف مدعی ہوں، مجھے پسند ہے کہ ان کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خلاف مدعی ہوں کہ اے یحییٰ تو نے (علم کے باوجود) میری حدیث کا دفاع کیوں نہ کیا؟''

امام مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا اعلانِ حق:

آپؒ اپنے ایک اہم مکتوب میں مروجہ مولود کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر بالفرض حضرت قدس سرہ اس وقت دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس واجتماع

(۱) کوثر النبی (غیر مطبوع) ص ۶۸، فصل زعم قوم ان الجرح غیبۃ بحوالہ دار قطنی

ان کی موجودگی میں منعقد ہوتا تو آیا حضرت ایشاں قدس سرہ اس امر سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہ؟ فقیر کا یقین ہے کہ حضرت قدس سرہ ہرگز اس امر کو پسند نہ کرتے بلکہ انکار کرتے۔ فقیر کا مقصد آپ کو جتلا دینا ہے۔ آپ قبول کریں یا نہ کریں، کچھ مضائقہ نہیں ہے اور نہ ہی آپ سے کوئی مشاجرہ اور لڑائی جھگڑے کی گنجایش ہے۔" (۱)

اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے فرزندان ارجمندان کو انتباہ اور براءت:

"اگر مخدوم زادے اور وہاں کے یار اپنی اسی وضع پر استقامت رکھیں اور اپنی حالت کو نہ بدلیں تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے سوائے مایوسی کے اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔" (۲)

مولودؐ کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مولانا تھانویؒ کو بار بار انتباہ اور ان کا رجوع

حکیم الامت حضرت تھانویؒ عنفوان شباب اور علمی دور کے آغاز میں مجالس مولود میں شامل ہوا کرتے تھے اور اپنے اس عمل کو عوام و خواص، اہل اسلام کے فوائد، اصلاح عقائد و اعمال اور ان کی حق آگاہی کا ذریعہ سمجھتے اور ساتھ اپنے پیرو مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کے قول و فعل کو بطور حجت پیش کرتے جس پر حضرت گنگوہیؒ نے ان کو بار بار تنبیہ کی طویل مراسلت کے بعد بالآخر آپ اپنے اس عمل سے باز آگئے اور حضرت گنگوہیؒ کو اپنا مولا اور آقا تسلیم کیا۔ فرماتے ہیں:

(۱) مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر ۲۷۳، ص ۵۶۷، ادارہ اسلامیات (۲) ایضاً

"فيا سيدي لله ان تقبلوا عذري بخلقكم العظيم ولا تصغوا الى كل همازٍ لمّاز مشّاءٍ بنميم ولا تخرجوني من الجماعة۔ فاني ارجو ان اكون معكم يوم تأتي الساعة لكن لاتطيق همتي ان انابذ بالمخالفة مع الاعلان عسى ان يكون من الله تعالىٰ بمكان ______ نعم التزمت على نفسي انكار طريق يخالف السنة والكتاب على راس المنبر وبطن المحراب۔ (۱)

"اے میرے سردار! اللہ کے لیے اپنے خلق عظیم کی بدولت میرا عذر قبول فرمائیں اور ہر عیب چیں، طعنہ زن اور چغلی کے عادی کی طرف توجہ نہ فرمائیں اور مجھے اپنی جماعت سے نہ نکالیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ قیامت تک آپ کے ساتھ رہوں، لیکن میری ہمت میں یہ یارا نہیں تھا کہ اس معاملے میں مخالفت کا اعلان کرتا۔ شاید کہ اللہ کی طرف سے کسی وقت اس کا فیصلہ ہو.... البتہ میں اپنے آپ کو پابند کرتا ہوں کہ میں ایسے طریقے کا برسرِ منبر و محراب انکار کروں گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔"

حضرت گنگوہیؒ اپنے جواب الجواب میں فرماتے ہیں:

"اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے، اس کے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اس کے قول سے مطابق کرلیں کہ وہ جس کو غلط فرمائیں، آپ غلط مان لیں اور جس کو صحیح کہیں، اس کو صحیح رکھیں کہ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرماوے گا تو اس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا، کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی

(۱) تذکرۃ الرشید ص ۱۱۵

مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شرع ہو، بدلائل شرعیہ وقطعیہ ذہن نشین نہ کردے، مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں‘‘(۱)

نیز ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور و منہی کی کچھ تمیز نہ رہے، یہ اہل علم کا کام نہیں۔لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔(۲)

کتاب سے متعلق اہل علم سے التماس:

اس جوابی مقالہ میں کسی قسم کی فروگزاشت ہوئی ہو تو مطلع فرمائیں۔ہمیں کسی قسم کا عار محسوس نہ ہوگا۔ہم غلطی کے اعتراف اور رجوع الی الحق کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

ضروری وضاحت:

اس جوابی مقالہ میں کتاب وسنت، صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور اکابر علماء، اسلاف امت کے اقوال اور آرا کے تحت جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔زیر بحث مسودہ میں دور نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور کے مثالی ہونے کا انکار نہ ہوتا، قتال فی سبیل اللہ اور مجاہدین کی شرعی حیثیت کو ہدف طعن نہ بنایا جاتا، صحابہ کرامؓ سے لے کر اکابر علماء تک تنقید نہ ہوتی، اس سلسلہ میں سائلین کے شبہات کا جواب دینا ضروری نہ ہوتا تو ہم کبھی اسے موضوع سخن نہ بناتے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش

ہمارے پیش نظر کسی پر اپنی برتری جتلانا یا تجارتی اور کاروباری مفاد نہیں ہے، صرف حق کی طلب اور کتمان حق کا خوف دامن گیر ہے۔

خلق قرآن کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ قید ہو گئے۔آپ کے چچا نے جیل میں

(۱) تذکرۃ الرشید ص ۱۲۲۔ (۲) ایضاً ص ۱۲۳۔

آپ سے ملاقات کی اور کہا، کچھ لوگ چھپ گئے ہیں اور بعض نے حکومت سے معافی مانگ لی ہے۔وہ سارے غلط ہیں اور تو اکیلا صحیح ہے؟ جیل سے باہر نکلنے کی تدبیر کرو۔تو آپ نے کہا: یا عم اذا جهل الجاهل و كتم العالم فماذا يتبين الحق؟ (جاہل جانتا ہی نہیں اور عالم بات چھپائے تو حق کب ظاہر ہوگا؟)

ولستُ وان قُرِّبتُ يوماً ببائع

خلاقي ولا ديني ابتغاء التحبّب

ويعتدُه قوم كثير تجارةً

ويمنعني من ذاك ديني و منصبي

’’کسی کی دوستی میں، میں اپنے شرف مرتبہ اور دین کا سودا نہیں کرتا اگرچہ وہ مجھ کو اپنا مقرب بنالے اور میری تعظیم کرے۔بہت سے لوگوں نے اسے اپنی تجارت بنالیا ہے۔اور مجھے اس سے میرا دین اور شرف مرتبہ مانع ہے۔‘‘

بحمدہ تعالیٰ ہم اپنے دل میں کسی کے خلاف کینہ، کدورت، ذاتی رنجش محسوس نہیں کرتے البتہ یہ طمع ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو راہ حق پر لائے۔اہل حق سے وابستہ رکھے اور سواد اعظم کا اتباع نصیب فرمائے (وماذلك على الله بعزيز) آمین ثم آمین۔قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انما الاعمال بالنيات وانما لكلّ امرء ما نوى

محمد عیسیٰ عفی عنہ

خادم جامعہ فتاح العلوم وخطیب جامع توحیدی

نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ، ۱۸ اپریل ۲۰۰۹ء

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَیَسْتَخْلِفَنَّھُم فِیْ الْاَرْضِ (الآیۃ)

باب نمبر۱

خلافت شیخین

* خلافت سیدنا امیر المومنین صدیق اکبرؓ اور تفصیلات
* خلافت سیدنا امیر المومنین عمر فاروقؓ اور تفصیلات

سیدہ فاطمہؓ کے باغ فدک کے سلسلے میں ناراضگی کا ذکر کرنا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جواب کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہے

قول: ''فاطمہؓ ناراض ہوگئیں۔ طبعی چیز ہے۔ یہ نہیں کہ انہیں مال کی حرص تھی۔ وہ یہ سمجھتی تھیں کہ ابوبکرؓ نے ہمیں وراثت نہیں دی جبکہ وہ ہمارا حق ہے تو اس حق کی وجہ سے وہ ناراض ہوگئیں اور علیؓ کا جو یہ فرمانا ہے کہ تم لوگوں نے ہمیں شریک نہیں کیا تو یہ بھی حق ہے کہ اس وقت جو مشورہ ہوا خلافت کا، اس میں علیؓ موجود نہیں تھے۔ وہ ادھر غسل میں شریک تھے کہ عین اس وقت یہ مسئلہ پڑ گیا اور ان کا یہ تھا کہ بھائی آخر ہمارا قرابت کی وجہ سے کوئی حق تو ہوگا۔''

الجواب: اس مقام میں حضرت سیدۃ فاطمہؓ کی ناراضگی کا ذکر کرنا اور سیدنا ابوبکرؓ کے جواب کا ذکر نہ کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ احادیث میں ہے کہ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے

نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

''ہم انبیاء کی جماعت وارث نہیں بنائے جاتے۔ جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔''

حضرت علیؓ کی بیعت نہ کرنے کا ذکر کرنا اور حضرت علیؓ کی طرف سے معذرت کا ذکر نہ کرنا خلاف دیانت ہے

سیدنا علیؓ کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کی معذرت کا ذکر نہ کرنا اور اس میں سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا، اس کا ذکر نہ کرنا اور حوالہ نہ دینا شیعیت نوازی نہیں تو اور کیا ہے؟

بخاری شریف میں خلافت کا پس منظر تفصیلاً موجود ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں معاملہ اس قدر نازک تھا کہ اگر مہاجرین اپنا امیر مقرر کر لیتے اور انصار اپنا امیر منتخب کر لیتے جیسا کہ انہوں نے اس مجلس میں اظہار کیا تھا: منا امیر و منکم امیر ، ہماری طرف سے ایک امیر ہونا چاہیے اور آپ کی طرف سے بھی ایک امیر ہونا چاہیے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ خدانخواستہ اگر ایسا ہو جاتا تو ان کے درمیان قتال کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔

صحابہؓ کے یہ دو بڑے طبقے تھے تو قیامت تک کبھی یہ سلسلہ بند نہ ہوتا۔ امت کے لیے یہ بہت بڑا المیہ ہوتا، اس لیے ہم نے جلدی کی تا کہ یہ فتنہ سر نہ اٹھائے، اس لیے لوگ کہنے لگے: کانت بیعة ابی بکر فلتة ۔ ابوبکرؓ کی بیعت ایک ہنگامی بیعت تھی۔ عمرؓ کے بعد ہم ایسے نہیں ہونے دیں گے۔ ہمارا بھی خلافت میں آئندہ کردار ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے آخری حج میں جب عامة الناس سے یہ افواہ سنی تو فرمایا لوگوں کو جمع کرو، میں تقریر کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسی اثناء میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ میرے پاس مکہ مکرمہ آئے (اور وہ میرے پاس قرآن کریم پڑھتے تھے)۔ بولے کہ میں نے امیر المؤمنین سے کہا ہے کہ آپ ایسی تقریر یہاں نہ کریں کہ یہ عام لوگ ہیں، آپ کی تقریر کا مفہوم لوگوں سے کچھ اور بیان کریں گے۔ یہ اجڈ اور بے علم لوگ ہیں، اگر آپؐ نے خلافت کے بارہ میں ان کے سامنے کچھ بیان کیا تو یہ سمجھیں گے کہ خلافت کے انعقاد میں ہمارا حق ہے۔ اگر آپ کو تقریر کرنا منظور ہو تو مدینہ میں جا کر یہ تقریر کریں۔ وہاں اصحاب رائے ہیں اور حل وعقد کے اہل ہیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین منیٰ کے میدان میں اپنی تقریر کرنے سے باز آ گئے۔

ان مشکلات میں خلافت کا انعقاد ہوا۔ حضرت علیؓ نے چھ ماہ بعد حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ اپنی طرف سے بیعت میں تاخیر کا ایک عذر بیان فرما رہے ہیں،

لیکن اس کو بطور تقابل ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ یہ بھی حق ہے، یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں اور یہ کہنا کہ وہ غسل میں شریک تھے، عین اس وقت یہ مسئلہ پڑ گیا، کسی طرح صحیح نہیں ہے بلکہ غلط ہے۔ کیوں کہ تین دن تک مہاجرین وانصار مرد، عورتیں اور بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہے اور آپ کو اس سے پہلے غسل دے دیا گیا تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ شیخین سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمرؓ حجرہ شریف کے دروازے پر بیٹھے تھے، دس دس آدمیوں کا گروہ اندر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا تھا، حتی لم یبق من المهاجرین والانصار والرجال والنساء والأطفال الا وقد صلی علیه ۔ حتی کہ مہاجرین وانصار مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا مگر اس نے آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت امت کے لیے عین رحمت تھی،
اسے اختلاف امت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا

قولہ: اس امت میں اختلاف نہ ہو، یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعیین نہیں فرمائی۔ تعیین فرماتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہوگا۔ شیعہ کہتے ہمیں خلافت دے گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں ابوبکر کو دے گئے ہیں۔ اشارے میں صراحت تو ہے ہی کوئی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو متعین تو نہیں کیا۔ یہ اللہ کی مشیت پر صبر کیا ہے اللہ پاک نے کہا اختلاف ہوگا۔"

الجواب: اہل علم جانتے ہیں امت میں اختلاف سے مراد بدعات، خرافات، قتل وقتال (آپس میں) فرقہ بندی ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تشریح فرمائی ہے کہ یہود ونصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ

جائے گی اور سب ناری ہوں گے مگر ایک فرقہ۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ما انا علیہ واصحابی**، وہ فرقہ ہوگا جو میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت تو امت کے لیے سراسر رحمت تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عین مراد۔

آں امنّ الناس بر مولائے ما — آں کلیم اول سینائے ما

سایہ او کشت ملت را چوں ابر — ثانی اثنین غار وبدر وقبر

(اقبالؒ)

اس کو اختلاف امت میں سرفہرست شمار کرنا علم وفہم کی کمی، عقل ودانش کی کج روی اور سنگین قسم کی غلطی ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کا عدم تقرر اس بنا پر تھا کہ یہ امت کی ذمہ داری ہے، اس وجہ سے نہیں جو مولوی صاحب نے بیان کی ہے

قولہ: ''اور دوسری بات بھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعین کرتے اور اس میں کمی ہوتی اور ہونی تھی، چونکہ اب یہ دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہونے لگا ہے کہ معصوم کی جگہ پر غیر معصوم آ رہا ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم لے رہا ہو۔ انسانی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ ہو رہا ہے کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم بیٹھے گا تو غیر معصوم ہے ہی اس لیے کہ اس نے خطا کرنی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتخاب فرما کے اپنی جگہ بٹھا دیں، پھر اس میں کوئی کمی کوتاہی آئے تو وہ اللہ کے نبی کی طرف منسوب ہوگی۔''

الجواب: سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت اور اسی طرح خلفاء ثلاثہ سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا علیؓ کی خلافت علی منہاج النبوۃ والسنۃ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف

حدیث ہے:

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الرٰشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔(۱)

''تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس پر عمل پیرا رہو اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو۔''

اسی طرح سے بالتعیین والتصریح سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کا تقرر نہ کرنے کا باعث یہ نہیں تھا جو مولوی صاحب کو سوجھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ امت سے کیا تھا امت کی ذمہ داری تھی، خصوصاً اولین امت صحابہ کرامؓ کہ وہ اس وعدہ کو اچھی طرح پورا کرتے اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تھا۔ واقعی سیدنا صدیق اکبرؓ خلیفۃ اللہ فی الارض وخلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی الامۃ تھے۔

باقی مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی کمی ہوتی اور ہونی تھی، بتلایا جائے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ میں کیا کمی تھی اور ان سے کون سی غلطی اور کمی ہوئی؟ حضرت فاطمہؓ کے مطالبہ کے بعد اور حضرت علیؓ کے قول ''مشاورت میں ہمارا حق تھا'' کے بعد متصل حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت پر نکتہ چینی اور تشکیک پیدا کرنا صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں نہیں بلکہ دیگر خلفاء راشدین اور تمام صحابہؓ کے بارے میں سوء اعتقاد پر مبنی ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت میں ایک دو افراد اور معمولی سی جماعت کا اختلاف کوئی وزن نہیں رکھتا۔ یہ اختلاف عناد اور اختلاف نفاق کہلاتا ہے

قولہ: ''اس امت میں اختلاف نہ ہو، یہ دعا قبول نہیں ہوئی، اس وجہ سے آپ نے تعیین نہیں فرمائی۔ تعیین فرماتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا کہ میرے بعد ابو بکرؓ

(۱) مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام، ج ۱، ص ۳۰، طبع مجتبائی دہلی۔

ہوگا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ہمیں خلافت دے گئے ہیں، ہم کہتے ہیں ابوبکرؓ کو دے گئے ہیں۔ اشارے میں صراحت تو ہے ہی کوئی نہیں۔ آپ نے کسی کو متعین تو نہیں کیا۔ یہ اللہ کی مشیت پر صبر کیا ہے کہ اللہ پاک نے کہا اختلاف ہوگا۔"

الجواب: پہلے ہم نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین وانصار نے بالاجماع آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، الا ماشاء اللہ۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت ان مسائل میں سے نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول نہیں ہوئی بلکہ آپ کی خلافت امت کے لیے رحمت تھی۔ آپ کی خلافت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے گئے کہ کسی دوسرے سے ان کا امکان نہیں تھا۔ باقی رہا شیعہ اور روافض کا اختلاف، اس کا کوئی اعتبار نہیں، نہ حجت اور دلائل کے اعتبار سے اور نہ ان کے اختلاف میں کوئی وزن ہے۔ مہاجرین وانصار سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ کے بیعت کر لینے کے بعد روافض وشیعہ کے اختلاف کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ اس اختلاف کو اختلاف امت نہیں کہتے بلکہ ان کا یہ اختلاف، اختلاف عناد اور اختلاف نفاق ہے۔

ما نجی اللہ والرسول معا من لسان الوری فکیف انا

قد قیل ان الالہ لہ ولد وان الرسول قد کہنا

"جہان کی زبان سے اللہ ورسولؐ بھی نہیں چھوٹے تو میں کیا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور رسول کاہن ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

ولاریب ان الاجماع المعتبر فی الامامة لا یضر فیه تخلف الواحد والاثنین والطائفة القلیلة فانه لو اعتبر ذلک لم یکد ینعقد اجماع علی امامة فان الامامة امر معین فقد یتخلف الرجل

لهوی لا یعلم کتخلف سعد فانه کان قد استشرف الی ان یکون هو امیرا من جهة الانصار فلم یحصل لهوی ذلک فبقی فی نفسه بقیة هوی ومن ترک الشئ لهوی لم یؤثر ترکه۔ (۱)

"اس میں کوئی شک نہیں امامت وخلافت میں وہ اجماع جو معتبر ہے، اس میں ایک دو اور معمولی سی جماعت کا تخلف مضر ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کے اختلاف کا اعتبار کیا جائے تو امامت پر کبھی اجماع منعقد نہ ہوتا، کیونکہ امامت ایک امر معین ہے۔ تو کبھی ایک شخص ہوا پرستی کے باعث تخلف کرتا ہے جس طرح سعدؓ کا تخلف، کیونکہ ان کو یہ طمع تھا وہ انصار کی طرف سے امیر مقرر ہوں۔ جب ان کو اس کا حصول نہ ہوا اس کے نفس میں ہوا پرستی کا بقیہ رہ گیا جو شخص ہوا پرستی کے باعث کسی شی کو چھوڑ جاتا ہے تو اس کے چھوڑنے کو ترجیح حاصل نہیں ہوتی۔"

چونکہ حسب وعدہ خدا تعالیٰ کے علم میں اولاً خلافت سیدنا ابوبکر صدیقؓ طے شدہ معاملہ تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مسئلہ کو اپنے صحابہؓ کی مشاورت پر چھوڑ دیا، چنانچہ اس سلسلے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی مرضه: ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا ولا ویابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔ (۲)

"مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے باپ اور بھائی کو میرے پاس بلاؤ حتی کہ میں انہیں لکھ کر دوں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ بعض تمنا کرنے والے تمنا

(۱) منہاج السنۃ، ص ۲۳۱، ج ۳۔

(۲) رواہ مسلم۔ المشکوۃ ص ۵۵۵

کریں گے اور ایک شخص کہنے والا کہے گا کہ میں ہی ہوں، میرے علاوہ اور کوئی اس کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔"

خلافت کا منکر ہلاک ہو جاتا تو کیا ہوتا؟ جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے باغی منافقین اور منکرین زکوٰۃ ہلاک ہوئے

قولہ: "دوسری بات یہ تھی کہ اگر آپ متعین کرتے اور پھر کوئی اس پر انکار کرتا تو یہ ہلاک ہو جاتا۔"

الجواب: بتائیے جناب مولوی صاحب! آپ کو ایسے شخص سے کیا خیر خواہی ہے کہ وہ ہلاک نہ ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جاتے ہوئے ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ سامری ملعون نے ان کی بات نہ مانی اور ایک بچھڑا بنالیا۔ قوم اس کی پوجا کرنے لگی۔ بقول مفسرین ستر ہزار آدمی مرتد ہو گئے۔ جو حشر سامری کا ہوا اور بچھڑے کے پجاریوں کا ہوا، اس پر کس نے افسوس کیا؟ اسی طرح سیدنا ابوبکرؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو کتنے لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا انکار کیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے ان کے خلاف قتال کیا۔ کچھ تائب ہوئے اور کچھ مارے گئے تو اچھا ہوا۔ کسی نے ان پر اظہار افسوس نہیں کیا۔ اور اگر آپ اپنی حیات مبارکہ میں خلیفہ کا اعلان کرتے تو پھر بھی یہی ہوتا تھا جس کا آپ کو اندیشہ ہے کہ یہ ہو جاتا، وہ ہو جاتا۔ کچھ بھی نہ ہوتا، وہی ہوتا جو آپ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ہوا۔ جو کچھ ہوا، اچھا ہوا۔ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں کمی اور خطا کا الزام سراسر افترا ہے

قولہ: "اور دوسری بات بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعین کرتے اور اس میں کوئی کمی ہوتی اور ہونی تھی۔"

الجواب: مولوی صاحب نے اپنی خام خیالی سے یا سوء اعتقادی سے صحابہ کرامؓ خصوصاً سیدنا صدیق اکبرؓ کے متعلق ایک مفروضہ قائم کر لیا ہے جو کہ ان کے دل کا بہت بڑا روگ ہے۔ کہتے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعین کرتے اور اس میں کوئی کمی ہوتی اور ہونی تھی۔ یہ کیسے باور کر لیا گیا ہے کہ ان سے کمی ہوتی اور کمی ہوئی ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔

معصوم کی جگہ حضرت ابوبکرؓ نے بطور خلیفۂ رسول اپنے آپ کو ایسے پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے

قولہ: "چونکہ اب یہ دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہونے لگا ہے کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم آ رہا ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم لے رہا ہو۔ انسانی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ ہو رہا ہے کہ معصوم کی جگہ پر غیر معصوم بیٹھے گا تو غیر معصوم ہے ہی اس لیے کہ اس نے خطا کرنی ہے۔ اللہ کے نبی انتخاب فرما کے اپنی جگہ بٹھا دیں، پھر اس میں کمی کوتاہی آئے تو وہ اللہ کے نبی کی طرف منسوب ہو گی۔"

الجواب: دنیا کی تاریخ میں ایسے ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حج کے موقع پر اپنی طرف سے سیدنا صدیق اکبرؓ کو حج کا امیر مقرر کیا اور معاً سیدنا علیؓ کو اسی حج میں چند اہم اعلان کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کیا۔ معصوم کی جگہ غیر معصوم کو اتنی بڑی اہم ذمہ داری سونپی گئی۔ کسی نے اس میں ایسے مفروضہ خیالات کا اظہار نہیں کیا اور سب نے آپ کے نائبین پر اعتماد کیا اور ان کی اطاعت کی اور سرفراز ہوئے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ ہائے جہاد سر کرنے کے لیے کمانڈر بھیجے اور مفتوحہ ریاستوں میں اپنے امراء اور سفراء اور داعی مقرر کیے۔ تاریخ میں یہ سلسلہ جاری رہا کہ

معصوم کی طرف سے غیر معصومین کو ذمہ داری سونپی گئی۔ تاریخ میں یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں تھا۔ اس کے سوا چارہ ہی نہیں ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ جو کام پہلے انبیاء نے کیا تھا، وہ اس امت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کو تعجب کی نگاہ سے دیکھنا اور انوکھا واقعہ قرار دینا سیدنا صدیق اکبرؓ کی شان میں مولوی صاحب کی فہمِ نارسا یا تذبذب اور تردد کا نتیجہ ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

حدیث میں ہے:

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء، کلما هلك نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی۔ (۱)

''بنو اسرائیل کی سیاست کی باگ ڈور ان کے انبیاء کے ہاتھ تھی جب ایک نبی دنیا سے چلا جاتا تو اس کا قائم مقام دوسرا آجاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

یعنی دینی اور دنیوی ذمہ داری اس امت کے سپرد ہوگئی، اب یہ ہی اس نظام کو چلائے گی۔ آخر میں ہم مولوی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سے کون سی کمی واقع ہوئی؟ آپ سے کون سی کمی کا ظہور ہوا؟ اس کی نشاندہی کریں اور کیا آپ کی خلافت، خلافت موعودہ نہیں تھی؟ آپ خلافت پر متمکن نہیں ہوئے، اس کا صحیح نظام قائم نہیں کیا اور آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں تمکنت اور قوت پیدا نہیں کی؟ آپ کے دور میں اللہ تعالیٰ نے خوف کو امن میں نہیں بدلا، لوگ شرک چھوڑ کر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت نہیں کرنے لگے تھے؟ اللہ و رسول کی اطاعت کا دور دورہ نہیں تھا؟ مرتدین کی سرکوبی نہیں ہوئی اور مسیلمہ کذاب کا قضیہ ختم نہیں ہوا؟ آخر کون سی کمی تھی اور ہوئی تھی (معاذ اللہ) جس کا ظہور ہوا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر خلافت کی وجہ سے آپ کی شان وعظمت میں اضافے کی بجائے کوئی

(۱) مشکوٰۃ شریف ج ۳ ص ۳۲۰۔

حرف آیا ہو؟ اسی طرح مولوی صاحب نے کہا ہے کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم بیٹھے گا، غیر معصوم ہے ہی اس لیے کہ اس نے خطا کرنی ہے۔ خود مولوی صاحب نے تو سیدنا صدیق اکبرؓ پر خطا کی فرد جرم عائد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے کیا خوب کہا ہے:

وما تجد احدا یقدح فیهم الا وهو یعظم من هو دونهم ولا تجد احدا یعظم شیئاً من زلاتهم الا وهو یغضی عما هو أکبر من ذلك من زلات غیرهم وهذا من أعظم الجهل والظلم (۱)

''تو کسی ایک کو ایسا نہ پائے گا جو صحابہ میں عیب جوئی کرتا ہو، الا یہ کہ وہ صحابہؓ کے علاوہ دوسروں کو بڑا سمجھتا ہوگا۔ ایسا ہی جو صحابہ کی چھوٹی لغزشات کو بڑھا کر پیش کرتا ہے، الا یہ کہ وہ دوسروں کی بڑی لغزشات سے چشم پوشی کرتا ہوگا۔ یہ بہت بڑی جہالت اور ظلم ہے۔''

یعنی جو شخص صحابہ کرامؓ میں عیب جوئی کی کوشش کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے ان پر طعن کرتا ہے، وہ اور اس کی جماعت دراصل بڑی بڑی معصیات اور کبائر میں مبتلا ہوتی ہے۔ اللہ کی سرزمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور امین، پیغمبر کے جانشین اول، امت محمدیہ کے لیے ابر رحمت، ملت اسلامیہ کے وارث، خیر الخلائق بعد الانبیاء کی شان میں اس قدر ہرزہ سرائی اور غلط تاثر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مولوی صاحب کا سینہ ان مبارک ہستیوں کے لیے صاف نہیں، بلکہ ان کے بارے میں سینہ کینہ سے آلودہ ہے۔ جس عنوان سے مولوی صاحب نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں ریمارکس دیے ہیں، وہ ایک رافضی کا وطیرہ ہو سکتا ہے۔

(۱) منہاج السنۃ ص ۲۰۰ ج ۳ مطبع الکبری الامیریہ بولاق مصر المحمیہ

بخدا! سیدنا صدیق اکبرؓ سے نہ کوئی کمی ہوئی اور نہ کبھی اس کا ظہور ہوا، نہ کسی مسئلہ میں خطا کی، نہ تاریخ کے آئینہ میں کہیں اس کا ذکر ہوا، لیکن ایمان کی کمی کے باعث مولوی صاحب کی نظر وفکر نے خطا کی کہ اتنی بڑی ہستی کے خلاف بلاوجہ خطا کا الزام لگا دیا۔

نیکو نخوانند اہل خرد   کہ نام بزرگاں بزشتی برد

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے شیطان کی دسترس سے محفوظ ہوتے ہیں، خواہ وہ انبیا ہوں یا غیر انبیاء

قولہ: ''نہ ہم ان کو معصوم سمجھتے ہیں، نہ محفوظ سمجھتے ہیں۔''

الجواب: بلاشبہ معصوم تو انبیاء علیہم السلام کی نفوس شریفہ ہیں جن کی عصمت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، بلکہ اللہ کے کتنے نیک بندے ہیں جن کو قرآن عباد اللہ المخلصین کہتا ہے۔ وہ بھی گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَى بِرَبِّكَ وَكِيلًا (۱)

''تحقیق میرے بندوں پر تیرا کوئی قبضہ وقدرت نہیں ہے اور آپ کا رب کافی کارساز ہے۔''

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (۲)

''تحقیق شیطان کا قبضہ وتصرف ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۔ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (۳)

''شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم، میں سب کو گمراہ کروں گا مگر ان میں تیرے

(۱) سورۃ بنی اسرائیل رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۶۵
(۲) النحل آیت نمبر ۹۹
(۳) ص آیت ۸۲،۸۳

برگزیدہ بندے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ بندے بھی شیطان کی دسترس سے محفوظ ہوتے ہیں، وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء۔ ظاہر ہے کہ جب بعض نیک بندوں کو یہ منصب حاصل ہے تو صحابہ کی شان تو بہت بڑی ہے۔ خصوصاً سیدنا صدیق اکبرؓ کے کیا کہنے جو خیر الخلائق بعد الانبیاء ہیں، لیکن مولوی صاحب ہیں جو کسی طرح سیدنا صدیق اکبرؓ کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور ان کو موضوع سخن بنا لیا ہے اور ان کا پہلا وار سیدنا صدیق اکبرؓ ہیں کہ وہ نہ ان کو معصوم سمجھتے ہیں اور نہ محفوظ، اس لیے شیعہ کے رد میں ان کے نزدیک ابوبکرؓ کی براءت کرنا حد سے تجاوز اور غلو ہے۔ نیز کہتے ہیں ہم کسی کے رد میں اپنا راستہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس سے صاف نظر آ رہا ہے کہ خلافت کے مسئلہ میں مولوی صاحب کا وہی موقف ہے جو شیعہ کا ہے۔ کہتے ہیں ''چونکہ یہ ہونے والا تھا، ان سے بشری خطا ہونی تھی''۔ یہ ہے ان کی سعی لاحاصل کا نتیجہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سیدنا صدیق اکبرؓ کی شان میں رقم طراز ہیں:

ولم تعظم الامة أحدا بعد نبيها كما عظمت الصديق ولا أطاعت احدا كما أطاعته من غير رغبة اعطاهم اياها ولا رهبة أخافهم بها بل الذين بايعوا الرسول تحت الشجرة بايعوه طوعا مقرين بفضيلته واستحقاقه ثم مع هذا لم نعلم انهم اختلفوا في عهده في مسئلة واحدة في دينهم الا وأزال الاختلاف ببيانه لهم ومراجعتهم امر لا يشركه فيه غيره وكان أقرب اليه في ذلك عمر ثم عثمان (۱)

''امت محمدیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اتنی عظمت اور بزرگی نہیں دی

(۱) منہاج السنہ ص ۲۱۶ ج ۳ طبع قدیم۔

جتنی صدیق اکبرؓ کو اور کسی کی ایسی اطاعت نہیں کی جیسے صدیق اکبرؓ کی، بغیر کسی طمع کے کہ انہوں نے کچھ دیا ہو، بغیر کسی ڈر کے کہ انہوں نے ڈرایا ہو، بلکہ جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، انہوں نے بڑی خوشی سے آپؓ کی بیعت کی، آپ کی فضیلت اور استحقاق کا اعتراف کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں معلوم نہیں کہ آپ کے عہد میں کسی نے کسی ایک دینی مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہو اور آپ نے اپنے بیان سے ان کے اختلاف کا ازالہ نہ کیا ہو اور ان کی مراجعت سے اختلاف ختم نہ ہوا ہو۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے، جس میں آپؓ کا کوئی ثانی نہیں اور اس سلسلہ میں عمر آپ کے زیادہ قریب تھے، پھر عثمانؓ۔"

جو شخص علم کلام کی ابجد سے بھی واقف ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور خواص امت اولیاء صلحاء محفوظ۔ عالم نبیل فاضل جلیل حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید تحریر فرماتے ہیں کہ مقامات ولایت میں سے ایک مقام عظیم عصمت ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عصمت کی حقیقت حفاظت غیبی ہے جو معصوم کے تمام اقوال و افعال، اخلاق، احوال، اعتقادات اور مقامات کو راہ حق کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور حق سے روگردانی کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ یہی حفاظت جب انبیاء سے متعلق ہو تو اس کو عصمت کہتے ہیں اور اگر کسی دوسرے کامل سے متعلق ہو تو اسے حفظ کہتے ہیں۔ پس عصمت اور حفظ حقیقت میں ایک ہی چیز ہے، لیکن ادب کے لحاظ سے عصمت کا اطلاق اولیاء اللہ پر نہیں کرتے۔

حاصل یہ کہ اس مقام میں مقصود یہ ہے یہ حفاظت غیبی جیسا کہ انبیاء کرام کے متعلق ہے، ایسا ہی ان کے بعض اکابر تبعین کے متعلق ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا (۱)

(۱) سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۵، منصب امامت مترجم ص ۴۶، ۴۵

"میرے بندوں پر تو غلبہ نہ پا سکے گا۔ ان کے لیے تیرا پروردگار کافی ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ حفاظت غیبیہ کا تعلق کمال عبودیت کا ثمرہ ہے، خواہ انبیاء میں پایا جائے خواہ ان کے پیروؤں میں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ (۲)

"ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر جس وقت اس نے تمنا کی، شیطان نے ان کی تمناؤں میں وسوسہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی القا شدہ باتوں کو مٹا دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ کی ذات بابرکات پر شیعوں کے مطاعن کا جواب نہ دینا مداہنت ہے، جواب دینا غلو نہیں

قولہ: "یہ بھی میں تمہیں بار بار کہتا ہوں یہ غلو ہے شیعوں کی رد میں حد سے تجاوز کرنا"

الجواب: اہل سنت ہمیشہ شیعوں کے رد میں سیدنا صدیق اکبرؓ کا دفاع کرتے چلے آئے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کا مسئلہ تو سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مسئلہ خلافت میں اہل سنت نے تمام پہلوؤں پر سیدنا صدیق اکبرؓ کی طرف سے دفاع کیا ہے۔ آخر شیعوں اور روافض کی طرف سے کھلے بندوں سیدنا صدیق اکبرؓ پر ہرزہ سرائی کی جائے تو ہماری طرف سے اس کا صحیح جواب بھی نہ آئے جس کو مولوی صاحب غلو کہتے ہیں تو یہ مداہنت اور کتمان حق نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) سورۃ الحج آیت ۵۲۔

مولوی بے چارا تو خود شیعوں کی طرح اس مرض میں مبتلا ہے۔ وہ کسی طرح سیدنا صدیق اکبرؓ کو معاف کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ بار بار ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ کسی طرح سامعین کو باور کرائیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سے کمی ہوئی، خطا ہوئی، وہ نہ معصوم تھے نہ محفوظ۔ بڑے لوگوں کے حق میں یہی گستاخی اور سب ہوتا ہے۔ جو شخص شیخین صحابہؓ کے حق میں اتنی بڑی جسارت سے کام لیتا ہے، وہ ان حضرات کی طرف سے دفاع کو غلو نہیں کہے گا تو اور کیا کہے گا؟

ان کا یہ کہنا کہ خلافت کی تعیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی تو آپ پر حرف آتا، کیا سیدنا صدیق اکبرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نہیں ہیں؟ کیا آپ کے سب سے بڑے صحابی نہیں ہیں؟ آپؐ کے نائب اور جانشین نہیں؟ کیا اس صورت میں آپ پر طعن اور حرف گیری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور کیا روافض نے آپ پر تبرّا وغیرہ کرنے میں کمی کی ہے؟ ان کو کبھی اس نسبت اور تعلق کا احساس ہوا کہ مہاجرین اور انصار نے بالاتفاق آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بالآخر آپ کی بیعت کی اور آپ کو خلیفۃ المسلمین مانا۔ آپ وعدۂ استخلاف کے اولین مصداق ہیں۔ کیا اس صورت میں طعن و تشنیع کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عود نہیں کرتا؟ کبھی مخالفین نے اس تعلق اور نسبت کا لحاظ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا کرتے ہوئے ابوبکرؓ کو معاف کیا جو تعیین خلافت کی صورت میں کرتے؟ یہ محض خام خیالی ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان کیا۔ ملائکہ نے ان کی خلافت پر اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کے بعد ملائکہ نے اپنی بات سے رجوع کرلیا، لیکن شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا اور مارا گیا تو جب خود اللہ

تعالیٰ کی طرف سے خلافت کی تعیین کے بعد فرشتے معترض ہوئے اور معذرت کے بعد ان کو معاف کردیا گیا اور اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے شیطان راندۂ درگاہ ہوا، ایسے ہی جو لوگ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت پر معترض ہوتے اور پھر رجوع نہ کرتے تو مارے جاتے اور ابلیس کی طرح جو اپنے انکار پر مصر ہوتا تو راندۂ بارگاہِ الٰہی ہوتا۔ اہل سعادت کو سعادت نصیب ہوتی اور اہل شقاوت کو بدبختی اور محرومی۔ وہی کچھ ہوتا جو ہوا۔ معلوم نہیں مولوی صاحب کو کیا خطرہ درپیش ہے اور وہ کن کا تحفظ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ سیدنا صدیق اکبرؓ کی بیعت نہ کرکے محفوظ رہے اور ان پر افتاد نہ آئی۔ شاید کہ اس سے وہ شیعوں کو پناہ دینا چاہتے ہیں جنہوں نے آج تک سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے کے بجائے آپ کی ذات بابرکات پر طعن کرنا اپنا محبوب مشغلہ بنا رکھا ہے۔ دنیا اور آخرت کی رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ (۱)

خالد بن سعید بن عاصؓ آپ کی خلافت کا اقرار کرنے والوں میں سے تھے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی عملداری سے انکار کردیا

قولہ: ''اب سعد بن عبادہ نہیں مانے، آخر تک نہیں مانے۔ خالد بن سعید بن عاص نہیں مانے، علی نہیں مانے۔ بعد میں حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد بیعت فرمائی۔ خالد بن سعید نے بھی چار پانچ مہینے لگا دیے تھے، پھر جاکے بیعت فرمائی۔''

الجواب: حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

و ذکر سیف فی الفتوح عن سهیل بن یوسف عن القاسم بن محمد ان ابا بکر أمره علی مشارق الشام فی الردة۔ (۲)

(۱) مزید تفصیل صفحہ ۳۲۴

(۲) الاصابہ ص ۴۰۷۔

"سیف نے فتوح میں سہیل بن یوسف سے بروایت قاسم بن محمد ذکر کیا ہے کہ ابوبکرؓ نے خالد بن سعید بن العاصیؓ کو شام کے مشرقی علاقوں پر ردّت کے فتنہ میں امیر بنا کر بھیجا۔"

علامہ ابن عبدالبرؒ تحریر فرماتے ہیں:

و قال خالد بن سعيد بن عمرو بن سعيد أخبرني أبي ان اعمامه خالدا وأبان وعمروا ابني سعيد بن العاصي رجعوا عن عمالتهم حين مات رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابو بكر ما لكم رجعتم عن عمالتكم؟ ما احد احق بالعمل من عمال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ارجعوا الى أعمالكم فقالوا نحن بنو أبي احيحة لا نعمل لاحد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبدا ثم مضوا الى الشام فقتلوا جميعا (۱)

"خالد بن سعید بن عمرو بن سعید نے کہا ہے کہ میرے باپ نے خبر دی کہ اس کے چچا خالد، ابان، عمرو تینوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اپنی عملداری سے واپس آئے تو ابوبکرؓ نے کہا تم اپنی عملداری سے کیوں واپس آئے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عمال میں سے کوئی اور عملداری کا زیادہ حق نہیں رکھتا۔ تم اپنی عملداری پر واپس چلے جاؤ تو انہوں نے کہا ہم ابواحیحہ کے بیٹے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے عملداری کرنا نہیں چاہتے۔ اس کے بعد وہ شام چلے گئے، وہیں سب کے سب قتل کیے گئے۔"

اصابہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کو اپنے خلافت کے دور میں ردّت کا مقابلہ پیش آیا اور یہ اوائل میں تھا۔ اس میں خالد بن سعید بن عاصی کو مشارق

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص ۴۰۱ ج ۱ بر حاشیہ الاصابہ

شام میں امیر بنا کر بھیجا۔ اور استیعاب کی عبارت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد اپنی عملداری سے واپس آئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے کہا تم اپنی عملداری پر واپس چلے جاؤ، تم سے زیادہ اس امر کا کوئی استحقاق نہیں رکھتا کیوں کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ ہو، لیکن انہوں نے نہ مانا۔ پھر شام چلے گئے اور وہیں کسی جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں خالد بن سعید بن عاصی کا سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کے تحت اور ان کے حکم کے تابع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کا تو اشارہ تک بھی نہیں ہے کہ چار پانچ ماہ تک آپ کی بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تحریر فرمایا ہے:

وأما الذين عدهم هذا الرافضي أنهم تخلفوا عن بيعة الصديق من أكابر الصحابة فذلك كذب عليهم الا على سعد بن عبادة فان مبايعة هؤلآء لأبي بكرؓ وعمرؓ أشهرمن ان تنكر وهذا مما اتفق عليه أهل العلم بالحديث والسير والمنقولات وسائر أصناف اهل العلم خلفا عن سلف وأسامة بن زيدؓ ما خرج في السرية حتى بايعه ولهذا يقول له يا خليفة رسول الله وكذلك جميع من ذكره بايعه لكن خالد بن سعيدؓ كان نائبا للنبي صلى الله عليه وسلم فلما مات النبي صلى الله عليه وسلم قال لا أكون نائبا لغيره فترك الولاية والا فهو من المقرين بخلافة الصديق وقد علم بالتواتر أنه لم يتخلف عن بيعته الا سعد بن عبادة وأما عليؓ وبنو هاشم فكلهم بايعه باتفاق الناس لم يمت أحد منهم الا وهو مبايع له۔ (۱)

(۱) منہاج السنہ ص ۲۳۰ ج ۴ مطبع الکبری الامیریہ بولاق مصر المحمیہ

"لیکن وہ کبار صحابہ جن کو اس رافضی نے ان لوگوں میں شمار کیا جنہوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی بیعت سے تخلف کیا، یہ ان پر بہتان ہے سوائے حضرت سعد بن عبادہؓ کے۔ ان کے علاوہ باقی لوگوں کا حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی بیعت کرنا بہت مشہور ہے، اس پر محدثین، اہل سیر، اصحاب منقولات اور اہل علم کی تمام اقسام سلف سے خلف تک سب کا اتفاق ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے پہلے بیعت کی، پھر کسی جنگ کے لیے نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو وہ یا خلیفہ رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔ اسی طرح سب لوگوں نے آپ سے بیعت کی، اور خالد بن سعیدؓ آپ کے نائب تھے۔ آپ کی وفات کے بعد انہوں نے کہا میں کسی غیر کا نائب نہیں بنتا تو اپنا عہدہ چھوڑ دیا، ورنہ وہ تو سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کا اقرار کرنے والوں میں تھے۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ آپؓ کی بیعت سے سوائے سعد بن عبادہؓ کے کسی نے تخلف نہیں کیا۔ رہے حضرت علیؓ و بنو ہاشم تو سب نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی پر موت نہیں آئی مگر وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا تھا۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت پر مہاجرین اور انصار کے اجماع کے بعد کسی کا خلاف حجت نہیں

قولہ: "ایک خارجی عبدالملک بن مروان کے سامنے لایا گیا تو اس نے کوسا کہ کیوں ہر وقت تم جھگڑتے رہتے ہو؟ تو اس نے یہ سوال کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مقرر کیوں نہیں کیا؟ عبدالملک چپ ہو گیا۔ خارجی نے کہا اس لیے نہیں کیا تھا کہ اس امت میں اختلاف رہنا تھا تو اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا۔ یہ جواب مجھے بڑا اچھا لگا۔"

الجواب: مولوی صاحب کو ایک خارجی کا جواب تو اچھا لگا جنہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بغاوت کی اور ان کے خلاف خروج کیا اور ان سے جنگ کی یہاں تک کہ ان کی تکفیر کے قائل ہوئے، لیکن یہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا کمال ہے کہ آپ نے ان کی تکفیر کو جہالت پر محمول کر کے ان کو باغی سمجھا اور ان کے مفتوحہ اموال اور اولاد کو کافروں کے اموال کی طرح مال غنیمت نہیں سمجھا بلکہ تائب ہو کر واپس آنے والوں اور رجوع کرنے والوں کو جنگ میں چھینا ہوا مال و متاع واپس کر دیا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دیگر خلفاء راشدین کی اپنی اپنی خصوصیات کی طرح سیدنا علیؓ کی یہ خاص صفت ہے جو آپ کے حوصلہ، بردباری اور آپ کے تقویٰ پر دال ہے۔ اگر خارجیوں کے ساتھ آپ کا اس طرح کا سلوک نہ ہوتا تو آئندہ ہمیشہ باغیوں کے ساتھ کافروں سا سلوک کیا جاتا، لیکن انہوں نے مقابل اور مخالفین سے ایسا سلوک روا رکھا جو آپ ہی کی شایان شان ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مولوی صاحب کے ہمنوا خارجی کا جواب حجت ہے یا سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت پر مہاجرین و انصار صحابہؓ کا اجماع حجت تامہ اور واجب التسلیم ہے جسے مولوی صاحب بلاوجہ مختلف فیہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟

ز فہم نارساست کہ آنجا نمی رسد

خلافت کے تعین اور غیر تعین میں مولوی صاحب کا خلط مبحث

قولہ: "اس میں سوچ بچار کرتے کرتے یہ بات سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا تعین کر دینا، پھر اس پہ کوئی اعتراض ہوتا یا اس میں کوئی کمی بیشی آتی تو اعتراض کوئی بھی نہ کرتا، وہ کمی منسوب ہوتی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو انبیاء کو پاک رکھنا ہوتا ہے، کوئی غبار ان پہ نہیں آئے گا نہ ان کی زندگی میں، نہ ان کی موت پر نہ ان کی موت کے بعد۔"

الجواب: مولوی صاحب کہتے ہیں کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم آرہا ہے، اس لیے اس نے خطا کرنی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ مقرر کرتے، تب بھی ان سے خطا کا ظہور ہوتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ خلیفہ اور غیر متعین کردہ خلیفہ میں کیا فرق باقی رہا؟ جب اس نے ہر صورت خطا کرنی تھی تو آپ کی تعیین کو کیا ترجیح حاصل ہوئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ مولوی صاحب نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت میں یہ طعن کیا ہے کہ سعد بن عبادہؓ نہیں مانے، آخر تک نہیں مانے، خالد بن سعید بن العاصی نہیں مانے، حضرت علیؓ نہیں مانے، بعد میں بیعت فرمائی تو تعیین کے بعد یہ سارے ہی مان جاتے۔ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہہ دیا تو پھر کون انکار کرتا؟

مذکورہ بالا عبارت میں مولوی صاحب نے تعیین کی ترجیح کو تسلیم کرلیا ہے اور کہا ہے کہ سارے ہی مان جاتے اور جب سارے ہی مان جاتے تو اب حضرت ابو بکرؓ میں کون سی کمی بیشی بطور انسان باقی رہتی؟ یہ ہے مولوی صاحب کی لاحاصل بحث جس کی وہ بار بار رٹ لگا رہے ہیں اور اپنی قسما قسم کی لفاظی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

بحثیں فضول تھیں کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

اگر اختلاف ہی کسی بزرگ کی کمی بیشی کا باعث ہوتا تو انبیاء کی ذوات بھی اس سے محفوظ نہیں

اگر کسی بزرگ سے اختلاف ہی اس بزرگ کی کمی بیشی کا سبب ہوتا ہے تو سیدنا ہارون علیہ السلام سے کون سی کمی بیشی ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بقول مفسرین ستر ہزار آدمی مرتد ہو گئے اور اگر نبی کے غیر معصوم خلیفہ مقرر کرنے میں کمی

بیشی ہوتی تو حضرت شموئیل علیہ السلام کے مقرر کردہ بادشاہ اور خلیفہ میں کون سی کمی واقع ہوئی کہ اسی ہزار فوج میں سے بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ افراد میدان میں باقی رہے اور باقی کہنے لگے:

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ (۱)

"ہمیں آج کے روز جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں۔"

یہ لوگ میدان میں نہ آئے۔ کیا سیدنا صدیق اکبرؓ ایسے ہیں کہ اگر سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مقرر کردیتے تو ان سے ضرور خطا کا ظہور ہوتا؟ (معاذ اللہ) مولوی صاحب کہتے ہیں کہ شیعوں کی رد میں غلو سے کام لے کر حضرت ابو بکرؓ کی صفائی کیوں پیش کریں۔ میں پوچھتا ہوں یہ تو شیعوں کے رد میں مولوی صاحب نے غلو سے کام نہیں لیا بلکہ اعتدال اختیار کیا ہے، بصورت دیگر اگر شیعوں کے رد میں غلو اختیار کرتے اور اعتدال چھوڑ دیتے تو آخر سیدنا صدیق اکبرؓ کی ذات بابرکات پر شیعوں کے کون سے الزامات صحیح ہیں جن سے وہ ان کی برأت پیش کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عیوب اور برائیوں سے محفوظ رکھا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ مولوی صاحب نے کون سی حد باقی رکھی ہے کہ اس نے اس میں سیدنا صدیق اکبرؓ کا دفاع کیا ہو بلکہ وہ خود اس بات پر مصر ہیں اور یہی ان کا نظریہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے جو کمی بیشی ہوئی تھی بطور انسان کے، وہ ہو کر رہی۔ طرح طرح کے عنوان اور مختلف پیرایے سے سیدنا صدیق اکبرؓ کی ذات اور ان کی خلافت کو موضوع بنا کر بے جا نشانہ بنایا ہے۔ یہ ان اکابر کی ذات بابرکات پر سب وشتم نہیں تو اور کیا ہے؟ سب وشتم صرف پنجابی گالی نہیں ہوتی، بلکہ بڑوں کے حق میں ان کی کسر شان اور بے ادبی کو سب وشتم کہا جاتا ہے۔ شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ مصلی پر ابو بکرؓ قابض ہو گئے، خلافت چھین لی اور باغ فدک غصب کیا

(۱) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۴۹

وغیر ذلک۔ اسی طرح مولوی صاحب کو سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت میں کمی بیشی نظر آئی ہے اور بقول ان کے اس سلسلہ میں ان سے خطا ہوئی کیوں کہ وہ نہ محفوظ تھے اور نہ معصوم۔ مولوی صاحب کے طعن میں کیا کمی باقی رہ گئی ہے اور اس سے زیادہ وہ کیا کہہ سکتے ہیں؟

کچھ عرصہ توقف کے بعد آخر حضرت علیؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو مسلمان حضرت علیؓ کے زیادہ قریب ہو گئے کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے

قولہ: ''حضرت علیؓ نے کہا کہ ہمیں گلہ آیا ہے کہ ہمیں شریک تو کرنا تھا۔ اور بات تو ٹھیک تھی کہ سب سے زیادہ قرابت دار تو یہی تھے اور وہ بھی ٹھیک تھے کہ وہاں کون سا کوئی منصوبے کے تحت گئے تھے۔ وہاں ہنگامہ ایسا کھڑا ہو گیا تھا کہ اگر ہنگامی طور پر اس کا سدباب نہ کیا جاتا تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔ پہلے دن ہی امت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی تو سب کا احترام رکھو۔''

الجواب: مولوی صاحب نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کو مختلف فیہ ثابت کر کے گول کر دیا ہے کہ یہ بھی سچے تھے اور وہ بھی سچے تھے اور حقیقت حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور یہ نہیں بتایا کہ سیدنا علیؓ نے رجوع کر لیا۔ اسی میں ان کی اور طبقہ بنو ہاشم کی فضیلت اور سرفرازی تھی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ صحیحین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وكان لعلىؓ وجه من الناس حياة فاطمة فلما ماتت استنكر على وجوه الناس فالتمس مصالحة أبى بكرؓ ومبايعته و لم يكن بايع

تلك الاشهر فأرسل الى أبى بكر أن أتنا ...... فدخل عليهم ابوبكرؓ فتشهد على ثم قال انا قد عرفنا فضيلتك يا ابا بكر وما اعطاك الله ولم ننفس عليك خيرا ساقه الله اليك استبددت بالأمر علينا وكنا نرى ان لنا فيه حقا لقرابتنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يزل يكلم ابا بكر حتى فاضت عينا ابى بكر فلما تكلم ابوبكر قال والذى نفسى بيده لقرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الى ان اصل من قرابتى واما الذى شجر بينى وبينكم من هذه الامور فانى لم آل فيها عن الحق ولم اترك امرا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنعه فيها الا صنعته فقال على لابى بكر موعدك العشية للبيعة فلما صلى ابوبكر الظهر رقى على المنبر وتشهد وذكر شان على وتخلفه عن البيعة وعذره الذى اعتذر به ثم استغفر وتشهد على فعظم حق ابى بكر وانه لم يحمله على الذى صنع نفاسة على ابى بكر ولا انكار للذى فضله الله به ولكنا كنا نرى ان لنا فى الامر نصيبا فاستبد علينا به فوجدنا فى انفسنا فسر بذلك المسلمون وقالوا اصبت وكان المسلمون الى على قريبا حين راجع الامر بالمعروف (١)

''حضرت فاطمہؓ کی حیات میں حضرت علیؓ کی لوگوں کے ہاں ایک خاص وجاہت تھی۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ نے لوگوں کے چہروں میں اجنبیت محسوس کی تو آپ کو حضرت ابوبکرؓ کی مبایعت اور مصالحت کا احساس ہوا جب کہ اس سے پہلے اتنے

(١) منہاج السنہ ص ٢٣١ ج ۴، بخاری ص ٦٠٩ ج ٢

ماہ گزر چکے تھے اور بیعت نہیں کی تھی تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔..... حضرت ابوبکرؓ تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ نے تقریر فرمائی اور حمد وصلوٰۃ کے بعد کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو فضیلت دی، ہم نے اسے بخوبی پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو خیر عطا کی ہے، ہمیں اس پر حسد نہیں ہے لیکن آپ ہماری مشاورت کے بغیر ہی حاکم بن گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے باعث ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا بھی اس میں حق ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آگئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے کلام کیا تو کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے، لیکن جو ہمارے اور آپ کے درمیان مناقشہ پیدا ہوا تو میں نے اس میں حق سے کوتاہی نہیں کی۔ میں نے ایسا کوئی امر ترک نہیں کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ آپ کے پاس بیعت کے لیے ظہر کے وقت کا وعدہ ہے۔ پس جب حضرت ابوبکرؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو منبر پر آئے، خطبہ دیا، حضرت علیؓ کی شان بیان کی اور ان کے پیچھے رہ جانے اور ان کے عذر کا تذکرہ کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے استغفار کیا اور تشہد پڑھا اور حضرت ابوبکرؓ کے حق کی عظمت بیان کی جس فضیلت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے، اور کہا کہ واللہ اتنے عرصے میں ابوبکرؓ کی بیعت نہ کرنے کا باعث حسد اور انکار نہ تھا، بلکہ ہم سمجھتے تھے کہ ہمارا بھی اس امارت میں حصہ ہے۔ وہ ہماری مشاورت کے بغیر حاکم بن گئے جسے ہم نے محسوس کیا۔ آپ کے اس بیان سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور کہنے لگے کہ آپ نے صحیح فیصلہ کیا۔ اس وقت مسلمان حضرت علیؓ کے قریب ہو گئے اس لیے کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے۔" (مزید تفصیل صفحہ ۳۳)

حاجی عبدالوہاب صاحب کو حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی شبیہ قرار دینا غلو اور شرم ناک ہے

قولہ: "عبدالوہاب صاحب عجیب انسان ہیں۔ ان کی صحبت سے نفع اٹھانے کے جو اوزار ہیں، وہ ہمارے پاس ہیں نہیں۔ جو سوچ کی بلندی اور وسعت فکر اس شخص کو اللہ نے عطا کی ہے، یہ سارے آج کل کے حضرت مولانا اور علماء اس شخص کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔ روایات ابوبکرؓ کی زیادہ ہیں یا ابوہریرہؓ کی زیادہ ہیں؟ ابوبکرؓ کی تو سو بھی نہیں بنتیں اور ابوہریرہؓ کی ۲۲۰۰ سے اوپر چلی جاتی ہیں۔ (کسی طالب علم نے بتایا کہ ابوہریرہؓ سے ۵۳۷۴ روایات ہیں۔ پوچھا ابوبکرؓ کی؟ طالب علم نے بتایا ۵۰۔ (ہنستے ہوئے) تو پھر ابوبکرؓ کو پہنچ سکتے ہیں ابوہریرہؓ؟"

الجواب: ذرا غور فرمائیے اس پوری تحریر میں کہ کبار صحابہؓ کا نام اس طرح لیا گیا ہے جیسے کوئی یہ عام لوگ ہیں (ابوبکرؓ، ابوہریرہؓ) نیز یہ تشبیہ کا بہت بھدا تصور ہے۔ اپنے آدمی کو بڑھانا اور علماء کرام کی توہین اور ان کی عظمت کو ایک ان پڑھ، خود رائے شخص کی خاک پا سے پست قرار دینا گھٹیا ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس کو سیدنا صدیق اکبرؓ کی شبیہ اور مثیل کہنا بہت شرمناک حرکت ہے۔ اہل علم اور علمائے کرام کے لیے تو بہت بڑا فضل ہے کہ روایات حدیث اور علم شریعت کی بدولت انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے تشبیہ حاصل ہو، لیکن وہ کون سی علل اور وجوہ ہیں جن کے باعث حاجی عبدالوہاب کو حضرت ابوہریرہؓ سے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کی شان حاصل ہوئی ہے؟ نیز اس تحریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب آج کے حضرت مولانا اور علماء بقول اس کے حضرت ابوہریرہؓ کے مقام و منزلت تک پہنچے ہیں اور حاجی صاحب کو سیدنا صدیق

اکبرؓ کا مقام و مرتبہ حاصل ہے تو حاجی صاحب حضرت ابو ہریرہؓ سے افضل ٹھہرے۔ جس شخص کی لب کشائی سے سید الطائفہ، شیخ الصحابہ، خیر الخلائق بعد الانبیاء نہیں بچ سکے تو اہل علم کس قطار میں ہیں!

گھائل تری نظر سے بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ ہی نہیں

سیدنا صدیق اکبرؓ فقیہ اور مجتہد تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کا ساری زندگی مطالعہ کیا۔ آپ شیخ الصحابہ تھے۔ علم و عمل میں کسی صحابی کو آپ پر برتری کا دعویٰ نہیں، لیکن مولوی صاحب نے تقابل میں ان تمام باتوں سے اغماض کر کے کثرت روایات کو علم کا معیار قرار دیا ہے۔

ہمارے شیخ اور استاذ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی، بڑے بڑے علماء نے ان کی خدمات کو سراہا اور ان کے علمی اور عملی مرتبت کو تسلیم کیا۔ محدث کبیر، مولانا شمس الحق افغانیؒ اور امام خطابت مولانا سید عطاء المنعم شاہؒ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کی پوری اکیڈمی وہ کام نہ کر سکی جو علماء دیوبند کے اس ایک فرزند ارجمند نے کیا۔ بایں ہمہ مولوی صاحب کہتے ہیں:

"مولانا سرفراز خان صاحب ہمارے سر کے تاج ہیں، لیکن انہوں نے ساری زندگی منفی پہلو پر لکھا ہے۔ منفی پہلو پر لکھتے لکھتے قلم میں شدت آجاتی ہے۔ ان کی جو کتب ہیں، ان میں بریلویت کا رد، رافضیت کا رد، غیر مقلدیت کا رد، رد، رد، رد۔ ساری زندگی رد میں گزری ہے تو جو آدمی رد کرتا رہتا ہے، اس کی بات میں شدت آجاتی ہے۔ (لہٰذا ان کی ہر بات ماننا ضروری نہیں)"

یہ ہیں مولانا سرفراز خان صاحب پر ان کے ریمارکس اور حاجی عبدالوہاب کے بارے میں ان کا یہ غلو کہ آج کل کے مولانا اور علماء اس کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

علماء کرام کے لیے لمحہ فکریہ

یہ لوگ علماء کرام کو یہ کہہ کر اغواء کرتے ہیں کہ یہ جو کام ہم کر رہے ہیں، یہ دراصل علماء کا کام ہے۔ علماء آگے آئیں اور اس جماعت کی قیادت کریں۔ دراصل یہ ان کی جعل سازی اور فریب ہے۔ ان کے ہاں علماء کا کوئی مقام نہیں۔ یہ علماء کرام کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ان کو اپنا تابع اور دوسری جنس شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی ایسی تربیت کہ یہ ہمارے سانچے میں ڈھل جائیں، بہت مشکل ہے۔ افسوس تو ان نوجوان فضلاء پر ہے جو دس بارہ سال کے طویل عرصہ میں حصول علم کے بعد اپنے اساتذہ کی محنت اور ان کی متاع عزیز نبوی وراثت اور ان کی تربیت میں حاصل کردہ فضل و ادب کو پس پشت ڈال کر اس طبقہ کی دریوزہ گری کرتے ہیں اور ان کی لن ترانی میں آکر تھوڑے عرصہ میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کو چاہیے کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ اپنے خزینہ علم کی حفاظت اور وراثت نبوی کا پاس کریں۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اسلاف امت کا طرز زندگی اپنائیں۔ اپنے اساتذہ اور مشائخ کی اقتدا اور اپنی خداداد بصیرت اور فہم و فراست کے تحت جہاد و قتال فی سبیل اللہ، دینی، سیاسی، علمی اور ہر قسم کی انسانی خدمات سرانجام دیں۔ واللہ الموفق

ل اللہ تعالیٰ: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (۱)

(۱) سورۃ العنکبوت، ۶۹

"جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی ہدایت کے راستے دکھا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ کے بعد مولوی صاحب کی حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں لاف زنی کہ وہ سو نمبر نہیں لے سکے اور اس کا جواب

قولہ: "عمرؓ ۹۹ فیصد عصمت کے قریب ہو گئے لیکن ۱۰۰ نمبر نہیں لے سکے۔ ۱۰۰ نمبر لینے والا تو معصوم ہوتا ہے، لہٰذا ہم انہیں ساڑھے ۹۹ نمبر تو دے سکتے ہیں، آدھا چھوڑیں گے تا کہ نبی اور غیر نبی میں فرق باقی رہے تا کہ انبیاء کی ذات پر غبار نہ آئے، صاف رہے۔"

الجواب: سیدنا صدیق اکبرؓ پر ہاتھ صاف کیا تو اب چاہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعاقب کریں تا کہ حضرات صحابہؓ کے سیدین، مخدومین، شیخین پر جرح کر کے ان دونوں کو راہ سے ہٹالیں اور ہمارے لیے طعن و تشنیع اور تنقید کی راہ آسان ہو جائے۔ سیدنا عمرؓ کی خلافت سے متعلق کوئی بات سامنے نہ آئی تو ایک مفروضہ قائم کر لیا کہ نبی بننے میں حضرت عمرؓ ۱۰۰ نمبر نہ لے سکے۔ ارے بندہ خدا! نبوت ایک امر وہبی ہے جس میں کسی کو نمبر نہیں لینے پڑتے۔ پھر یہ حضرت عمرؓ کا میدان نہیں، نہ کسی انسان کو یہ دسترس حاصل ہے کہ وہ اس میں کامیابی حاصل کر سکے۔ حضرت عمرؓ کے عمل کا میدان خلافت ہے جس میں انہوں نے اتنے نمبر لیے کہ انبیاء اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد بنی نوع آدم میں کوئی حاصل نہ کر سکا بلکہ بعض باتوں میں آپ نے سیدنا صدیق اکبرؓ پر بھی ترجیح حاصل کی جیسا کہ احادیث کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔

مولوی صاحب کے مفروضہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کہے زید باایں ہمہ بلند و بالا مرتبہ کے باپ کا مقام نہ لے سکا۔ ایک آدھ نمبر کی کسر باقی رہ گئی، ورنہ یہ زید

باپ کی جگہ ہوتا۔ جو باپ کے حقوق ہیں، وہ جملہ حقوق اس کو حاصل ہو جاتے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ایسے شخص کے جواب میں کہا جائے گا کہ زید کے متعلق یہ خیال غلط ہے۔ زید کا کمال یہ ہے وہ اپنے آپ کو باپ کا اچھا بیٹا ثابت کرے اور اس منصب کے حصول کے لیے ہمہ تن جدوجہد اور کوشش کرے اور اپنے باپ کی اچھی روایات قائم کر کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو۔

مولوی صاحب کی دیدہ دلیری اور جسارت کہ نبوت کے ۱۰۰ نمبر بنا دیے اور حضرت عمرؓ کو ننانوے نمبر دے دیے اور کہا کہ ہم انہیں ساڑھے ننانوے نمبر تو دے سکتے ہیں، آدھا چھوڑیں گے تا کہ نبی اور غیر نبی میں فرق باقی رہے۔ مولوی صاحب اپنی طرف سے ننانوے نمبر پر مزید آدھا نمبر حضرت عمرؓ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔ یعنی حضرت عمرؓ کی رسائی تو ننانوے نمبر تک ہے اور مولوی صاحب کی رسائی ۱۰۰ نمبر تک ہے، اس لیے کہا کہ آدھا نمبر تو حضرت عمرؓ کو دے سکتے ہیں اور آدھا نمبر چھوڑ دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ننانوے سے اوپر نمبر حاصل نہیں کر سکے تو مولوی صاحب کے پاس ایک آدھ نمبر کہاں سے آیا جن کی وہ نگہداشت کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ خود فرمان نبویؐ کے مطابق نبوت کے اجزاء میں صرف ایک جز رؤیا صالحہ باقی ہے جو چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے تو مولوی صاحب کی کشکول میں ۱۰۰ نمبر کہاں سے آ گئے؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الحیاء شعبة من الایمان (۱)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا، ایمان کا ایک شعبہ ہے۔"

عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لم یبق من النبوة الا المبشرات قالوا وما المبشرات؟ قال الرؤیا الصالحة۔ (۲)

---

(۱) رواہ مسلم۔ (۲) رواہ البخاری

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت میں سے کوئی جز باقی نہیں رہا، مگر صرف مبشرات۔ صحابیؓ نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا رؤیا صالحہ۔''

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : الرّؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ (۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رؤیا صالحہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

مصاحب منصور اور فضل بن ربیعہ کے واقعہ میں کتنا فریب اور مغالطہ آفرینی ہے کہ حضرت عمر کو آزمایا گیا

قولہ: ''ایک دفعہ ابو جعفر منصور کا ایک مصاحب شیعہ تھا۔ فضل بن ربیعہ سنی تھا۔ دونوں منصور کے مقرب تھے تو یہ دونوں ایک دوسرے کو نیچے گرانے کے چکر میں رہتے تھے تو فضل نے ایک دن کہہ دیا کہ عمرؓ کے سامنے جو علیؓ اور عباسؓ پیش ہوئے تھے تو ان میں کون سچا تھا؟ تو اب اگر وہ کہے علی سچے تھے تو منصور عباسی ہے تو ادھر سے مصیبت پڑتی ہے اور اگر کہے عباس سچے تھے تو اپنے مسلک پہ زد پڑتی ہے تو کہنے لگا وہ تو دونوں ہی سچے تھے۔ ان کی مثال تو داؤدؑ کے پاس آنے والے فرشتوں کی ہے۔ وہ تو عمر کو سمجھانے کے لیے آئے تھے، نہ کہ آپس میں ان کا کوئی جھگڑا تھا۔ علی بھی سچا تھا، عباس بھی سچا تھا۔''

الجواب: مولوی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت سے یہ بتلایا ہے کہ فضل کے جواب میں ابو جعفر کے مصاحب شیعہ نے کہا، وہ تو دونوں ہی سچے تھے۔ ان کی مثال تو تھی داؤد

(۱) متفق علیہ، المشکوٰۃ ص ۳۹۴

علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی۔ وہ تو عمر کو سمجھانے کے لیے آئے تھے نہ کہ آپس میں ان کا کوئی جھگڑا تھا۔ علی بھی سچا تھا، عباس بھی سچا تھا۔ افسوس اس جواب میں کتنا فریب اور مغالطہ آفرینی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا۔ اس میں واقعی داؤدؑ کی آزمائش تھی تو کیا اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ امیر المومنین کی آزمائش کرنا چاہتے تھے؟ یاللعجب ولضیعۃ الادب۔ کیا چھوٹا بھی بڑے کی آزمائش کرسکتا ہے؟

نیز اس سے یہ ثابت ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتوں کے مکالمے میں داؤد علیہ السلام آزمائش میں پڑ گئے اور توبہ استغفار کی، ایسے ہی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے جھگڑے میں آزمائش میں پڑ گئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو آزمایا ہو اور حضرت عمرؓ ان کی باتوں سے پریشان ہوئے ہوں، بلکہ آپؓ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے وہ دونوں حضرات خاموش ہو گئے اور پھر کبھی انہوں نے امیر المومنین کے سامنے اس قسم کا مقدمہ لانے کی جسارت نہ کی۔

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا تنازعہ فرضی تھا یا واقعی حقیقت پر مبنی تھا؟ آزمائش میں یہ پڑے یا امیر المومنین؟

بخاری میں ہے:

مالک بن اوسؓ کہتے ہیں امیر المومنین عمرؓ کی مجلس میں عثمانؓ، سعدؓ، عبدالرحمٰنؓ اور زبیرؓ بیٹھے تھے۔ اتنے میں علی وعباس رضی اللہ عنہما آئے اور اجازت مانگی۔ عباسؓ نے کہا امیر المومنین! میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کرو۔ وہ ایک دوسرے کو سخت سست کہہ رہے تھے۔ عثمانؓ اور اس کی جماعت نے کہا، ہم سے پہلے آپ ان کی بات سن لیں۔ ان کے مابین فیصلہ کریں، ان کو آرام پہنچائیں۔ آپؓ نے کہا ذرا ٹھہرو۔ میں تمہیں

اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: لا نورث ما ترکنا صدقة۔ ''ہم وارث نہیں بنائے جاتے۔ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، صدقہ ہے'' تو حاضرین نے کہا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ امیر المؤمنین عمرؓ، علیؓ وعباسؓ پر متوجہ ہوئے۔ کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا ہے؟ انہوں نے بھی تصدیق کی۔ آپؓ نے اپنے طویل کلام میں سے یہ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے سال بھر اپنے اہل وعیال کا خرچہ کرتے تھے اور جو باقی بچ جاتا تھا، اسے اللہ کے مال کے قائم مقام یعنی مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کرتے۔ اسی طرح ابو بکرؓ آپؐ کے اہل وعیال پر خرچ کرتے۔ ابھی دو سال ہوئے، اپنی امارت میں اسی طرح عمل کر رہا ہوں جو نبی کریمؐ اور ابو بکرؓ کیا کرتے تھے۔ آپ میرے پاس اس سے قبل بھی آئے تھے اور اندر سے تمہاری بات ایک ہے اور مقصد بھی ایک۔ میں نے کہا تم دونوں کو زمین واپس کر دیتا ہوں، تمہاری ذمہ داری ہے کہ اللہ کا عہد اور اس کے میثاق پر عمل کرو۔ تم اس میں وہی طریقہ اختیار کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کیا کرتے تھے اور جو میں نے اپنی امارت میں کیا۔ وگرنہ مجھ سے بات مت کرو۔ تو آپ نے اس شرط پر مجھ سے کہا کہ وہ زمین ہمیں دے دو۔ میں نے اس شرط پر وہ زمین آپ کو دے دی۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

افتلتمسان منی قضاءً غیر ذٰلك؟ فوالذی باذنه تقوم السماء والارض لا اقضی فیها قضاءً غیر ذٰلك حتی تقوم الساعة فان عجزتما عنها فادفعاها الیّ فانا اکفیکُماها (۱)

''اب کے بار اگر تم مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو تو قسم ہے اس ذات

(۱) بخاری جلد دوم، ص ۱۰۸۵، ۱۰۸۶

کی جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں، اس کے علاوہ اس میں تا قیامت کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر تم اس کی مشترکہ عمل داری سے عاجز ہو تو رقبہ اراضی مجھے واپس کر دو۔ میں تم دونوں کی گزر اوقات کی کفایت کرتا رہوں گا۔''

اس واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا تنازعہ ایک فرضی معاملہ تھا یا واقعی حقیقت پر مبنی تھا جس میں ان کی آپس میں سخت کلامی بھی ہوئی۔ آزمائش میں یہ حضرات پڑے تھے یا امیر المؤمنین؟ وہ چاہتے تھے کہ ہم اس رقبہ اراضی کو آپس میں تقسیم کر لیں تاکہ اس کی کاشت اور بٹوارے میں آئندہ کسی قسم کا تنازعہ نہ ہو، لیکن امیر المؤمنین ان سے اس بات میں سخت ناراض ہوئے۔ ان کو ان کا سابق عہد یاد دلایا اور اس کی پابندی کا حکم دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الآیۃ)

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (الحدیث)

باب نمبر۲

مقام صحابہؓ

*سیدنا امیر معاویہؓ *حضرت حسنؓ

*دور نبوی اور دور خلفائے راشدینؓ

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں مولوی صاحب کے نازیبا الفاظ سوءِ ادب پر مبنی ہیں

قولہ: ۱) ''حضرت علیؓ حق پر تھے اور معاویہؓ خطا پر تھے۔''

۲) ''چھوٹے درجہ کے صحابہ میں معاویہ کو انیس برس حکومت کا تجربہ حاصل ہے۔''

۳) ''یہ تعصب ہے کہ ہم شیعہ کے مقابلے میں صحابہ کو معصوم بنا دیتے ہیں۔ یہ ذہن میرا کبھی نہیں رہا کہ وہ معصوم ہیں۔ معصوم و محفوظ ایک ہی چیز ہے۔''

۴) ''خلافت کے لیے اولویت تقویٰ نہیں ہے۔ خلافت کے لیے اولویت تدبیر کو ہے کہ تدبیر میں کیسا ہے۔''

۵) ''معاویہ عبد اللہ بن عمر کے ناخن کے برابر بھی نہیں تھے، درجہ کے لحاظ سے۔''

الجواب: اس بیان میں مولوی صاحب نے اپنی خام خیالی سے بے تکی باتیں کی ہیں۔ جمہور اہل سنت محدثینؒ و فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی بیعت کے بعد حضرت معاویہؓ کی خلافت، خلافت عادلہ تھی جس کا درجہ خلافت راشدہ کے بعد ہے تو آپ کو چھوٹے درجہ کا صحابی قرار دینا اور آپ کی خلافت عادلہ کو عام حکومت سے تعبیر کرنا مولوی صاحب کی خود ساختہ اصطلاح اور سوء ادب پر مبنی ہے۔

(۲) معصوم اور محفوظ کو ایک چیز قرار دینا علم کلام اور علم عقائد سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ معصوم عن الخطاء انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے نفوس مبارکہ ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہوتی ہے۔ محفوظ تو وہ ہے جس کو اللہ محفوظ رکھے اور

اس پر اس کی عنایت شامل ہو اور یہ نبوت کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس میں امت کے لاتعداد اولیاء وصلحاء بھی داخل ہیں جن سے زندگی بھر کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا۔ **و هذا مصرح فی کثیر من الکتب۔**

(۳) حکومت عادلہ اور خلافت اسلامیہ میں تقوی اور تجربہ میں سے تقویٰ کو اولیت حاصل ہے۔ **وعد الله الذین امنو منکم و عملو ا الصلحت** الخ (۱) کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن مولوی صاحب کہتے ہیں حکومت کے سلسلہ میں تقویٰ سے زیادہ تجربہ کو دخل ہے، اس لیے ادنی صحابیؓ معاویہؓ کو خلافت راشدہ کے بعد حکومت سپرد کی گئی اور دیگر صحابہؓ کی نسبت ان کا انتخاب اس لیے ہوا ان کا تجربہ ان کے تقوی سے بڑھ کر تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکومت اسلامیہ کے لیے ان کا انتخاب ہوا۔ یہ ہے ان لوگوں کی ذہنیت، یہ ہے ان لوگوں کا صحابہ کرامؓ کو پرکھنے کا معیار۔ بنیاد بھی غلط اور مصداق بھی غلط۔

اسلام میں تقویٰ اصل الاصول ہے اور تمام نیکیوں کا جامع ہے۔ حکومت اسلامیہ تو بہت بڑی بات ہے، انفرادی یا اجتماعی امور میں سے کوئی ایک امر بھی تقوی، دیانت اور اعانت خداوندی کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر تجربہ کی نسبت تقوی میں کمی واقع ہو جائے تو تجربہ باعث فساد ہوتا ہے۔ اگر تقوی کی نسبت تجربہ میں کمی ہو تو تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جبر نقصان (قرین قیاس ہے) ہو جاتا ہے۔

تقوی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ (۲)

''ہم نے بالتاکید وصیت کی ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور خاص تمہیں بھی وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو۔''

امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عراق کی جنگ

(۱) النور ۵۵۔ (۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۱۔

میں امیر بنا کر بھیجا تو ان الفاظ سے مخاطب ہوئے:

(بسم الله الرحمن الرحيم) اما بعد فانی آمرك ومن معك من الاجناد بتقوى الله على كل حال فا ن تقوى الله افضل العدة على العد وأقوى المكيدة فى الحرب (۱)

''اما بعد! میں تمہیں حکم کرتا ہوں اور تیرے ساتھ تمام لشکر کو ہر حال میں اللہ کے تقویٰ کو اختیار کیے رکھو، کیونکہ اللہ کا تقویٰ دشمن کے خلاف سب سے بہترین سامان اور جنگ میں کی جانے والی سب سے طاقتور تدبیر ہے۔''

(۴) ''معاویہؓ، عبداللہ بن عمرؓ کے تو ناخن کے برابر بھی نہیں تھے درجہ کے لحاظ سے'' یہ بہت ہی بھدی تعبیر اور سوقیانہ انداز ہے۔ نہ لکھنے میں نہ پڑھنے میں نہ قرینہ میں نہ تمیز میں۔ کبار صحابہ کی نظر میں حضرت معاویہؓ کا بہت بڑا مقام ہے۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نوجوان صحابہ وغیرہم کا شمار ان کے عزیزوں میں ہوتا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے کہا گیا کہ:

اوتر معاوية بعد العشاء بركعة فقال دعه فانه صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم

''کیا آپ نے معاویہؓ کو دیکھا کہ وہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ تو ابن عباسؓ نے کہا کہ ان پر طعن کرنا چھوڑ دو، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے: أصاب فانه فقيه۔ انہوں نے درست کیا، وہ مجتہد ہیں۔[۲]

کیا صحابہ کرامؓ طالب دنیا تھے؟ اس کا جواب

قولہ: ''ایک طالب علم بڑے غصے سے میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اس کا مطلب ہے کہ صحابہؓ دنیا کے طلبگار تھے؟ تو میں نے یہ آیت پڑھ دی: منکم من

(۱) اتمام الوفاء للخضریؒ، ص ۶۰ (۲) مزید تفصیل صفحہ ۳۳۸

یرید الدنیا اور کہا یہ کن کے بارے میں ہے؟ وہیں چپ ہو کے چلا گیا۔"

<u>الجواب</u>: طالب دنیا وہ ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں دنیا داری کو دین پر ترجیح دے۔ یہ معروف اصطلاح ہے۔ طالب علم دور حاضر کے عرف کے مطابق پوچھ رہا تھا کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کو دنیا کا طلبگار کہا جا سکتا ہے؟ مولوی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جنگ احد میں بعض صحابہ کرامؓ سے جو لغزش ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں زجراً مال غنیمت کے طمع میں محاذ اور مورچے کو چھوڑنے پر مرید دنیا کہا، اس پر مولوی صاحب نے صحابہ کو دنیا کا طالب قرار دے دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۱)

"نبی کی یہ شان نہیں ہے اس کے پاس قیدی ہوں الا یہ کہ وہ زمین میں خون بہائے۔ تم دنیا کے ساز و سامان کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اُساری سے فدیہ لینے پر بشمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے زجر فرمائی تو غصہ میں آنے والے طالب علم کے سوال پر کہ "کیا رسول اللہ دنیا کے طلبگار تھے" مولوی صاحب یہ آیت پڑھنا گوارا کریں گے؟ **تریدون عرض الدنیا**

بریں عقل و دانش بباید گریست

(۱) سورۃ الانفال، ۶۷

بقول مولوی صاحب "دور نبوی اور خلفاء راشدینؓ کے دور میں ہمارے لیے مثال موجود نہیں" اس کا جواب

<u>قولہ</u>: "دور نبوی اور خلفاء راشدین کے دور میں ہماری مثال موجود نہیں۔"

<u>الجواب</u>: اس جملہ سے جو ضابطہ اور قانون مفہوم ہوتا ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بعینہ متصادم ہے۔ سورۂ احزاب میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (۱)

"تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ کی امید رکھتا ہے اور دن آخرت کی اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لیے عمل کا بہترین نمونہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ دور نبوی میں نمونہ بجائے خود کوئی مثال بھی نہیں۔ ایک مسلمان کے لیے مسلمان کی حیثیت سے دور نبوی میں کوئی مثال نہیں تو وہ اور کس چیز کو مثال بنائے؟

مشکوٰۃ شریف میں عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ

"تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے، اس پر عمل کرو اور اس کو اپنی داڑھوں سے مضبوطی سے تھام لو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا فرض

(۱) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۱۔

قرار دیا ہے مولوی صاحب نے دونوں کی نفی کر دی۔ اس کا فلسفہ یہ بتاتے ہیں کہ ہم کمزور ہیں۔ میں کہتا ہوں کمزور مسلمان تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر کے ہی قوی ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرنا تقویت اور ہدایت کی راہ بتلائی گئی ہے مولوی صاحب ان کو کتاب وسنت کی راہ سے پیچھے دھکیلتے ہیں۔ اس طریقے سے کمزوری تو بجائے خود، ان کا اسلام اور ایمان باقی رہے گا؟ اور کہتے ہیں کچے مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون اور ہے اور پکے مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون اور ہے۔ کچے مسلمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہیں چھوٹے چھوٹے عذاب دوں گا، بڑے بڑے نہیں دوں گا تاکہ تم توبہ کرلو، میری طرف آجاؤ۔ یہاں یہ بھی ضروری تھا اس پر مولوی صاحب قرآن وحدیث کا حوالہ پیش کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون تو کافروں کے بارے میں بھی ہے کہ ہم انہیں اخروی عذاب سے پہلے دنیا میں عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں تاکہ وہ اسلام کی طرف رجوع کریں۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۱)

''اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو تھوڑا عذاب ورے اس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت اور آپ کے فرامین کی اطاعت اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا تو بڑی بات ہے، آپ کے اصحاب نے تو آپ کی طبعی اور ذاتی عادات کو بھی ترک نہیں کیا اور اپنے لیے ان کو نجات کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر پر تشریف لے گئے۔ جب شام کی سرحد میں

(۱) سورۃ الم سجدہ آیت نمبر ۲۱ پارہ نمبر ۲۱

داخل ہونے لگے تو وہاں کے امیر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے آپ کا استقبال کیا۔ امیر المومنین خچر پر سوار تھے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا، آپ کی ملاقات کے لیے روم کے بڑے بڑے لوگ آرہے ہیں۔ آپ خچر پر سوار ہیں، دونوں پاؤں ایک طرف لٹکائے ہوئے ہیں، سواری کے اس طور طریقے کو یہ لوگ عیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ امیر المومنین نے کہا، یا ابا عبیدة هل رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یرکب البغل؟ اے ابو عبیدہ! تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خچر پر سوار ہوتے دیکھا ہے؟ قال نعم، کما انت یا امیر المومنین۔ کہا، امیر المومنین! دیکھا ہے، جیسے آپ سوار ہیں۔ امیر المومنین نے کہا، لولا صحبتك بالنبی صلی الله علیه وسلم لادبتك بهذه الدِّرّة ۔ اگر تو میرے آقا کا صحابی نہ ہوتا تو میں تمہیں اس چابک سے ادب سکھاتا۔ اس کے بعد فرمایا، ان الله اعزکم بالاسلام فاذا ترکتموه لاعادکم الی ما کنتم فیه ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی وجہ سے عزت دی ہے۔ اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو تمہیں اس ذلت کی طرف واپس لوٹا دے گا جس میں تم اسلام میں آنے سے پہلے تھے۔ (۱)

''ہم کچے مسلمان ہیں، ہمارے لیے صحابہ کے دور میں مثال نہیں، ہمیں پیچھے بنی اسرائیل کی طرف جانا پڑے گا'' اس کا جواب

قولہ: ''ہم کچے مسلمان ہیں، ہمیں اس بھنور سے نکلنے کے لیے جو راستہ ملے گا، وہ صحابہؓ کے دور میں نہیں ہے۔ پیچھے جانا پڑے گا۔ پیچھے بنی اسرائیل میں جانا پڑے گا۔ وہ کچے مسلمان تھے۔ وہ اس بھنور سے کیسے نکلے تھے؟ وہ راستہ اختیار کریں گے تو ہم نکلیں گے۔''

(۱) صید الخاطر لابن الجوزیؒ۔

الجواب: معلوم نہیں مولوی صاحب کو بقول ان کے، کچے مسلمانوں کو مزید بودا اور کمزور بنی اسرائیل کا راستہ دکھانے کی کیا پڑی ہے۔ ان کو چاہیے تھا کہ کچے مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کی راہ دکھلاتے تاکہ ان میں جذبہ استقامت وعزیمت پیدا ہوتا کہ اسلام کا دفاع کریں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں! یاد رہے اللہ تعالیٰ کی بنی اسرائیل کے ساتھ غیبی مدد اور نصرت اس وقت تک رہی جب تک وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت میں رہے یہ وہ وقت تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ (۲)

''اور یاد کرو اس وقت کو جب رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب، ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور یہ آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو، پھر بچالیا ہم نے تم کو اور ڈبو دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔''

لیکن جب وہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے نکل گئے، بچھڑے کی پوجا کی خوار ہوئے، ذلت سے قتل کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری کی، انہوں نے بے جا مطالبات شروع کیے اور خدائے ذوالجلال کی معصیت اور نافرمانی میں مبتلا ہوئے، سرکشی پر اتر آئے، انبیاء اور ان کے حواریین کو قتل کیا، ان پر لعنت پڑی، خدا کا غضب نازل ہوا، اور شکلیں مسخ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بندر اور خنزیر بنا ڈالے۔ خصوصاً جب

۱۔ مزید تفصیل صفحہ ۳۴۶

(۲) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۹، ۵۰۔

بیت المقدس کی جنگ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ترکی بہ ترکی جواب دے دیا اور اس سرزمین میں قدم رکھنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس فتح کا موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ختم ہوگیا اور وہ راندہ درگاہ ہوئے۔

سورۃ مائدہ میں ہے:

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ۔(۱)

''بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں، سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بولا اے رب میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی، سو جدائی کردے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں۔''

موسیٰ علیہ السلام نے کتنی حسرت وافسوس اور ہزار درد والم سے خدائے ذوالجلال کی بارگاہ میں درخواست کی۔ یہ ہے بنی اسرائیل کا مختصر حال مولوی صاحب ہیں جو کہتے ہیں صحابہؓ کے دور میں کوئی مثال نہیں، ہمیں بنی اسرائیل کی طرف جانا پڑے گا۔

حضرت حسنؓ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے فرمایا ''نبوت وخلافت ایک خاندان میں جمع نہ ہو سکے گی'' بلا دلیل ہے

قولہ: ''حضرت حسنؓ نے انتقال کے وقت حسینؓ سے کہا تھا نبوت اور خلافت ایک خاندان میں جمع نہ ہو سکے گی۔''

الجواب: سیدنا حسنؓ سے یہ منقول نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ حضرت علیؓ کی

(۱) سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۲۴، ۲۵

شہادت کے بعد خلافت قبول نہ فرماتے اور پھر امت کی خیر خواہی اور اسے فتنے سے بچانے کے لیے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبردار نہ ہوتے۔ سیدنا حسینؓ کے بعد ائمہ سادات یکے بعد دیگرے بنو امیہ اور بنو عباس کے کبھی خلافت کے مدعی نہ ہوتے، ان کے خلاف جنگیں نہ لڑتے اور شہادت کا غیر متناہی سلسلہ شروع نہ ہوتا۔ **ولیس ھٰذا موقع التفصیل۔**

حضرت حسنؓ چھ ماہ خلیفہ رہے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے صلح کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو سچ کر دکھایا۔

ھٰذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔ (۱)

"میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

تعجب ہے مولوی صاحب نے حضرت حسنؓ کے بارے میں یہ بات کیسے کہہ دی۔ حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ جہاں بنی اسرائیل میں نبوت موجود ہے، وہاں خلافت بھی موجود ہے تو جہاں نبوت ختم ہوگئی ہے تو اس امت محمدیہ میں نبوت کے خاندان میں خلافت کیوں نہیں آسکتی؟

مولوی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق اس مسئلہ کا ماخذ ذکر نہیں کیا۔ بات اس قدر اہم تھی۔ حضرت حسنؓ بھی اسے نہ سمجھے اور آپ کے بعد سادات خاندان یکے بعد دیگرے بنو امیہ سے بنو عباس تک ہر دور میں مزاحمت کرتے رہے اور خود خلافت کے مدعی بن کر علم جہاد بلند کیا۔ انہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول یاد نہیں رہا تھا جب کہ

(۱) بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے ائمہ، سادات کے حامی تھے۔ انہیں حضرت حسنؓ کے قول پر تنبہ نہیں ہوا، **یا للعجب ولضیعة الأدب۔**

اگر الفاظ کی وسعت کو دیکھا جائے تو خاندان نبوت میں سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ قریشی، ہاشمی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور خلیفہ راشد ہیں اور شہادت کے بعد اہل حل وعقد نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔

و کان الحسن یومئذ احق الناس بھٰذا الامر فدعاه ورعه الی ترک الملک والدنیا رغبة فیما عند اللہ و لم یکن ذٰلک لقلة ولا لذل ولا لعلة فقد بایعه علی الموت اربعون الفا فصالحه رعایة لمصلحة دینیة ومصلحة للامة وعملا بما اشار الیه النبی صلی اللہ علیه وسلم من انه یصلح بین الفئتین وکفی به شرفا وفضلا فلا اسود ممن سماه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سیدا کذا فی الخیر الجاری والکرمانی (۱)

"حضرت حسنؓ اس امر خلافت میں سب لوگوں سے زیادہ حق رکھتے تھے۔ آپ کے زہد و ورع نے آپ کو حکومت چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ شاہی چھوڑنا نفری کی قلت، کمزوری اور کسی مجبوری کے باعث نہیں تھا۔ آپ سے چالیس ہزار اشخاص نے موت پر بیعت کی تھی۔ آپ نے امت اور دینی مصلحت کے پیش نظر حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارے پر عمل کرتے ہوئے اپنے حق سے دستبردار ہوگئے جس میں آپ نے فرمایا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ دو جماعتوں میں صلح کرائے گا جو آپ کے فضل و شرف پر بہت بڑی دلیل ہے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید کہیں، اس سے زیادہ سیادت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

(۱) حاشیہ البخاری ص ۳۷۳ ج ۱

معصوم اور محفوظ ایک چیز نہیں، ان کے مابین واضح لغوی اور شرعی فرق ہے

قولہ: ''ان کی براءت ہمارے ایمان کا حصہ ہے، وہ حق ہے۔ معصوم نہیں تھے، انبیا نہیں تھے، محفوظ نہیں تھے۔ یہ معصوم اور محفوظ تو ایک ہی چیز ہے، ان میں کوئی فرق ہے؟ اللہ نے ان کو معاف کر دیا تو صحابہ کا دفاع یوں ٹھیک نہیں ہے کہ ان کی غلطیوں کی تاویل شروع کر دو۔''

الجواب   معصوم اور محفوظ میں بہت بڑا فرق ہے۔ معصوم انبیاء کی ذوات مبارکہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت کا ذمہ لیا ہے۔ صحابہ کرامؓ، اولیاء عظام، عباد اللہ الصالحین محفوظ ہوتے ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (۱)

''میرے بندوں پر تیرا کچھ کنٹرول نہیں۔''

اور شیطان نے بھی یہ دعویٰ کیا میں سب کو گمراہ کروں گا، مگر اس بات کا استثناء کیا ان میں سے تیرے نیک برگزیدہ بندوں پر میرا ہاتھ نہیں پڑے گا۔ الا عبادک منھم المخلصین جس کی تشریح گزر چکی ہے، مگر مولوی صاحب کہتے ہیں معصوم اور محفوظ میں کوئی فرق ہے؟

امام شافعی فرماتے ہیں (کما ھو منقول عن عمر بن عبدالعزیز):

تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا (۲)

''یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ ہمیں چاہیے اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔''

---

(۱) اسراء، ۶۵   (۲) مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب ۳۶

اسلام کے دفاع اور آیات و احادیث و آثار کے مطالب میں تاویل کا بڑا اثر ہے

تفسیر اور تاویل قرآن مجید کی توضیح و تفہیم کے دو بڑے جزو ہیں۔ اصول فقہ میں مشترک اور مؤول دو معروف نوع ہیں جن پر مسائل و احکام متفرع ہیں۔ اسلام میں تاویل کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔ تاویل کے معنی کسی امر میں اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنا، پھر اس کے مطابق اس کی توضیح و تشریح کرنا۔ یہ تاویل صحیح ہے۔ اس کے برعکس تاویل فاسد ہے جو ممنوع ہے اور بعض صورتوں میں حرام۔

ثم التاویل تاویلان: تاویل لا یخالف قاطعا من الکتاب والسنة واتفاق الأمة وتاویل یصادم ماثبت بقاطع فذلک الزندقة (۱)

''تاویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کتاب وسنت اور امت کے قطعی مسائل کی مخالفت نہ کرے اور دوسری وہ جو ان تمام کے قطعی مسائل و احکام سے متصادم ہو تو یہ زندقہ (بے دینی) ہے۔''

ایک شخص اپنے استاذ، شیخ، باپ، برادر اور دوست کے قول و عمل کی تاویل کرتا ہے تاکہ ان پر کوئی الزام نہ آئے اور اصل حقیقت آشکار ہو کیا صحابہ کرامؓ کی ذوات مبارکہ ایسی ہیں کہ ان مظلومین کے بارے کوئی کچھ کہتا رہے، اس سے صرف نظر کیا جائے اور اس کا انسداد نہ کیا جائے؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں ہم ایک جنگ میں بھاگے۔ ڈرتے ڈرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: نحن الفرارون۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

---

(۱) مسوی شرح موطا ص ۱۳۰

''بل انتم العکارون وأنا فئتکم''

''بھگوڑے نہیں بلکہ تم پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا لشکر ہوں۔''

آنحضرت کا باوجود فرار کے ان صحابہ کو اپنے فئہ میں داخل کرنا تاویل نہیں تو اور کیا ہے؟ امام غزالیؒ اور امام فخر الدین رازیؒ نے ملاحدہ، مناطقہ، فلاسفہ اور دہریہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر کے اسلام کا دفاع کیا اور اسلام کی حقانیت ثابت کی۔ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا خدا محافظ ہے۔ اسلام کو مذکورہ بالا بے دینوں سے کیا خطرہ تھا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بروقت رفض کو شکست دی۔ علماء کے جم غفیر کی درخواست پر آپ نے ابن مطہر حلّی کی کتاب ''منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامۃ'' کا اس کی زندگی میں ہی چار مجلدات پر مشتمل جواب ''منہاج السنۃ'' کی صورت میں تحریر فرمایا۔ یہ کتاب آج تک لاجواب ہے۔ لَمْ يُصَنَّفْ فِي الْبَابِ مِثْلُه ۔ اس موضوع میں آج تک ایسی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔

استاذ کل مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تحفہ اثناعشریہ تحریر فرما کر ہندوستان اور بیرون ہندوستان شیعہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ بقول امام المناظرین مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، شیعہ ایک ہزار سال تک بھی اس کا جواب لکھنے سے عاجز ہیں۔ ان اکابر علماء کو کیا پڑی تھی کہ صحابہ کرامؓ کی طرف سے دفاع کرتے اور ان پر عائد کردہ اعتراضات کا صحیح تاویلات، توجیہات اور اصل حقائق کی روشنی میں جوابات تحریر کرتے؟

سید المناظرین، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے متعلق حضرت شیخ مولانا صوفی عبدالحمیدؒ مہتمم مدرسہ نصرت العلوم فرماتے کہ روافض کے خلاف حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد ایسا محقق اور مناظر پیدا نہیں ہوا حضرت کو روافض کے کفر کے بارہ میں شرح صدر تھا۔ وہ شیعہ لیڈر جو اکابر علماء دیوبند کے ساتھ لکھنؤ میں ایجی ٹیشن میں شریک ہوئے، ان کے متعلق حضرت کی رائے تھی وہ تقیہ کرتے ہیں۔ امروہہ کے

مناظرہ میں آپ نے ایرانی شیعہ کے مجتہد اعظم سبط حسن کو شکست دی۔ تین دن مناظرہ طے پایا تھا۔ وہ پہلے دن ہی بھاگ گیا۔ محدث جلیل حضرت الشیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ بہت خوش ہوئے اور اجازت حدیث عطا کی۔

تمام صحابہؓ کی تکفیر سے آدمی کافر نہیں ہوگا، اس کا جواب

قول: ''پھر سن لو! صحابہ کو کافر کہنے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ اپنے اکابر کے فتویٰ میں، میں نے پڑھا ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ سارے صحابہ کافر تھے، اس پر اس کے کفر کا فتویٰ نہیں آئے گا۔ اب وہ قرآن کو نہیں مانتا کہ یہ وہ قرآن نہیں ہے، کوئی اور ہے تو اس پر وہ کافر ہو جائے گا، لیکن تکفیر صحابہ کے قائل کو کافر نہیں کہہ سکتے۔''

الجواب: تکفیر جیسے نازک مسئلہ میں اور تکفیر بھی صحابہ کی اتنی بڑی جرأت صرف اس بنا پر کہ میں نے اپنے اکابر کے فتویٰ میں پڑھا ہے کہ صحابہ کو کافر کہنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، کتنی بڑی دیدہ دلیری اور جسارت ہے۔ مولوی صاحب کو اتنی بات یاد ہے ابوبکر کی بیعت خالد بن سعید بن العاصؓ نے نہیں کی، امام احمد رضا کی تحریر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کفر تک پہنچاتی ہو، مولانا مودودی مرحوم نیک آدمی اچھے عالم تھے، حضرت ابوبکر صدیق سے کمی بیشی ہوئی تھی، بطور انسان، ہم ان کو معصوم سمجھتے ہیں نہ محفوظ، شیعوں کے رد میں حد سے تجاوز کرنا غلو ہے، ہم کسی کے رد میں اپنا راستہ نہیں چھوڑیں گے، چنگیز خان بلا کا آدمی تھا، ملا عمر اور طالبان بیوقوف اور جنگ سے ناواقف ہیں، لیکن جناب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کس بزرگ کی کتاب میں آپ نے پڑھا ہے کہ صحابہ کی تکفیر سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

"سوال: رافضی تبرائی کے جنازہ کی نماز جو کہ اصحاب ثلاثہ کی شان میں کلمات بے ادبی کہتا ہے، پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب: ایسے رافضی کو اکثر علما کافر فرماتے ہیں، لہٰذا اس کی صلوٰۃ جنازہ نہ پڑھنی چاہیے۔" (۱)

جہاں سے مولوی صاحب کو مغالطہ لگا، اس کی تفصیل اس طرح ہے:

"سوال: حضرت عکرمہ بن ابوجہل وابوسفیان جو رسول اللہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں، ملعون دوزخی بتلاتے ہیں اور سمجھانے پر اصرار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ شخص تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ و جدل کرتے رہے اور ہمیشہ سخت دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہے، حتی کہ اسی حال میں مر گئے، ایمان واسلام نصیب نہیں ہوا۔

جواب: جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے، وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔"

رشید احمد ۱۳۰۱ھ (۲)

یہ عبارت ہمیشہ محل بحث رہی ہے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے اس سوال کا مفصل جواب تحریر فرمایا ہے جس پر اکابر علماء کی تصدیقات ثبت ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، رئیس المناظرین مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، سلطان المناظرین مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، یکتائے روزگار مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی وغیرہم۔ جواب میں مولانا نعمانیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"جو ملعون صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر کرے، وہ ہرگز اہل سنت وجماعت میں سے نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ کی اصل عبارت یہ ہے: "اور وہ اپنے اس

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۱۰۹ (۲) فتاویٰ رشیدیہ ص۱۰ تا ۱۱

کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج ہوگا"۔ کاتب کی غلطی سے "ہوگا" کی بجائے "نہوگا" چھپ گیا ہے۔ قطع نظر دلائل خارجیہ کے، حضرت مولانا کا یہ لفظ کہ "وہ ملعون ہے، ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے" خود اس کی روشن دلیل ہے کہ یہ صرف کاتب کی غلطی ہے۔ اگر کچھ عقل ہوتی تو فتاویٰ کے انہی الفاظ سے حضرت مولانا مرحوم کا صحیح مسلک معلوم ہو سکتا تھا، لیکن اس کا کیا علاج کہ عقل کی رضاخانیوں سے ہم سے بھی پہلے کی لڑائی ہے۔ الغرض یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی مہا سبھائی جاہل کندۂ ناتراش قرآن مجید کی کتابت کی غلطیوں سے اسلام اور اہل اسلام پر اعتراض جڑنے لگے۔" (۱)

اتنا مبہم اور مجمل حوالہ کہ میں نے اپنے بزرگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ سب صحابہ کو کافر کہنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا! بات صحابہ کرامؓ کی تکفیر کی ہے اور "میں نے پڑھا ہے بزرگوں کی کتابوں میں"! صحابہ کرامؓ بڑے ہیں یا بزرگ بڑے ہیں؟ کیا ان کو صحابہ کرامؓ پر فتویٰ لگانے والے کی تصدیق تک رسائی حاصل ہے جس پر آپ نے ان کی تکفیر کرنے سے کافر نہ ہونے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ شومئی قسمت! کسی سے آداب سیکھ لیے ہوتے کہ چھوٹے لوگوں کا قول بڑوں کے خلاف معتبر نہیں ہوتا۔ بزرگوں کے فتاویٰ میں یہ تو دیکھا ہے کہ صحابہ کرام کی بلکہ علی الاطلاق سب صحابہ کی تکفیر سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ بزرگوں نے خود روافض کے متعلق کیا فتویٰ دیا ہے۔ (۲)

شیعوں کی تکفیر کی وجہ اول، تحریف قرآن: حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی نے اصولی طور پر شیعہ کی تکفیر کے تین اصول اور وجوہ بیان کیے ہیں:

(۱) سیف یمانی صفحہ ۳۱۔۴۰

(۲) مولوی صاحب نے راقم الحروف سے آخری ملاقات میں "صحابہ کی تکفیر سے آدمی کافر نہیں ہوتا" کے بارے میں اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔

شیعہ کی تکفیر کی وجہ اول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید میں کمی بیشی اور تغیر وتبدل کے قائل ہیں اور تحریف قرآن کریم کا نظریہ خالص کفر ہے، چنانچہ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ کلام اللہ جس پر مدار اسلام ہے اور قرون اولی سے بتواتر نقل اور کسی شبہ کی اس میں گنجائش نہیں، مطلق زیادتی اور نقصان کا اس میں احتمال نہیں، اس میں بھی گھڑی ہوئی آیتیں اور بناوٹی کلمات ملا دیتے ہیں اور آیات قرآنی میں (تحریف) تصحیف روا رکھتے ہیں......الخ (۱)

شیعوں کی تکفیر کی وجہ دوم، خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی تکفیر:

شیعہ، حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس سے نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا رد اور انکار لازم آتا ہے جو کفر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱) علماء ماوراء النہر نے فرمایا کہ جب شیعہ، حضرات شیخین ذی النورین اور ازواج مطہرات کو گالی دیتے ہیں اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں تو بروئے شرع کافر ہوئے۔ (۲)

(۲) صحیح حدیث میں ہے جس نے کسی پر کفر کی تہمت لگائی اور کہا وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اگر تو وہ ایسا ہے تو خیر! ورنہ یہ تہمت اسی پر لوٹتی ہے اور ہم یقین سے جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ عمرؓ مومن ہیں اور خدا کے دشمن نہیں اور ان کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، لہٰذا ان کو کافر کہنے سے کفر کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔ (۳)

(۳) اور اس میں شک نہیں کہ شیخینؓ اکابر صحابہ میں سے ہیں بلکہ افضل صحابہ ہیں، پس ان کو کافر ٹھہرانا بلکہ ان کی تنقیص کرنا کفر وزندقہ اور گمراہی کا باعث ہے۔ (۴)

شیعوں کی تکفیر کی وجہ سوم، عقیدۂ امامت: (۱) شیعہ، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام حق حضرت علیؓ کو جانتے ہیں اور اس عقیدہ پر ہیں کہ امامت ان میں

(۱) رد رفض، ص ۲۱ (۲) رد رفض، ص ۳۵ (۳) ایضا، ۳۷ (۴) ایضا، ۳۸

اور ان کی اولاد سے باہر نہیں جاتی۔ اگر جاتی ہے تو محض ظلم وتعدی سے۔ (۱)

(۲) ان میں سے امامیہ فرقہ کے لوگ بنص جلی حضرت علیؓ کی خلافت کو مانتے ہیں، صحابہ کرامؓ کو کافر کہتے ہیں، امامت کا سلسلہ امام جعفرؒ تک چلاتے ہیں۔ ان کے بعد امام منصوص میں اختلاف کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اس سلسلہ امامت کے قائل ہیں کہ امام جعفرؒ کے بعد آپ کے صاحبزادہ امام موسیٰ کاظم اور ان کے بعد امام علی بن موسیٰ الرضا، ان کے بعد محمد بن علی التقی ان کے بعد حسن بن علی الزکی ان کے بعد محمد بن الحسن اور یہی امام منتظر کہلاتے ہیں۔ (۲)

امام شاہ ولی اللہؒ ملحدین اور زنادقہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس طرح شرع میں ارتداد کی سزا قتل ہے تاکہ مرتدین کے لیے زجر اور ملت اسلامیہ کے دفاع کا باعث ہو، اسی طرح اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری احادیث میں زنادقہ کی سزا بھی قتل مقرر کی گئی ہے تاکہ ان کے لیے زجر ہو اور تاویل فاسد کا سد باب ہو۔ ایسی تاویل جو امور دلائل قطعیہ سے ثابت ہوں، ان سے ٹکرائے، ہر وہ شخص جو رویت باری تعالیٰ، عذاب قبر، منکر نکیر کے سوالات، پل صراط اور حساب کا منکر ہو کہ میں ان روایات پر اعتماد نہیں کرتا یا یہ احادیث مؤول ہیں، پھر اس کی تاویل فاسد بیان کرے جو پہلے سماع میں نہ آئی ہو تو وہ زندیق ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

وكذلك من قال فی الشیخین ابی بکر وعمر مثلاً لیسا من اهل الجنة مع تواتر الحدیث فی بشارتهما او قال ان النبی صلی الله علیه وسلم خاتم النبوة ولکن معنی هذا الکلام انه لا یجوز ان یسمّی بعده احد بالنبی واما معنی النبوة وهو کون الانسان مبعوثا من الله تعالی الی الخلق مفترض الطاعة معصوما من

(۱) رد رفض، ص ۵۰ (۲) ایضا، ۱۰، مترجم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ قاسمی

الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیما یری فھو موجود فی الائمۃ بعدہ فذلک ھو الزندیق وقد اتفق جماھیر المتأخرین من الحنفیۃ والشافعیۃ علی قتل من یجری ھذہ المجری واللہ اعلم (۱)

''مثلاً اسی طرح جو شخص شیخین ابوبکر وعمرؓ کے بارہ میں یہ کہتا ہو وہ اہل جنت میں سے نہیں، حالانکہ ان کی بشارت حدیث میں متواتر ہے یا کہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ہیں، لیکن اس کا یہ معنی ہے کہ آپؐ کے بعد کسی کو نبی نہیں کہا جائے گا، لیکن بزعم خود یہ خیال کرلے کہ معنی نبوت یہ ہے انسان اللہ تعالیٰ سے خلق کی طرف مبعوث ہو، اس کی اطاعت فرض ہو، گناہوں سے اور بقا علی الخطاء سے محفوظ ہو، ایسا شخص نبی کے بعد ائمہ کی صورت میں موجود ہے تو وہ زندیق ہے۔ جمہور متاخرین حنفیہ اور شافعیہ ایسے شخص کے قتل پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم''

اسی طرح ان کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی ص ۲۷۷ طبع کراچی میں شیعہ کو کافر قرار دیا ہے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں

''شبہ نیست کہ فرقہ امامیہ منکر خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ اند و در کتب فقہ مسطور است ہر کہ انکار خلافت صدیق اکبر کند، منکر اجماع قطعی شد و کافر گشت قال فی فتاویٰ عالمگیری......

الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنھما العیاذ باللہ تعالیٰ فھو کافر (۲)

''اس میں شک نہیں فرقہ امامیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہے اور کتب فقہ میں لکھا ہوا ہے جو شخص حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا انکار کرے تو وہ اجماع

(۱) مسوی شرح موطا ص ۱۳۰ مجتبائی دہلی (۲) فتاوی عزیزی، ص ۱۸۲، ج ۱، طبع مجتبائی دہلی

قطعی کا منکر اور کافر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے جو شخص حضرات شیخینؓ کو برا کہتا اور ان پر العیاذ باللہ لعنت کرتا ہے، وہ کافر ہے۔'' (مزید تفصیل صفحہ ۳۴۶)

چاہیے تو یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ پر سب وتبرا اور ان کی تکفیر کرنے والوں کی مذمت اور ان سے نفرت کا اظہار کرتے، لیکن اس کے برعکس یہ کہا کہ ایسے لوگ کافر نہیں ہوتے۔ گویا کہ ان کو تکفیر سے کچھ نہیں ہوا اور یہ مسلمان؟

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلھم فی النار الا ملة واحدة کے مفہوم میں غلطی

قولہ: ''ہر چیز کی اصل میں جاؤ..... میری تمنا ہے کہ بچے اصل تک پہنچیں۔ اگر اصل تک خود نہیں پہنچو گے تو پھر تم ساری زندگی سطحی طور پر چلو گے۔ تمہاری اپنی بصیرت ختم ہوجائے گی۔ میں وہ بات کررہا ہوں کہ ہمارے ہاں آج کل جو سطحی طرز کا علمی ماحول چل رہا ہے۔ میں تمہیں بڑی گہری سوچ کے بعد یہ چیزیں بتا رہا ہوں۔ میری ذاتی رائے ہے، میں نے کہیں پڑھی نہیں، لیکن عربی ذوق کی بنا پر بتا رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے اور ایک ان میں سے جنت میں جائے گا، باقی سب جہنم میں اور یہ جہنم والے بھی بواسطہ جہنم کے جنت میں جائیں گے۔ یہ میں نے کہاں سے استدلال کیا ہے؟ وستفترق امتی سے۔ امتی کا لفظ ان کو امت میں شامل کررہا ہے، امت سے خارج نہیں کررہا۔ امت سے خارج ہوگئے تو ختم۔ جیسے اسماعیلیہ خارج ہیں۔ خوارج میں ایک فرقہ تھا میمونیہ، وہ خارج ہے۔ وستفترق امتی، اگر قواعد عربیہ سے گنجائش نکلتی ہے اور وہ تاویل جو ذہن میں

آئی ہے، اصول شرعیہ سے نہیں ٹکراتی تو وہ تفسیر، تفسیر رائے نہیں کہلاتی۔ تفسیر رائے کہتے ہیں نہ سلف سے منقول اور نہ قواعد عربیہ سے مطابقت، تو یہ ہے تفسیر ۔ئے۔ لفظ امتی یہ بتا رہا ہے کہ تہتر کے تہتر فرقے امت میں شامل ہیں، داخل ہیں۔ ایک سیدھا جائے گا، بہتر بالواسطہ جائیں گے۔ پھر جو صحیح اہل حق ہیں، ان یں جو جہنم میں جائیں گے، ان کو عذاب تھوڑا ہوگا۔ جو فرقہ ضالہ میں سے جائیں گے، ان کو عذاب شدید ہوگا۔ جیسے قرآن کی آیت ہے:

أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

لفظ أمن کے ساتھ ان تمام ملت کے، امت کے فرقوں کو نکال دیا جو بالواسطہ جہنم، جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک کو باقی رکھا، ما أنا علیہ و أصحابی۔ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے، وہ بہتر ہے یا جو جہنم میں چلا جائے، وہ بہتر ہے؟ جہنم میں جانے والے دو طرح کے لوگ ہیں۔ مسلمان بھی، کافر بھی۔ مسلمانوں میں اہل حق بھی اور اہل ہوئی بھی۔ اہل حق ہیں، لیکن اعمال میں فاسق ہیں یا عقائد میں گمراہ ہوئے اور اس طرح گمراہ ہوئے کہ اسلام سے کچھ واسطہ رہا۔ اللہ بڑے رحیم ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اتنا سا بھی تعلق ہے تو کوئی کٹنے نہ پائے۔ ہماری کوشش ہے کہ توڑ دو (اللہ کی کوشش ہے کہ ٹوٹنے نہ پائے) ہم کہتے ہیں یہ بھی کافر، یہ بھی گمراہ، یہ بھی کافر، یہ بھی دوزخی، وہ بھی دوزخی۔ یہ مزاج ہمارا بنا ہے کم علمی کی وجہ سے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں بڑے راسخ لوگ دیے ہیں۔"

الجواب: مولانا صاحب تو بچوں کو اصل میں جانے اور اصل تک پہنچنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور کہتے ہیں سطحی زندگی سے بصیرت ختم ہوجاتی ہے۔ پھر اس کا رونا روتے ہیں کہ آج کل سطحی طرز کا علمی ماحول چل رہا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں تمہیں بڑی

گہری سوچ کے بعد یہ چیزیں بتا رہا ہوں۔ افسوس جس چیز سے آپ بچوں کو بچانا چاہتے ہیں، آپ خود اسی کا شکار ہیں آپ کی گہری سوچ سطحی بلکہ اسلوب لسانی سے ناآشنا ہے۔

ارے بندۂ خدا! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے: کلھم فی النار الا ملة واحدة تو اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے اس تقابل میں آنحضرتؐ نے دو طبقات کا ذکر کیا ہے، ایک ناری اور دوسرا ناجی۔ آپ نے طبقہ ناری میں دخول جنت بواسطہ جہنم کی تشکیک پیدا کر کے کلھم فی النار میں کلیت کا رد کیا ہے اور اس نوع کوئی الجملہ ناجی قرار دیا ہے۔ الاملة واحدة میں بھی طبقہ ناجیہ کا ذکر ہے تو پھر الاملة واحدة کے استثناء کا کیا فائدہ؟ اور سیاق حدیث ما أنا علیہ و أصحابی کے الفاظ میں آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کی اہمیت اور اس کے خلاف بہتر فرق باطلہ کی ضلالت اور خدائے ذوالجلال کی رحمت سے محرومی پر دلالت کرتا ہے اگر وہ بھی کسی حال میں ناجی ہوں تو ما أنا علیہ و أصحابی کی اہمیت کیا باقی رہے گی؟

۔خول جنت بواسطہ جہنم آپ کی اختراع ہے۔ کیا دخول جہنم بھی جنت میں پہنچنے کا وا طہ ہوسکتا ہے؟ دخول جنت رحمت الٰہی اور شفاعت پیغمبر سے ہوتا ہے اور شارحین ایسی صورت کو دخول اوّلی اور دخول غیر اولی کا عنوان دیتے ہیں اور یہ صورت ما أنا علیہ و أصحابی میں ممکن ہے، اس لیے آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ میں دو چیزیں داخل ہیں۔ ایک ایمان اور عقیدہ، دوسرا عمل اور اس کا طریق کار۔ اس کو قرآن مجید نے اس عنوان سے بیان کیا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱)

(۱) سورۃ البقرۃ، آیت ۸۲

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے، یہ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اور ایسے لوگ جن کے اعمال میں کوتاہی اور کمی پائی جاتی ہو اور وہ صحابہ کرام کے طریق کار پر نہ ہوں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تو یہ دو طرح کے لوگ ہوئے۔ ایک کامل اور دوسرے ناقص۔ ناقص لوگوں کا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو انہیں براہِ راست جنت میں بھیج دے، چاہے تو انہیں سزا دے کر جنت میں بھیجے۔

حدیث کے الفاظ ہیں:

ان بنی اسرائیل تفرّقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله؟ قال ما أنا علیه وأصحابی۔ رواه الترمذی وفی روایة احمد وابی داؤد عن معاویة : ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة وهی الجماعة (۱)

''عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب کے سب جہنم میں جائیں گے، مگر ایک ملت۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ، وہ ایک ملت کون سی ہے؟ فرمایا وہ ملت ہے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ اور احمد اور ابوداؤد معاویہ سے روایت کرتے ہیں: بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔ وہ ملت جو جماعت ہے۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کلهم فی النار کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں:

''والا بجہت عمل شاید کہ فرقہ ناجیہ نیز در آیند قول بآنکہ ذنوب فرقہ ناجیہ مطلق مغفور

(۱) مشکوۃ ص ۳۰۔ ج ۱۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ طبع مجتبائی

ست سخن بے دلیل است'' (۱)

''یہ سب لوگ برے اعتقاد کے باعث دوزخ میں لائے جانے کے مستحق ہوں گے، لیکن عمل کے اعتبار سے شاید فرقہ ناجیہ بھی دوزخ میں داخل ہو۔ یہ کہنا کہ فرقہ ناجیہ کے گناہ مطلقاً معاف ہوں گے، بے دلیل ہے۔''

یعنی ناری اور ناجی کی یہ تقسیم باعتبار سوءِ اعتقاد اور صحیح اعتقاد کے ہے۔ ۷۲ فرقے سوءِ اعتقاد کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہیں اور صحیح اعتقاد کے باعث طبقہ واحدہ جنت کا مستحق، لیکن عمل کی حیثیت سے شاید فرقہ ناجیہ بھی بدعملی کے باعث جہنم میں داخل ہو۔ یہ کہنا کہ فرقہ ناجیہ کے گناہ مطلقاً معاف ہیں، بے دلیل ہے۔

اور الجماعت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''وآن یک ملت مسمّی الجماعت ست از جہت اجتماع ایشان بر کلمۂ حق و بر آنچہ اجماع کردہ اند بران سلف کہ براہ راست بودہ اند'' (۲)

''یعنی اس ملت بہشتی کا نام جماعت ہے، چونکہ یہ کلمہ حق پر جمع ہیں اور اس راہ راست پر اتفاق رکھتے ہیں جس پر سلف تھے۔''

باقی رہا مولوی صاحب کا مغالطہ امتی کے لفظ سے تو یہ امت باعتبار گزشتہ کے ہے جو پہلے امت تھی، بعد میں برے اعتقاد کی وجہ سے بدل گئی۔ اب امت نہیں رہی۔ قرآن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والی امت کو خطاب کے بعد فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (۳)

(۱) اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۵۳ طبع نول کشور۔ وکذا فی اللمعات۔ لمعات۔ ج ۱ ص ۲۳۵

(۲) اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۵۳ طبع نول کشور۔ وکذا فی اللمعات۔ لمعات۔ ج ۱ ص ۲۳۵

(۳) سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۵

"اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا بعد اس کے آ چکے ان کے پاس ظاہر دلائل اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے"

حدیث میں ہے:

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ رواہ البخاری (۱)

"حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی مگر جس نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کون ہے جس نے انکار کیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔"

اس سے معلوم ہوا ایک امتِ مطیعہ ہے اور دوسری امت عاصیہ دونوں امت کہلاتی ہیں لیکن امت مطیعہ جنت کا استحقاق رکھتی ہے اور امت عاصیہ جنت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ وفی الباب احادیث کثیرۃ۔

(۱) مشکوۃ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۷ طبع مجتبائی

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الآیۃ)

باب نمبر ۳

فریضہ جہاد

☆۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ☆حسب استعداد جہاد کی فرضیت

☆حدیبیہ میں صلح کی وجوہات ☆بنوامیہ کے دور میں صحابہ کا تعامل

☆کچے مسلمانوں کی کمزوری کا علاج ☆موجودہ دور اور جہاد

☆جنگ بدر اور دیگر جنگوں میں اسباب و وسائل سے صرف نظر نہیں کیا گیا

☆ایک حدیث اور اس کی تصحیح ☆جہادی تنظیموں پر طعن کا جواب

۱۸۵۷ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فتویٰ جہاد پر قدغن اور اس کا جواب:

قولہ: ''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شاملی میں مشورہ ہوا تو سب کی رائے تھی کہ قتال کرنا ہے۔ ایک بڑے عالم تھے ان کا نام ہے شیخ محمد تو وہ کہنے لگے کہ ہم کمزور ہیں اور اس کمزوری میں یہ حکم نہیں ہے تو حضرت نانوتویؒ نے کہا کہ کیا ہم بدر سے زیادہ کمزور ہیں؟ تو اس پر وہ خاموش ہو گئے، چپ ہو گئے، کچھ نہیں کہا۔ پھر شاملی میں جنگ ہوئی۔ میں شاملی گیا ہوں۔ وہاں ایک رات بھی ٹھہرے تو اس میں حافظ ضامن صاحب شہیدؒ ہوئے۔ وہ عالم تو نہیں تھے، لیکن بڑے بزرگ تھے اور حضرت گنگوہیؒ زخمی ہوئے۔ پھر یہ سارے حضرات مفرور ہو گئے اور جو مولانا حاجی امداد اللہؒ صاحب تھے، وہ ہجرت کر کے مکہ چلے گئے چھپتے چھپاتے چھپتے چھپاتے۔ باقی حضرات بس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت تھی اور اللہ نے کام لینا تھا، دیو بند کا مدرسہ بننا تھا تو اللہ تعالیٰ نے کفایت فرمائی، بچ گئے۔ پھر انہوں نے وہی کیا جو مولانا شیخ محمد کہہ رہے تھے۔ پیچھے ہٹ گئے۔ پھر بدر سے پرے آ گئے۔''

الجواب: اس وقت مشاورت میں جتنے علماء تھے، سب نے بالاتفاق حضرت نانوتویؒ کے مشورہ کو قبول کیا، انگریزوں سے جنگ لڑی۔ یہ اس وقت کا گویا اجماع امت تھا اور اجماع امت سب کے نزدیک حجت ہے اور ادلہ اربعہ میں اجماع امت مستقل دلیل ہے۔ اس کو ٹھکرانا اپنے اکابر کی تغلیط، ان پر الزام اور خود رائی ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں۔ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے

گئے۔ (ان پر کیا الزام ہے؟) آخر جب میدان میں شکست ہوجائے اور وہاں میدان کارزار کافروں کے ہاتھ آجائے تو اپنی پناہ گاہ میں آنا کون سا جرم ہے؟ اور یہ کہنا کہ سارے حضرات مفرور ہوگئے، نہایت غلط تعبیر ہے۔ مفرور تو وہ ہوتا ہے جو عین میدان جنگ سے اپنے امیر کو چھوڑ کر بھاگے۔

اس طرح جنگ احد میں بھی شکست ہوئی۔ کیا معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ جو باقی رہ گئے، وہ مفرور قرار پائے؟ بلکہ ایک جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے بارے میں جو آپ کی خدمت میں معذرت کرتے ہوئے اپنے آپ کو مفرور قرار دے کر حاضر ہوئے، فرمایا تم مفرور نہیں ہو۔ ابن عمرؓ راوی ہیں:

بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فحاص الناس حيصة واتينا المدينة فاختفينا بها وقلنا هلكنا ثم اتينا رسول الله فقلنا يارسول الله نحن الفرّارون قال بل انتم العكارون وانا فئتكم۔(۱)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک فوجی دستے کے ساتھ جہاد کے لیے بھیجا، ہم سب لوگ مقابلہ سے بھاگ نکلے۔ مدینہ منورہ لوٹ آئے اور چھپ کر رہ گئے کہا ہم تو ہلاک ہوگئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور (معذرت کے طور پر) کہا کہ ہم بھگوڑے ہیں تو آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تم پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا لشکر ہوں۔ ہم آپؐ کے قریب ہوئے اور دست بوسی کی۔''

اہل علم جانتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو وعید کے بجائے استثنائی صورت میں داخل کردیا یعنی آپ لوگ جنگ سے بھاگنے والوں کی فہرست میں

(۱) مشکوٰۃ بروایت ابوداود، ص ۳۴۳، ج ۲

شامل نہیں ہیں بلکہ محاذ اور مورچہ بدلنے والوں کی طرح دوبارہ لڑنے کی غرض سے لشکر اسلام کی طرف لوٹنے والوں میں ہیں۔ یہ تاویل حق ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ خوشنودی کا باعث ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کفار کے مقابلے میں دوبارہ لڑائی کا اعلان ہے۔

جہاد میں اہل اسلام کے لیے عسکری برابری ضروری نہیں

قولہ: ''پچھلی صدی میں اور اس سے پچھلی صدی میں یہ ہوتا رہا کہ قوت کے واقعات کو سامنے رکھ کر ضعف کا حال ہے اور ان واقعات سے استدلال پکڑ کے کام کرتے رہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ مخلصین کی طاقتیں لگتی رہیں۔ شہید بھی ہوئے، قید بھی ہوئے لیکن جس مقصد کے لیے اٹھے تھے، اس مقصد تک پہنچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مولانا الیاسؒ کو الہامی طور پر یہ چیز دی گئی۔ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوکر چلتا ہے۔ دائیں بائیں وہ دیکھتا ہی کوئی نہیں۔ اب سارے اہل علم کا ہی ماحول ہے، لیکن تمام کے تمام کا رخ حدیث پاک میں آکر جو چل رہا ہے، وہ ایسا تو نہیں ہے کہ اس کو مثالی کہا جائے؟''

الجواب: ہر دور میں علماء نے جہاں کہیں جہاد کا علم بلند کیا اور میدان میں اترے تو ان کے پاس اتنی قوت تھی وہ کافروں سے جنگ کر سکتے تھے یا کم از کم دفاع کے حق میں تھے ان کا علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور خدا پرستی ان لوگوں سے بڑھ کر تھی جو اپنے آپ کو سوائے دعویٰ ہمہ دانی اور تبلیغ کے، جہاد کا اہل نہیں سمجھتے۔ اسلام میں نہ تو جہاد کے لیے یہ شرط ہے کہ مسلمانوں کی قوت کافروں کی عددی اور نفری قوت کے برابر ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ ان کے پاس اسلحہ اور جنگی سامان دشمن کے ساز وسامان کے برابر ہو۔ بس وہ اس قدر مکلف ہیں کہ اپنی استطاعت کی حد تک جہاد کیلئے طاقت مہیا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۱)

''تم کافروں کے مقابلے میں اپنی استطاعت کے مطابق قوت تیار کرو۔''

یہ نہیں فرمایا: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مِثْلَ مَا اَعَدُّوْا لَكُمْ۔ تم کافروں کے مقابلے میں اتنی قوت مہیا کرو جتنی قوت سے وہ تمہارے مقابلے میں آئیں۔ علمائے اسلام نے تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے: کبھی اہل ایمان اور اہل اسلام کو نفری اور عددی قوت کے اعتبار سے فتح حاصل نہیں ہوئی۔ جب بھی حاصل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت، ایمانی قوت اور استقامت سے فتح حاصل ہوئی ہے۔

حضرت امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کے ساتھ لشکر کو عراق کی جنگ میں بھیجتے وقت ایک طویل خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''وانما ينصر المسلمون بمعصية عدوهم لله ولولا ذلك لم تكن لنا بهم قوة لان عددنا ليس كعددهم وعدتنا ليست كعدتهم (۲)

''مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی جاتی ہے جب کہ ان کا دشمن اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا ہو اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمیں ان سے مقابلہ کی طاقت حاصل نہیں کیوں کہ ہماری تعداد ان کے برابر نہیں اور ہمارے پاس ان جیسا اسلحہ بھی نہیں''

مخلصین کی آزمایش اور شہید ہونا بھی اللہ کو مطلوب ہے۔ جیسا کہ شہداء احد کے بارے میں فرمایا:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (۱)

''تا کہ اللہ مؤمنین کو آزمائیں اور تم میں سے کچھ کو شہید بنائیں''

یہ کیسے کہا جا سکتا ہے جس مقصد کے لیے اٹھے تھے اس مقصد تک پہنچ نہ سکے۔

(۱) سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰ (۲) اتمام الوفاء فی خلافۃ الخلفاء ص ۶۱ (۱) آل عمران آیۃ نمبر ۱۴۰۔

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف لڑائیاں ہوئیں۔ ٹیپو سلطان شہیدؒ نے انگریزوں کے خلاف مختلف جنگیں لڑیں اور اسی طرح ملتان میں راجہ رنجیت سنگھ کے خلاف غازی شاہ نوازؒ کے والد نواب مظفر خان شہیدؒ نے فیصلہ کر لیا کہ جنگ کے بغیر قلعہ سکھوں کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے راجکمار کھڑک سنگھ کو کہلا بھیجا کہ افسوس، اس وقت نہ آپ کو نذرانہ کی رقم ادا کر سکتا ہوں اور نہ ملتان شہر حوالے کر سکتا ہوں۔ جب تک زندہ ہوں اس کی حفاظت کروں گا۔ ملتان کا بوڑھا مجاہد نواب مظفر خان ننگی تلوار ہاتھ میں لیے مقتل کی طرف بڑھا اور حملہ آوروں کی طرف جو اس شیر پر مثل بادل کے امنڈ آئے تھے، کمال مردانگی سے لپکا۔ بوڑھے افغان کی تیغ بُرّاں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے نواب نہایت چابک دستی سے تلوار چلا رہے تھے اور زبان پر کلام ربانی کی یہ آیت کریمہ جاری تھی:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

سکھوں کی فوج شمشیر زنی سے تنگ آ گئی۔ اس نے پیچھے ہٹ کر توڑے دار بندوق سے باڑ مارنا شروع کر دی۔ نواب نے للکار کر کہا ''بزدلوں کی طرح مت لڑو، اگر ہمت ہے تو سامنے آؤ'' لیکن سکھ اس دعوت کو کب قبول کرنے والے تھے۔ انہوں نے جواب میں پکار کر کہا کہ اب بھی وقت ہے کہ مہاراجہ کی اطاعت قبول کر لو لیکن نواب نے فرمایا ''میں مہاراجہ کی پناہ پر خدا کی پناہ کو ترجیح دیتا ہوں'' (۱)

حضرت شیخ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ۱۹۴۸ء میں طلبہ دار العلوم کی بزم میں شرکت فرمائی۔ ایک طالب علم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف ہماری سب تحریکیں یکے بعد دیگرے ناکام رہیں تو آپ نے فرمایا، یہ صحیح نہیں

(۱) تاریخ ملتان مرتبہ مولانا نور احمد خان فرید ص ۲۰۵، ۲۰۹

ہے۔ فرمایا بالاکوٹ میں امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور آپ کے ساتھ فقیہ الاسلام مولانا عبدالحئی بڈھانوی اور شیخ الاسلام عالم نبیل شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے وقت کے جم غفیر علماء اور عامۃ المسلمین کی ایک بہت بڑی جماعت کو ساتھ لے کر چار سال کے عرصہ تک شمالی علاقہ جات میں علم جہاد بلند کیا اور بالآخر بالاکوٹ میں ۱۲۴۲ھ میں جام شہادت نوش فرمایا اور ۱۸۵۷ء میں ہمارے علماء ہند نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے جنگ کی اور بظاہر شکست ہوئی۔ تحریک ریشمی رومال شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تحریک سازش کا شکار ہوئی اور تحریک خلافت میں علماء اور عامۃ المسلمین نے بھرپور کوشش کی، لیکن درمیان میں رہے اور جنگ آزادی جس میں علماء، عام مسلمان، ہندو اور سکھ شریک ہوئے۔ بالآخر یہ کوشش بارآور ہوئی۔ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ یہ مذکورہ بالا تحریکیں جاری رہیں۔ ہر پچھلی تحریک نے دوسری تحریک کو جنم دیا اور یہ قوت بڑھتی رہی۔ بالآخر کامیاب ہوئی۔

ع شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

حدیبیہ میں صلح کا باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی کمزوری نہ تھا

قولہ: ''مولانا الیاس صاحبؒ اسی رخ پر چلتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی طور پر یہ بات سامنے آئی۔ ہم کمزور ہیں۔ کمزور کے احکام اور ہوتے ہیں تو حدیبیہ اس کی دلیل ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ، صبر کر جاؤ۔ ایک مولوی صاحب کہنے لگے جب ظلم سامنے ہو رہا ہو تو پھر کیسے پیچھے ہٹیں؟ پھر صبر کیسے کریں؟ میں نے کہا ابو جندلؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظلم ہو رہا تھا، وہ کیسے چپ رہے تھے؟ وہ کیوں پیچھے ہٹے تھے؟ اجتماعی منافع حاصل کرنے کے لیے

انفرادی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور اگر برداشت نہیں کرو گے تو نہ یہ صحیح لگے گا اور نہ وہ صحیح لگے گا۔ کام خراب ہو جائے گا''۔

الجواب: ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساڑھے چودہ سو صحابہ کو لے کر نکلے جن کی ہمت بلند اور حوصلے وسیع تھے، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔

۲۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ''(۱)

''اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ۔ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو۔ یہی ہے سزا کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں، مگر ظالموں پر۔ حرمت والا مہینہ بدلا

---

(۱) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۵۔

ہے حرمت والے مہینہ کا اور ادب رکھنے میں بدلہ ہے۔ پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے۔ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں۔ اور نیکی کرو، بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔"

یہ آیات مبارکہ دلالت کرتی ہیں کہ آپ کو جہاد کی اجازت دی گئی حتیٰ کہ قتال حدود حرم میں بھی جائز قرار دیا گیا، بشرطیکہ وہ اس میں قتال کریں اور حرام مہینہ کے متعلق کہا گیا کہ اگر وہ اس مہینہ کی عزت نہیں کرتے تو ان سے اس مہینہ میں قتال کی اجازت ہے اور حرمات میں بدلہ کے مقابلہ میں بدلہ ہے۔ از خود تجاوزات کے متعلق ارشاد فرمایا: ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔) یہ صورت حال اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو کمزور اور لاچار سمجھ کر صلح پر آمادہ ہوئے۔

۳۔ اس طرح کی آیات سورۂ فتح میں بھی آتی ہیں:

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۞ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۞ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۞ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۔(۱)

---

(۲) سورۃ الفتح آیت ۲۲ تا ۲۵۔

"اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے پیٹھ، پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔ رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے۔ اور وہی ہے جس نے روک رکھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے بیچ شہر مکہ کے بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا ان کو۔ اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد حرام سے اور نیاز کی قربانی کو بھی، بند پڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے اپنی جگہ تک۔ اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں، یہ خطرہ کہ تم ان کو پیس ڈالتے، پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑ جاتی بے خبری سے، کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے۔ اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی۔"

ان آیات مبارکہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اہل ایمان اور اصحاب حدیبیہ اس قوت میں تھے کہ اگر لڑائی کی نوبت آتی تو بحکم خداوندی کفار کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ بھاگ جاتے۔ اہل حدیبیہ، حدیبیہ کے ہر میدان میں کفار پر مظفر اور منصور رہے۔

۴۔ اس صلح کی وجہ ایک عمیق اور بامعنی مقصد کے لیے تھی چنانچہ بہت سے صحابہ کرامؓ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار بھی کیا جن میں سیدنا عمر بن خطابؓ پیش پیش تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کی مصلحتیں سامنے آتی گئیں اور سربستہ راز واضح ہوتے گئے اور اس صلح کو فتح مبین قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جنگ کے پیش نہ آنے کی جو حکمت بتائی ہے وہ بھی یہی ہے کہ کچھ مومن مرد اور مومن عورتیں ایسے رہ رہے تھے کہ تمہیں ان کا علم نہیں تھا۔ وہ جنگ میں مارے جاتے، تمہیں اس سے بہت تکلیف اٹھانا پڑتی۔ وہ بے گناہ مارے جاتے اور تم پریشان ہوتے اور اگر ان کا محلہ اور اقامت گاہ الگ ہوتی تو پھر جنگ کی نوبت ضرور آتی تو ہم کافروں کو درد

ناک عذاب دیتے۔

۵۔ حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ لڑائی کے لیے قریش نے ایک بہت بڑی جماعت تیار کی ہے، وہ آپ سے مقاتلہ کے لیے تیار ہے اور آپ کو بیت اللہ آنے سے روک دے گی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اَشِيرُوا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّ اَتَرَوْنَ اَنْ اَمِيلَ اِلٰى عِيَالِهِم وَذَرَارِيِّ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يُرِيْدُونَ اَنْ يَصُدُّونَا عَنِ الْبَيْتِ فَاِنْ يَاْتُونَا كَانَ اللّٰهُ قَدْ قَطَعَ عَيناً مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاِلَّا تَرَكْنَاهُم محروبين قال ابو بكر يا رسول الله خرجت عامدًا لهٰذا البيت لا تريد قتل احد ولا حرب احد فتوجه له فمن صدنا عنه قاتلناه قال امضو على اسم الله (۱)

'' اے لوگو! مجھے مشورہ دو وہ لوگ جو ہمیں بیت اللہ سے روکنے کا ارادہ رکھتے ہیں کیا ان کے اہل وعیال اور ان کی اولادوں کو راتوں رات پکڑ لوں اگر وہ آگئے تو گویا اللہ نے ہمارے جاسوس کو ان سے بچالیا اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کو جنگ کی حالت میں شکست خوردہ چھوڑ دیں گے۔ تو سیدنا ابوبکرؓ نے کہا یارسول اللہ! آپ اپنے گھر سے بیت اللہ کا قصد کرکے آئے ہیں، کسی کے قتل اور جنگ کا ارادہ کرکے نہیں آئے۔ آپ اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہوں۔ جو ہمیں روکے گا، ہم اس سے قتال کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اچھا اللہ کے حکم پر چلو۔''

یہ حدیث شریف اس امر پر واضح دلالت کرتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جنگ کی قوت میں تھے اور اگر امر ربی ہوتا تو باقاعدہ جنگ کرتے۔

۶۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں جب عروہ بن مسعود نے کفار مکہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی:

(۱) بخاری ص ۶۰۰ ج ۲۔

''ای محمد ارأیت ان استاصلت امر قومك هل سمعت باحد من العرب اجتاح اصله قبلك وان تكن الاخرى فانی واللہ لاری وجوها وانی لاری اشواباً من الناس خليقاً ان يفروا ويدعوك فقال له ابو بكرؓ امصص بظر اللات انحن نفر عنه وندعه'' (۱)

'' اے محمد! یہ تو بتلائیں اگر آپ نے اپنی قوم کا استیصال کردیا تو آپ سے پہلے کسی نے اپنی قوم کا استیصال کیا ہو اور اگر دوسری بات ہوئی (یعنی قریش غالب آئے) تو خدا کی قسم میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں اور ایسے گھٹیا قسم کے لوگ وہ اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ دیں اور بھاگ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے جواب میں کہا: لات وعزیٰ کی شرم گاہ کو چوس لے، کیا ہم آپ سے بھاگیں گے اور آپ کو چھوڑ دیں گے؟''

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ہمارے ہاتھوں سے بیت اللہ کی حرمت پامال نہ ہو اور جنگ کی نوبت نہ آئے اور مصالحت سے کوئی بات طے ہو جائے۔

ارشاد فرمایا:

'' لا یسئلوننی خطة يعظمون فيها حرمات الله الا اعطيتهم اياها فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أن تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به فقال سهيل والله لا تتحدث العرب أنا أخذنا ضغطة ولكن ذلك من العام المقبل'' (۲)

'' مجھ سے کسی ایسی بات کی درخواست نہیں کریں گے جس میں بیت اللہ کی حرمات کو سامنے رکھیں گے مگر میں ان کی درخواست قبول کرلوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بیت اللہ اور ہمارے درمیان راستہ چھوڑ دو، ہم طواف کرلیں۔ سہیل نے کہا: قسم بخدا، کہیں عرب یہ نہ کہیں کہ ہم کسی جبر وقہر میں پکڑے گئے ہیں اور مجبور

(۱) بخاری شریف ص ۳۷۸ ج ۱۔ (۲) بخاری شریف ص ۳۸۹، ۳۸۰، ج ۱۔

ہو گئے ہیں اور یہ عمرہ آئندہ سال ہوگا۔"

اس قسم کے مذاکرات اور مکالمات اس بات کی ترجمانی کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جنگ کسی خوف کی بناء پر نہیں بلکہ امر ربی اور حکمت خداوندی نیز بیت اللہ کی عزت وحرمت کی حفاظت کے طور پر ترک کردی۔

حضرت مولانا الیاسؒ اور ان کا طریق کار

حضرت مولانا الیاسؒ نے یہ نہیں کہا کہ ہم کمزور ہیں، اس لیے انہوں نے تبلیغ کا راستہ اختیار کیا۔ تبلیغ کا راستہ بہت کٹھن اور مشکل ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف کو اپنے اس طریق کار سے شروع میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بہت تکالیف اور مصائب سے دوچار ہوئے۔ آپ کے ابتدائی حالات کا علم رکھنے والے لوگ باخبر ہیں۔ آج اگر اس راہ میں لوگوں کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تو یہ مولانا کی محنت کا ثمر ہے، لیکن آپ نے اس راہ میں چل کر نہ جہاد کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے، نہ علماء سے الجھے ہیں اور نہ حق کے اعتراف میں آپ کو کسر شان دکھائی دی ہے۔

راقم الحروف (محمد عیسیٰ) اکتوبر ۱۹۸۰ء میں حج سے فارغ ہو کر پہلے دن جب مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت شیخ مولانا سعید احمد خانؒ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے راقم الحروف سے اپنے طویل مکالمہ میں ارشاد فرمایا کسی نے مولانا الیاسؒ سے دریافت کیا آپ کے اس تبلیغی پروگرام میں سیاست نہیں تو آپ نے جواباً فرمایا ہم نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر رکھی ہے۔ آپ ہمیں جو حکم دیں گے، ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ ظاہر ہے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا راستہ کوئی آسان راستہ نہ تھا۔ وقت کی کافر وظالم حکومت سے مقابلہ کرنا اور ہر وقت تکالیف اور مصائب کا سہنا عام آدمی کے بس کا کام نہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعوت وتبلیغ کا واقعہ

آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مکہ معظمہ پہنچے۔ کئی راتیں بیت اللہ میں بسر کیں۔ بالآخر سیدنا علی المرتضیٰؓ کی وساطت سے (شاید مولوی صاحب کو تو ابھی تک اس قسم کی تکلیف سے پالا نہ پڑا ہو، اس لیے اس تبلیغ کو اپنے لیے محفوظ راستہ سمجھتے ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کیا۔

فقال النبی صلی الله علیه وسلم ارجع الیٰ قومك فاخبرهم حتی یأتیك امری قال والذی نفسی بیده لاصرخن بها بین ظهرانیهم فخرج حتی اتی المسجد فنادی باعلی صوته اشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله ثم قام القوم فضربوه حتی اضجعوه واتی العباس فاکب علیه قال ویلکم الستم تعلمون انه من غفار وانه طریق تجارکم الی الشام فانقذه منهم ثم عاد من الغد لمثلها فضربوه وثاروا الیه فاکب العباس علیه۔ (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی قوم کی طرف واپس چلو، ان کو ان باتوں کی خبر دو۔ ابوذرؓ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں ان (قریش) کے درمیان اس کلمہ کا اعلان کروں گا یعنی چیخ چلا کے اس کا اعلان کروں گا۔ وہاں سے آئے، مسجد حرام پہنچے اور بلند آواز سے کہا:

"**اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله**"

"میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

قوم اٹھی، آپ کو خوب مارا اور آپ کو عاجز کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس آئے اور آپ کے اوپر گر گئے اور فرمایا: تم نہیں جانتے، یہ غفار قبیلہ کا شخص ہے اور

(۱) بخاری شریف ص ۵۴۵ ج ۱۔

تمہارا شامی تاجروں کا راستہ وہی ہے اور ان کو ان کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ پھر دوسرے دن ایسا ہی کیا۔ انہوں نے آپ کو مارا، حضرت عباس آپ پر گر پڑے اور آپ کو بچایا۔"

اگر اس طرح کی تبلیغ ہو کہ تن من دھن کی پروا کیے بغیر کلمۂ شہادت اپنے اصلی مفہوم کے ساتھ جب کہ مخاطب صاحب لسان ہوں، اس کا ترجمہ ان کی زبان میں ایسے بیان کرے کہ وہ سمجھ جائیں کہ اس میں ہمارے جھوٹے معبودوں کا رد ہے، حتیٰ کہ اذیت پہنچائیں اور وہی کر گزریں جو مشرکین مکہ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ کیا تو تبلیغ کا مزہ آئے۔ اللہ کی حجت بھی قائم ہو جائے اور مبلغ کو اجر عظیم بھی حاصل ہو۔ سورۃ الصافات میں ہے:

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ (۱)

"مشرکین مکہ سے جب لا الہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو تکبر کرتے اور کہتے: کیا ہم چھوڑ دیں اپنے معبودوں کو شاعر اور مجنوں کے کہنے پر؟ بلکہ لائے وہ پیغمبر حق اور سب رسولوں کی تصدیق کی۔"

معلوم ہوا کہ لا الہ الا اللہ سے معبودان باطلہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ صاحب لسان تھے، لا الہ الا اللہ کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔ آج کل کے لوگ ایسے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کو مانتے ہیں، اگر اس کی صحیح تفسیر کی جائے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے بلکہ لا الہ الا اللہ کی دعوت و تبلیغ کرنے والے کو شاعر مجنون کہتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ مشہور ہے ہجرت سے قبل مکہ چھوڑ کر جا رہے تھے ابن دغنہ (جو رؤساء قریش میں سے تھا) نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھے میری قوم نے گھر سے نکال دیا ہے، میرا

(۱) الصافات ۳۵ تا ۳۸

ارادہ ہے میں زمین میں سیر و سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن دغنہ نے کہا تجھ جیسے آدمی کو نہ نکلنا چاہیے اور نہ لوگوں کو اسے نکالنا چاہیے۔

تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الكل وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق۔

"آپ نادار کو کسب معاش کر کے دیتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور ایک بوجھل آدمی کو جو سفر میں ہو، سوار کرتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حوادث کی صورت میں ہنگامی امداد کرتے ہیں۔"

ابن دغنہ نے کہا میں آپ کا حامی ہوں، واپس چلو اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو، ابن دغنہ آپ کے ساتھ ہے۔ اس نے قریش مکہ سے بات کی اور آپ کی صفات بیان کیں۔ انھوں نے ابن دغنہ کی بات کو قبول کیا اور کہا ابوبکرؓ سے اتنا کہہ دیں اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے، اسی میں نماز پڑھے، جو چاہے قراءت کرے، لیکن اس کا اعلان نہ کرے، کیوں کہ ہم ڈرتے ہیں ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنہ میں ڈال دے گا۔ ابن دغنہ نے ابوبکرؓ سے بات کی اور آپ نے کچھ دن اس بات کی پابندی کی۔ پھر تقاضا ہوا اور اپنے صحن میں مسجد بنائی۔ اس میں نماز اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے اس تحریک سے متوجہ ہوتے اور دیکھتے۔ حضرت ابوبکرؓ نرم دل اور بہت کرم والے تھے۔ جب قرآن پڑھتے تو اپنی آنکھوں پر ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ قریش اس بات سے گھبرا گئے اور ابن دغنہ کے پاس پیغام بھیجا ابوبکر نے اس سے تجاوز کیا ہے اور اپنے صحن میں مسجد بنائی ہے۔ اعلانیہ نماز اور قرآن پڑھنا شروع کیا ہے، ہمیں خوف ہے ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں ڈال دے گا۔ اس کو اس بات سے روکو۔ اگر مان جائے تو فبہا، اگر نہ مانے تو تیرا عہد اور ذمہ داری واپس۔ ابن دغنہ نے آپ سے بات کی اور کہا مجھے یہ پسند نہیں کہ عرب یہ سن لیں کہ

کسی آدمی کے بارے میری ذمہ داری کو پامال کیا گیا ہے (جس کے لیے میں نے عہد لیا)۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

"فانی ارد الیك جوارك وارضیٰ بجوار اللّٰہ" (۱)

"میں تیری حمایت اور نصرت واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت پر میں راضی ہوں۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ نے نماز اور قرآن سے اپنی عبادت کا آغاز کیا اور یہی ان کی دعوت وتبلیغ کا آغاز تھا جس کے لیے انہوں نے بعد میں مسجد بنائی۔ نماز وقرآن سے اپنی دعوت کا آغاز کیا ۲ معلوم ہوا کہ عملاً نماز اور علماً قرآن تبلیغ کے دو لازمی عنصر ہیں۔ لیکن عرصہ سے رسمی تبلیغیوں نے قرآن کو نظر انداز کر دیا، اپنی اختراعی ترتیب اور اپنے بزرگوں کی تصانیف وتالیفات کو تبلیغ کے لیے کافی سمجھا، درس قرآن ترجمہ وتفسیر کو اضافی چیز خیال کیا بلکہ مضر جانا اور یہ امر واقع ہے۔

سند متصل سے مجھے استاذی وشیخی حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پوتے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دام مجدہ نے بتلایا جناب حاجی عبدالوہاب صاحب نے دوران گفتگو کہا آپ کے دادا بہت بزرگ تھے۔ ان کی بڑی غلطی تھی کہ عامۃ الناس کو قرآن کا درس دیا کرتے تھے۔ **یاللعجب ولضیعۃ الادب**۔ ہم تو یہ سنا کرتے تھے حاجی صاحب حضرت شیخ لاہوریؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ لیکن ہمارا دیدہ وشنیدہ غلط ثابت ہوا۔ حضرت لاہوریؒ نے اللہ کی کتاب کو اپنی زندگی کا پروگرام بنالیا تھا، وہ اسے ہدایت کا اول درجہ سمجھتے تھے، لیکن یہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، اپنے آپ کو راہ راست پر سمجھتے ہیں اور حضرت لاہوریؒ کو غلطی کا الزام دے رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بتلایئے ان لوگوں کے اقوال کی کیا تاویل کی جائے!

(۱) بخاری ج اول ص ۵۵۳۔ ۲ مزید تفصیل صفحہ ۳۴۷

مساجد، محافل اور خصوصی تقاریب میں دروس قرآن کی جگہ ان کے ہاں تعلیم کے نام سے تبلیغی نصاب یا فضائل اعمال کی خواندگی کی جاتی ہے جس کو یہ لوگ قرآن وحدیث کی تعلیم کے متوازی قرار دیتے ہیں۔ درس قرآن وحدیث ان کے ہاں مفقود ہے۔ ایک تبلیغی قاری محمد احمد صاحب اپنی کتاب "تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے" میں "تعلیم قرآن کے ذریعہ اصلاح سے ناامیدی" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے مولانا الیاس کے مدرسہ سے ایک حافظ قرآن پڑھ کر نکلا ایسا کہ نماز غائب، نام حافظِ قرآن۔ اس کے ختم قرآن کے موقع پر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ مونچھیں بڑی بڑی اور داڑھی بالکل صاف، لنگی اس کی غیر مسلمانہ، طور طریقے سب غیر مسلمانہ وغیر ذلک۔ مولانا پر غم طاری ہوگیا۔ قریب تھا کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا۔ (۱)

غور فرمایئے، ایک طالب علم کی وجہ سے مولانا کو تعلیم قرآن کے ذریعہ اصلاح سے مایوسی ہوگئی، حالانکہ یہ تربیت کا فقدان ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا۔ قرآن میں کہاں لکھا ہے نماز نہ پڑھو، سر پر ٹوپی نہ رکھو، دھوتی ہندوانہ طریقے پر باندھو؟

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ (۲)

"نصیحت کرتے رہو اگر نصیحت نفع دے۔"

حالانکہ مکی زندگی میں قرآن کی تلاوت وتعلیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو بہت مصائب اور آلام پیش آئے۔ اگر قرآن کی تعلیم کے ذریعے اصلاح کا دروازہ بند ہو جائے تو پھر اور کون سی چیز ہے جس سے امت کی اصلاح ممکن ہو؟

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (۳)

امام شاہ ولی اللہ آیت **یؤفك عنه من أفك** (۴) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

(۱) تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، صفحہ ۵۲ (۲) سورۃ الاعلیٰ، آیت ۹

(۳) سورۃ المرسلات آیت ۵۰۔ (۴) سورۃ الذٰریٰت آیت ۹

"بازگردانیدہ شود از خیر آنکس در ازل محروم است۔" قرآن کی خیر سے اس شخص کو محروم کیا جاتا ہے جو عالم ازل میں خیر سے محروم ہو۔

امام المترجمین شاہ عبدالقادر دہلویؒ جو اردو زبان میں قرآن کے پہلے مترجم ہیں، "موضح قرآن" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بتلانے والے بہتیرا بتلائیں، لیکن قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے جو آپ بتلایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتلا سکتا۔ جیسا اثر اور راہ پانا اللہ کے کلام میں ہے، ویسا کسی کے کلام میں نہیں ہے۔"

یہ لوگ درس قرآن کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے ان کے مراکز میں درس قرآن کے نام کا باقاعدہ کوئی پروگرام نہیں کیا جاتا اور نہ ہی درس قرآن کی ان کے ہاں کوئی اہمیت ہے۔ تعلیمی اور نصابی کتابوں کو یہ سب کچھ سمجھتے ہیں۔ پیغمبر خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خلق خدا کا تزکیہ قرآن کی تلاوت سے کریں، اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر اس کو بہت بڑا احسان بتلایا اور ہم خدا تعالیٰ کی نعمت کی قدر نہ سمجھیں اور اس کی ناقدری کریں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (۱)

"اللہ نے مؤمنین پر احسان کیا ان میں ان کے نفوس سے ایک رسول بھیجا جو ان پر آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو کتاب سکھاتا ہے اور حکمت۔ اور تحقیق وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

الحاصل صلح حدیبیہ میں صلح کا مدار امر ربی تھا۔ ابو جندلؓ کو واپس کرنا ایفائے عہد تھا نہ کہ کمزوری۔ مولانا نے اپنے ذہن میں یہ طے کرلیا کہ واقعہ حدیبیہ کمزوری اور مجبوری کی

(۱) سورۃ آل عمران، ۱۶۴۔

وجہ سے پیش آیا۔ اسی کو ایک اصول بنا کر اس پر نتائج، اپنے مقاصد اور مطالب اور مسئلہ کی بنیاد رکھی۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر امن بنا کر بھیجا ہے، اس لیے آپ کو مشرکین مکہ کی طرف سے صلح کے پیغام کو قبول کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔(۱)

"اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر، بے شک وہی ہے سننے والا جاننے والا۔"

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح وآشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھا دیں، کیوں کہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے۔ اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے۔ اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروانہ کیجیے۔ اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے۔ اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکے گی۔ آپ اپنی نیت صاف رکھیے۔"

(۱) الانفال، ۶۱۔

برابری کی سطح پر استطاعت نہ ہونے سے جہاد ساقط نہیں ہوتا

قولہ: ''افغانستان کی مثال دیتے ہیں نا آج کہ افغانستان پر قبضہ ہوگیا، عراق پر قبضہ ہوگیا، ساری امت پر فرضِ عین ہے۔ بالکل فرض عین ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن یہ فرض عین اپنی شرط کے ساتھ ہے۔ فرض عین ہے تو ساتھ استعداد بھی ہو۔ استعداد نہیں ہے تو پھر صبر کرنا پڑے گا۔''

الجواب: شروع میں جب روس اور اس کے ایجنٹوں نے افغانستان پر قبضہ کیا تو وہاں کے علماء اور عامۃ المسلمین نے ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کی قوت اور فوجی برتری کے باوجود جنگ شروع کردی۔ ادھر علماء نے جہاد کا فتویٰ دیا، خصوصاً استاذی مولانا مفتی محمودؒ نے کہا کہ اس وقت افغانی پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کا جہاد صرف اپنے ملک کے لیے نہیں، بلکہ اس میں پاکستان کا دفاع بھی ہے۔ عرب وعجم کے علماء اور عام اہل اسلام نے بھرپور حصہ لیا اور روسیوں کے چھکے چھڑا دیے۔ طالبان کا دور آیا، انہوں نے اسلامی حکومت قائم کی تو یہ فتح جہاد کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔ اگر وہ استعداد کا انتظار کرتے جیسے مولانا جہاد کے لیے شرط قرار دے رہے ہیں تو کبھی بھی فتح کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ (1)

''تم کفار کے خلاف اپنی قوت مہیا کرو اور باندھے ہوئے گھوڑوں سے''

استعداد خود بخود حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے تیاری کی جاتی ہے اور تیاری بھی اپنی استعداد کے مطابق، نہ کہ کفار کی طاقت کے ہم وزن اور اس کے برابر۔ آج بھی افغانستان وعراق میں مجاہدین کفار سے برسرپیکار ہیں۔ وہ اپنی استطاعت وصلاحیت

(1) سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰۔

اور استعداد کے مطابق جنگ لڑ رہے ہیں۔ اکابر علماء اسلام میں سے کسی ایک نے یہ نہیں کہا کہ ان حالات میں جہاد نہیں کرنا چاہیے اور ان کا یہ جہاد، جہاد نہیں ہے۔ معلوم نہیں مولانا کے ساتھ وہ کون سے علماء اہل فتویٰ کی جماعت ہے جو موجودہ حال میں لڑی جانے والی جنگ کو جہاد نہیں سمجھتی۔

بنوامیہ کے دور میں صحابہ کرام کا تعامل
امت کی مصلحت تھا نہ کہ ان کی کمزوری

قولہ: ''یزید کی ستر صحابہؓ نے بیعت کی تو صحابہؓ وہ کیا تھے؟ وہ ایسے تھے جنہوں نے بیعت کرلی؟ اللہ کے بندو! وہ کمزور تھے اور کمزور کے احکام اور ہیں۔ ستر صحابہ کا بیعت کرنا یزید کو متقی اور تقویٰ کے ترازو میں نہیں بٹھاتا۔ وہ کمزور تھے۔ حجاج کی امارت میں حضرت انسؓ رہ رہے تھے تو اس سے حجاج پاک ہوگیا؟ اور کئی صحابہؓ تھے جو حجاج کی حکومت میں موجود تھے تو حجاج پاکدامن ہوگیا؟ ابن زیاد کی ولایت میں کئی صحابہؓ تھے۔ تو ضعف کے احکام میں ضعف کے حالات میں ضعف والی ترتیب کو اختیار کرنا پڑے گا۔''

الجواب: بندۂ خدا! صحابہ کرامؓ کا حکومت وقت سے مصالحت کرنا اور امور خیر میں ان کا ساتھ دینا امت مسلمہ اور عامۃ المسلمین کی خیرخواہی بھلائی اور ان کے تحفظ کے لیے تھا، جیسا کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ان کا منشاء بھی اول آخر یہی تھا کہ مسلمانوں میں جنگ بندی ہوجائے اور قتل وقتال کا سلسلہ بند ہوجائے۔

سیدنا حسنؓ ہمیشہ اپنے باپ اور بھائی کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ جنگ کی راہ بہتر نہیں ہے۔ وكذلك الحسن دائما كان يشير على ابيه واخيه بترك

القتال ۔(۱) اپنے باپ اور بھائی کو جنگ کے ترک کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے حضرت حسنؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابنی ھٰذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین۔ (۲)

"میرا یہ بیٹا سید ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

اسی کے پیش نظر جب یزید کی حکومت قائم ہوگئی تو صحابہ کرامؓ نے امت کی بھلائی اسی میں سمجھی کہ اب جب کہ قتال کا راستہ بند ہوگیا ہے، اسے دوبارہ نہیں چھیڑنا چاہیے۔ یہی مصلحت تھی اسے مداہنت اور کمزوری پر محمول کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ ہاں اگر ایسے حالات میں مقابلہ قیصر و کسریٰ سے ہوتا تو کبھی وہ ترک قتال کا راستہ اختیار نہ کرتے۔ چنانچہ یہ معروف ہے جب رومی بادشاہ کو خیال آیا کہ میں علی و معاویہ کی جنگ سے فائدہ اٹھاؤں اور عرب پر حملہ کردوں تو سیدنا امیر معاویہؓ نے اس کو خط لکھا:

"اے رومی کتے! اگر تم نے حجاز پر حملہ کیا اپنے بھائی علی کی کمان میں پہلا شخص جو تجھ سے لڑائی کرے گا، وہ معاویہ ہوگا۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے گرامی

عن سعید بن جبیر قال خرج علینا عبد اللہ بن عمر فرجونا ان یحدثنا حدیثاً قال دنا الیہ رجل فقال یا ابا عبد الرحمٰن حدثنا عن القتال فی الفتنۃ واللہ یقول و قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ فقال ھل تدری ما الفتنۃ ثکلتک امک انما کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقتل المشرکین و کان الدخول فی دینھم فتنۃ ولیس بقتالکم علی الملک (۳)

(۱) منہاج السنۃ ص ۲۴۳ ج ۲۔ (۲) بخاری شریف ص ۵۳۰ ج ۱۔ (۳) بخاری شریف ص ۱۰۵۱ ج ۲۔

"سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشریف لائے۔ ہم پُر امید ہوئے کہ ہمیں کوئی خاص حدیث بتلائیں گے۔ اتنے میں ایک آدمی آگے بڑھا۔ اس نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! فتنہ میں قتال کے متعلق بیان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھے بین کرے، کیا تو جانتا ہے فتنہ کیا ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے قتال کیا کیوں کہ ان کے دین میں داخل ہونا فتنہ تھا۔ آپ کا قتال تمہاری طرح بادشاہت اور ملک گیری کیلئے نہیں تھا۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی ایمانی بصیرت سے اہل اسلام کی رہنمائی فرما رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے جو قتال کیا، وہ کفر کی قوت و طاقت کو مٹانے کے لیے تھا تاکہ فتنہ نہ ہو اور تمہاری لڑائی دین اسلام کے لیے نہیں بلکہ اس کا مقصد ایک دوسرے کو نیچا دکھانا اور غلبہ حاصل کرنا ہے، اس لیے ہم اس میں حصہ نہیں لیتے۔ الغرض ایسے مواقع میں صحابہؓ کا جنگوں سے کنارہ کش ہونا امت کی خیر خواہی اور اہل اسلام کی بھلائی کے لیے تھا، اس لیے نہیں کہ وہ کمزور اور بزدل تھے اور انہوں نے دین میں مداہنت سے کام لیا یا جہاد سے جی چرایا۔ چنانچہ وہ خود اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

عن نافع عن ابن عمر اتاہ رجلان فی فتنۃ ابن الزبیر فقالا ان الناس ضیعوا وانت ابن عمر صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما یمنعک ان تخرج؟ فقال یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی قالا الم یقل اللہ فقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ؟ فقال قاتلنا ھم حتی لم تکن فتنۃ و کان الدین للہ فانتم تریدون ان تقاتلوا حتی تکون فتنۃ ویکون الدین لغیر اللہ (۱)

"نافع کہتے ہیں ابن زبیرؓ کی جنگ کے زمانہ میں ابن عمرؓ کے پاس دو شخص آئے۔

(۱) بخاری شریف ص ۶۴۸ ج ۲۔

انہوں نے کہا لوگ ضائع ہو رہے ہیں اور تو عمرؓ کا بیٹا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے، کیا چیز مانع ہے کہ آپ جنگ میں آئیں؟ (اور ابن زبیرؓ کے مخالفین سے جنگ کریں) آپ نے فرمایا: مجھے یہ چیز مانع ہے اللہ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: **وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ**؟ آپ نے فرمایا: ہم نے (کفار سے) جنگ کی حتی کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین مکمل ہو گیا، لیکن تم چاہتے ہو کہ تم لڑائی کرو اور دین غیر اللہ کا ہو۔"

جہاد میں اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ شہادت بھی مقصود بالذات ہے

قولہ: "عزالدین بن عبدالسلام، وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ کا تحقق نہ ہو رہا ہو تو قتال ویسے ہی ساقط ہے۔ صرف شہادت مطلوب نہیں ہے۔ مطلوب کسی غرض کے ساتھ ہے۔ ایویں جان گنوا دینے کا حکم نہیں۔ سمجھے بات!"

الجواب: قتال فی سبیل اللہ کے علاوہ دفاع بھی اسلام میں جہاد کہلاتا ہے اور کفر سے قتل کا بدلہ لینا بھی جہاد عظیم ہے۔ ایک قاصد کا بدلہ لینے کے لیے جنگ موتہ پیش آئی جس میں یکے بعد دیگرے تین کمانڈر شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنر بُصری کی طرف حارث بن عمیر ازدیؓ کو خط دے کر بھیجا۔ جب آپ کا قاصد موتہ کے مقام میں پہنچا تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے اس کے قتل کا حکم دیا قاصد کی گردن اڑا دی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت سخت رنج ہوا اور اس پر بہت غمزدہ ہوئے آپ نے اپنے قاصد حارث بن عمیر ازدیؓ کا بدلہ لینے کے لیے جمادی الاولی ۸ھ میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جن پر یکے بعد دیگرے زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالبؓ، اور عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر مقرر کیا۔ جنگ کے مقام میں معلوم ہوا ہمارا مقابلہ ایک عظیم لشکر سے ہے تو بحث چھڑ گئی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کریں یا اس حال

میں جنگ کریں عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا:

یا قوم! واللہ ان الذی تکرھون ھو ما خرجتم لہ خرجتم تطلبون الشھادۃ و نحن ما نقاتل بقوۃ ولا بکثرۃ ما نقاتل الا بھذا الدین الذی اکرمنا اللہ بہ فانما ھی احدی الحسنیین اما الظھور واما الشھادۃ فقال الناس صدق واللہ ابن رواحۃؓ ومضوا للقتال فلقوا ھذہ الجموع المتکاثرۃ (۱)

"اے قوم! بخدا، وہ چیز جس کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ ہے: جس کے لیے تم گھر سے نکلے ہو شہادت کے طالب بن کر۔ ہم قوت اور کثرت کے بل بوتے پر قتال نہیں کرتے، ہم تو اس دین کی مدد سے قتال کرتے ہیں جس کی بدولت اللہ نے ہمیں عزت دی۔ اور وہ دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے، غلبہ یا شہادت۔ لوگوں نے اس کی تصدیق کی کہ عبداللہ بن رواحہؓ نے سچ کہا۔ قتال کے ارادے سے چل پڑے اور بہت بڑے لشکر سے جنگ شروع کی۔"

ان کمانڈر حضرات صحابہ کرامؓ نے یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کیا۔ عقبہ بن عامرؓ نے کہا: انسان اقدام کرتے ہوئے قتل کیا جاوے، یہ بہتر ہے۔

تین ہزار مجاہدین نے ڈیڑھ لاکھ فوج کا مقابلہ کیا

اس کے بعد خالد بن ولیدؓ کو انہوں نے بالاتفاق کمانڈر مقرر کیا۔ آپ کی ہمت اور مہارت حربیہ کے باعث از سر نو جنگ شروع ہوئی اور یہ بچا کھچا لشکر ضائع ہونے سے بچ گیا۔ آخر تین ہزار کا لشکر دشمن کے ڈیڑھ لاکھ کے مقابلے میں کیا کچھ کر سکتا ہے؟ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جنگ کی کایا پلٹ دی، رومیوں نے خیال کیا مسلمانوں کو کوئی نئی کمک

(۱) نور الیقین للخضری ص ۲۰۲

پہنچ گئی ہے۔ خالد بن ولیدؓ ایک خاص انداز سے پیچھے ہٹے اور موتہ کے مقام میں پہنچ گئے۔ وہاں ٹھہرے۔ سات دن تک دشمن سے جنگ جاری رکھی۔ کفار اس خیال سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے کہ مسلمانوں کی امداد تسلسل کے ساتھ جاری ہے، کہیں ہمیں صحرا و بیابان میں نہ دھکیل دیں جہاں ہم پھنس کے رہ جائیں اور خلاصی ممکن نہ ہو۔

بتلایئے مولانا استعداد کہاں گئی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے نازک حالات میں اپنے ایک قاصد کا انتقام لینے کے لیے ایک بڑی جنگ لڑی جس میں بڑے بڑے جرنیل صحابہ شہید ہوئے۔ دشمن کی دور افتادہ سرزمین میں ایک مختصر سی تین ہزار صحابہؓ کی فوج بھیجی جس کا مقابلہ ڈیڑھ لاکھ فوج سے ہوا۔ وہاں پہنچ کر صحابہ کرامؓ نے بے سروسامانی کی حالت میں اقدام جنگ کو اور شہادت کو پیش نظر رکھا۔ غزوات میں اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ شہادت بھی مقصود بالذات ہے اور یہ بھی مقصود ہوتا ہے مخلص مؤمنین اور منافقین کے درمیان تمیز ہو جائے۔ مال غنیمت اور فئی مقاصد میں داخل نہیں البتہ یہ بالتبع حاصل ہو جائیں تو انعام خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ (۱)

''اور تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے ایمان والوں کو تا کہ تم میں کچھ شہید بنائے اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتے تا کہ اللہ ممتاز کر دے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور کافروں کا خاتمہ کر دے۔''

کچے مسلمانوں کی کمزوری کا علاج جہاد میں حصہ لینا ہے نہ کہ راہ فرار

قولہ: ''کچا مسلمان اللہ کے نبی کے دور میں ایک بھی نہ تھا۔''

(۱) آل عمران آیت ۱۴۰۔

الجواب: یہ بھی مولوی صاحب کا محض دعویٰ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں خود صحابہ کرامؓ کے کئی طبقات تھے، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔ سورۃ حجرات میں ہے اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہنے لگے: آمنا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع کیا اور کہا: آمنا نہ کہو بلکہ اسلمنا کہو جنگ احد میں عبداللہ بن ابی کے ورغلانے سے دو قبیلوں (بنوسلمہ بنو حارثہ) نے میدان چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انہیں پھسلنے سے باز رکھا فرمایا: مومن اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں ہے:

إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (۱)

''جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ تعالیٰ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں مسلمان۔''

معلوم ہوا کمزوری کا علاج اللہ جل شانہ پر توکل کرتے ہوئے میدان جہاد میں حصہ لینے کا نام ہے اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے، نہ یہ کہ ان کے لیے میدان جہاد سے راہِ فرار کو عین راہ ثواب اور جائز قرار دینا ہے جیسا کہ مولوی صاحب نے اس مقصد کے لیے ایک لمبی چوڑی تمہید قائم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ اُحد کو جنگ بدر کی مثال دے کر اطمینان دلایا

قولہ: ''بدر میں تین سو تیرہ تھے تم نے ابھی تک تین سو تیرہ بھی نہیں تیار کیے۔''

الجواب: مولوی صاحب ان لوگوں کو طعن دے رہے ہیں۔ یہ کہتے ہیں اصحاب بدر کی تعداد کا تذکرہ کرنے والے اصحاب بدر کی تعداد کو سند اور جواز کے طور پر پیش کرتے

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۲

ہیں اور یہ ہمارے لیے اس دور میں مثال نہیں ہے۔

جنگ احد میں کفار مکہ کی تعداد تین ہزار تھی اور صحابہ کرامؓ کی سات سو۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی عین میدان جنگ سے اپنے تین سو آدمی واپس لے گیا۔ انہی منافقین کا ایک گروہ کہہ رہا تھا: لَوْ نَعْلَمُ قِتَالاً لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۔ جنگی قوت اور عسکری تعداد کے لحاظ سے اگر ہم ان کے ہم پلہ ہوتے تو اس جنگ میں ہم آپ کا ساتھ دیتے۔ اصحاب احدؓ جب عین لڑائی میں محسوس کر رہے تھے کہ ہم ان سے قوت اور نفری میں کم ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ کہہ کر جرأت اور ہمت دلائی:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱)

''اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم احسان مانو۔''

غور فرمائیے! اللہ تعالیٰ جل وعلا شانہ بدر کو بطور نظیر کے پیش فرما کے اہل احد کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں اور مدد کا وعدہ کرتے ہیں اور مولوی صاحب ہیں کہ وہ بدر کو بطور مثال پیش کرنے کی نفی کرتے ہیں۔

مولوی صاحب دور حاضر میں جہاد کا وقت نہیں سمجھتے

قولہ: ''الجہاد الجہاد۔ کوئی جہاد کا منکر ہو سکتا ہے؟ کوئی قرآن کا منکر ہو کے کہاں جائے گا؟ جہاد کا انکار تو قرآن کا انکار ہے، قرآن کا انکار عین کفر ہے۔ ہاں! وقت میں اختلاف ہے کہ وقت ہے یا نہیں ہے نماز تو فرض ہے، پر وقت داخل ہوا ہے کہ نہیں ہوا؟ کہ پہلے ہی اللہ اکبر۔''

الجواب: مولوی صاحب نے جہاد کے لیے مناسب اور موزوں وقت نہ

(۱) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۲۳۔

ہونے کا واویلا کیا ہے، لیکن خود جہاد کے لیے صحیح وقت کا تعین نہیں کیا صحابہؓ کے بعد کس دور میں جہاد فرض ہوا اور کہاں کہاں اہل اسلام نے اس فریضہ کو مناسب اور صحیح وقت میں ادا کیا؟ اور اللہ اکبر کے نعرے لگائے گئے۔ اس وقت فلسطینی، کشمیری، افغانی اور عراقی بدترین سخت دشمن سے برسرپیکار ہیں۔ اسلام کے نام پر دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا (۱)

''لڑو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔''

(۲) جناب موصوف کو یہ جنگیں بھی نظر نہیں آئیں جہاد کی نفی میں صلواتیں سناتے چلے گئے اور اپنے دور کی حالیہ جہادی مسائی کا تذکرہ ہی نہیں کیا تا کہ معلوم ہو مولوی صاحب جہاد کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو وقعت دیتے ہیں۔ حرمین شریفین میں ائمہ کرام خطبہ جمعہ اور عیدین میں اپنی دعاؤں میں اہمیت سے ان مجاہدین کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اللهم انصر اهل فلسطين وانصر اهل افغانستان وانصر اهل العراق وانصرهم على اعدائهم فانهم لايعجزونك اللهم اذا ارادوا بنا شرا فالقهم في شر انفسهم۔

افسوس رائے ونڈ کی سالانہ اجتماعی دعا میں اہل اسلام ان کلمات کے سننے کو ترستے ہیں، انہیں اس طرح کی آواز سننے میں نہیں آتی۔

ان کے قائدین کے تازہ بیانات سے جہاد کے متعلق ان کے نظریہ کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''اسلام کے نام پر انتہا پسندی قابل مذمت ہے۔ اسلحہ کے زور پر شریعت نافذ نہیں کی جا سکتی'' (تبلیغی اجتماع، اسلام آباد ۲۰۰۹ء)

(۱) سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۶۷۔

"اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے تحفظ اور ان کے مذاہب کو نافذ کرنے کے لیے فرشتے بھیجتا۔ حضورؐ نے کبھی طاقت استعمال نہیں کی" (حاجی عبدالوہاب)

"مسلمانوں کو طاقت کے ذریعے اپنا عقیدہ نافذ کرنے کی بجائے اسرائیل سمیت پوری دنیا میں امن، بھائی چارے کی تبلیغ کرنی چاہیے" (مولانا محمد احمد، مولانا جمشید)

"اسلام آباد (نیٹ نیوز) تبلیغی جماعت کے رہنماؤں نے اسلحے کے زور پر شریعت کے نفاذ، مذہبی انتہا پسندی، عسکریت پسندی اور دہشت گردی کو مسترد کر دیا ہے۔ تبلیغی جماعت کے امیر حاجی عبدالوہاب نے اسلام آباد میں تین روزہ تبلیغی اجتماع کے اختتامی روز خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلحے کے زور پر شریعت نافذ نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے تحفظ اور ان کے مذہب کو نافذ کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجتا۔ حاجی عبدالوہاب نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی طاقت استعمال نہیں کی بلکہ پرامن طریقوں سے اللہ کے نام کو پھیلایا۔ انہوں نے اسلام کے نام پر انتہا پسندی اور عسکریت پسندی کی بھی مذمت کی۔ تبلیغی جماعت کے رہنما مولانا جمشید، مولانا محمد احمد اور مولانا فہیم نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام امن کا مذہب ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو طاقت کے ذریعے اپنا عقیدہ نافذ کرنے کی بجائے اسرائیل سمیت پوری دنیا میں امن، بھائی چارے اور رواداری کی تبلیغ کرنی چاہیے۔ مولانا محمد احمد کا کہنا تھا کہ وہ لوگ نادان ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ طاقت کے زور پر شریعت نافذ کی جا سکتی ہے۔"

(روزنامہ آواز، لاہور۔ بدھ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ، ۲۹ اپریل ۲۰۰۹ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قوت کے استعمال کی علی الاطلاق نفی کرنا غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے کفار سے جنگیں لڑیں اور قوت کا استعمال کیا۔ قوت کے استعمال کے بغیر جنگ ممکن ہی نہیں۔

قال الله تعالى: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (۱)

"تم کافروں کے مقابلہ میں اپنی استطاعت کے مطابق قوت تیار کرو۔"

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرمی۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے قوت تیر اندازی ہے، قوت تیر اندازی ہے، قوت تیر اندازی ہے۔"

جیسا ہم نے لکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے کسی جنگ میں بھی اسباب و وسائل سے صرف نظر نہیں کیا اور اپنی پوری قوت سے دشمن سے ٹکرائے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

سیدنا لوط علیہ السلام جب اپنی قوم سے عاجز آ گئے تو اپنی حسرت اور افسوس کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ آوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ (۲)

"کاش مجھے تمہارے مقابلے میں قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ لیتا۔"

اپنے دشمن کے خلاف قوت کی تمنا فطرت کا تقاضا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں قوت حاصل نہ ہوتی تو آپ کے دشمن یہود و نصاریٰ اور مشرکین آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتے اور آپ کے ہاتھوں حدود و تعزیرات کا نفاذ کبھی نہ ہوتا۔ یہ حضرات مسلمانوں سے برسرپیکار حربی کافر اسرائیل کے متعلق، جو فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، جہاد کی بجائے دعوت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسرائیل

(۱) سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰۔ (۲) سورۃ ہود، آیت ۸۰۔

محاذ جنگ میں اپنی کارروائیاں جاری رکھے گا یا ان کی دعوت قبول کرے گا؟ یہ کتنا بودا خیال ہے!

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۱)

''وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انھوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کردے گا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جمادے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کردیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔ میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔''

جس خلافت کا اللہ تعالیٰ نے اس امت سے وعدہ کیا تھا، اس کے اولین مصداق خلفائے راشدین اور صحابہ کرام تھے۔ خلافت کے مقاصد میں دین متین کی تمکین ہے اور تمکین کے معنی توانائی اور قوت سے اس کا نفاذ ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی جہاد کے بغیر وعظ و تلقین سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ البتہ کسی کو جبر کرکے اسلام میں داخل کرنا، اس سلسلے میں طاقت کا استعمال جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲)

''اسلام میں جبر و اکراہ نہیں۔''

لیکن اگر کوئی مسلمان ارتداد اختیار کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من بدل دینہ فاقتلوہ

(۱) سورۂ نور، آیت ۵۵ (۲) البقرہ ۲۵۶

''جو شخص اپنا دین اسلام کفر سے بدل دے، اس کو قتل کردو۔''

ایسی صورت میں طاقت کا استعمال واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے بنی اسرائیل بچھڑے کی پوجا کرکے مرتد ہوگئے۔ بقول مفسرین ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ان پر غلبہ اور قوت عطا کی آپ نے بزور قوت غلبہ ان پر سزا کا نفاذ کیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَآتَيْنَا مُوسَى سُلْطَانًا مُّبِيْنًا (۱)

''اور ہم نے موسیٰ کو ان پر غلبہ دیا۔''

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۲)

''تحقیق تم نے بچھڑے کی پوجا کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ پس اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اپنی جانوں کو قتل کرو۔''

مذکورہ بیان میں قوت کا استعمال فرض اور واجب نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خاتمہ کے لیے اپنی قوت کے استعمال کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور دلی آرزو کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ (۳)

''کہہ دو اگر میرے بس میں ہوتا وہ جس کی تم جلدی مچاتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کیا جاچکا ہوتا۔''

قل لو ان عندی ای فی قدرتی وامکانی ما تستعجلون من العذاب (۴)

(۱) المائدہ ۱۵۳۔ (۲) البقرہ ۵۴۔
(۳) سورۃ الانعام، آیت ۵۸۔ (۴) روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۰

ای فی قدرتی و امکانی (۱)

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اگر ان کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا میرے قبضہ اختیار میں ہوتا اور یہ نزول عذاب میں جلدی چاہنے والے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تو اب تک کبھی کا جھگڑا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو خدا ہی کے علم محیط، حلم عظیم، حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا پرتو ہے کہ بے شمار مصالح وحکم کی رعایت کرتے ہوئے باوجود پوری طرح جاننے اور قدرت رکھنے کے ظالموں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔''

حضرت موسیٰ نے قوم کی بزدلی اور ان کے خوف وہراس پر ان کو چھوڑ نہیں دیا بلکہ مژدہ فتح سنایا

قولہ: ''موسیٰ علیہ السلام کی قوم بولی: أوذينا من قبل أن تأتينا۔ موسیٰ تیرے آنے کا کیا فائدہ ہوا؟ تیرے آنے سے پہلے بھی عذاب میں تھے، تیرے آنے کے بعد بھی عذاب میں ہیں۔''

الجواب: مولوی صاحب کمال ہی کرتے ہیں۔ اپنے خود ساختہ مضمون کو ایک عنوان دیتے ہیں، پھر اسی مضمون کو پورا کیے بغیر اپنی کہانی کہ ہم کمزور ہیں جہاد کے حق میں نہیں دہرا کر بات ختم کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ نہیں لکھا قوم کے اس شکوہ کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا جواب دیا۔ سورۂ اعراف میں ہے:

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۲)

''کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کر دے تم کو

(۱) تفسیر کبیر ج ۱۴ ص ۷۹ (۲) سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲۹

ملک میں پھر دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

امام المترجمین مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ اپنی معروف تفسیر موضح قرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''کلام یہ نقل فرمایا مسلمانوں کے سنانے کو۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے۔ پھر بشارت پہنچی پردے میں۔''

سورۂ اعراف مکی ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بھی فرعون کی ہلاکت سے پہلے مکی زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہاں مسلمانوں کو سنایا جا رہا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل مظلوم تھے انہیں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں تھی بالآخر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا ایسے تمہارا دشمن بھی ہلاک ہوگا۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ زیادہ مت گھبراؤ خدا کی مدد قریب آگئی ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائے گا اور تم کو ان کے اموال واملاک کا مالک بنا دیا جائے گا کہ جس طرح آج سختی وغلامی میں تمہارا امتحان ہو رہا ہے، اس وقت خوشحالی اور آزادی دے کر آزمایا جائے کہ کہاں تک اس کی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکر گزاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سنانے کو نقل فرمایا۔ یہ سورت مکی ہے۔ اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں کے رنگ میں یہ بشارت ان کو پہنچائی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ پر مکی زندگی میں آفتوں اور بلاؤں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، صدہا ظلم وستم برداشت کیے، انہوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اپنے موقف اور مسلک پر ثابت قدم رہے۔ بنی اسرائیل میں جانے کی بجائے مولوی صاحب کو دور نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کا دور بھول گیا جو مکی زندگی میں ایک مثالی دور تھا۔ کسی امت نے بھی اس

طرح کی مثال پیش نہیں کی، لیکن کیا کریں مولوی صاحب دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ نہیں سمجھتے۔ انہیں بنی اسرائیل کے دور میں جانے کا بہت شوق ہے۔

بدر کے سند ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کسی جنگ میں اسباب و وسائل سے صرف نظر نہیں کیا۔

اس کے نظائر اور امثلہ

قولہ: ''بدر ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔ بدر تو صحابہ کے لیے بھی دلیل نہ تھا۔ اگر بدر دلیل ہوتا تو خندق میں پریشان ہونے کی ضرورت کیوں تھی؟ سارے سر جوڑ کے بیٹھے ہیں کیا کریں؟ ۱۰ ہزار کا لشکر لے کر ابوسفیان آرہا ہے، کوئی ایک تو کھڑا ہو کے کہہ دیتا یا رسول اللہ، کیا بات ہے، آرہا ہے تو آنے دیں۔ بدر میں فرشتے نہیں آئے تھے؟ اب بھی فرشتے آئیں گے، ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ آئیں تو سہی، ہم ان کی پسلیاں توڑ کے رکھ دیں گے۔ چلو صحابیؓ تو صحابیؓ ہے، اللہ کا نبیؐ ہی تسلی دیتا ڈرو نہیں، غم نہ کرو، فرشتے موجود، جبریل موجود، اللہ موجود، فرشتے آئیں گے، فتح ہو جائے گی۔ نہ وہ مطمئن، نہ صحابہؓ مطمئن۔ بدر کو تو صحابہؓ بنیاد نہیں بنا رہے اور کہہ رہے ہیں کیا کریں بھائی اتنا بڑا لشکر آرہا ہے، کیا کریں؟ آخر طے ہوا خندق کھودو، تب جان بچے گی۔ تین طرف باغ تھے، ایک طرف مدینہ کی کھلی تھی۔ چھ میل لمبی خندق کھودی گئی، تین ہفتے میں یہ ساری خندق تیار ہوگئی۔ ڈیڑھ ہزار آدمی لگے ہوئے ہیں۔ خود اللہ کے نبی کے ہاتھ میں کدال تھی اور مار مار کے کھدائی کر رہے تھے۔ یہ سب کچھ وہ کر رہے ہیں جنہوں نے بدر میں فرشتوں کو آنکھوں سے اترتے ہوئے

دیکھا تھا۔''

الجواب: سورۂ انفال میں ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (۱)

''کافروں کے مقابلہ میں جس قدر استطاعت ہو، اپنی قوت مہیا کرو اور گھوڑوں کے باندھنے سے جس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ حیات میں اور خلفاء راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں کبھی اس حکم کی تعمیل سے صرف نظر نہیں کیا۔ بدر کی لڑائی ہنگامی طور پر پیش آئی۔ اس میں بھی جس قدر سامان جنگ اور جس قدر رسد کا مہیا کرنا ممکن تھا، پوری تیاری کی۔ اس طرح ایک ایک نفر کو تلاش کر کے آپ ساتھ لے گئے۔ احسن تدبیر اور رائے سے کام لیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا ہمارا مقابلہ ایک نبرد آزما اور اسلحہ سے لیس طاقتور دشمن سے ہے، آپ نے شب بدر میں اپنے صحابہؓ سے مشاورت کی۔ مشاورت اور اللہ تعالیٰ کی عنایات و نصرت کے وعدہ و بشارت پر جنگ کا آغاز کیا اور یہی منشاء خداوندی تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (۲)

''ان سے آپ اہم معاملہ میں مشاورت کریں۔ مشاورت کے بعد جب عزم کر لو تو اللہ پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ متوکلین سے محبت کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے، تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اگر رسوا کرے تو پھر اس کے بعد تمہیں کوئی مدد نہیں پہنچا

---

(۱) سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰۔ (۲) سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۹، ۱۶۰۔

سکتا اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں، احد میں، غزوہ خندق اور فتح مکہ میں، اسی طرح غزوہ حنین میں حسب حال اس قاعدہ اور ضابطہ کو کبھی ترک نہیں کیا۔ حیرت ہے مولوی صاحب کو بدر کے نام اور بدری تعداد سے کیوں چڑ ہے۔ بار بار کہتے ہیں بدر ہمارے لیے حجت نہیں۔ آج بھی اگر وہی احوال اسلامی مرکز سے متعلق پیش آجائیں جو دارالہجرۃ مدینہ منورہ میں بدر کے وقت پیش آئے تھے تو بدر ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ بدر کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

بشرطیکہ جذبہ جہاد ہو، جہاد کے لیے شرح صدر ہو، شوق شہادت ہو تو فتح و نصرت ہمارا استقبال کرے گی۔

الحاصل صحابہ کرامؓ خندق میں بددل اور مایوس نہیں ہوئے، لشکر کفار کو دیکھ کر ان کو خدا اور رسول کا وعدہ یاد آیا مطمئن ہو گئے۔ البتہ شروع میں آزمائش میں مبتلا ہوئے اور ایک قسم کا جھٹکا لگا۔ اس طرح کی آزمائش بدر میں بھی پیش آئی۔ خندق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو اللہ کی نصرت کا وعدہ سنایا اور بشارت دی تسلی دی، البتہ منافقین اور ان کے ہمنوا لوگ یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے اللہ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے، دھوکا ہی ہے:

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا (۱)

''اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہہ رہے تھے اللہ اور

(۱) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۱۲۔

اس کے رسول نے ہمارے ساتھ نہیں وعدہ کیا مگر دھوکے کا۔''

خندق میں بھی بدر کی طرح ملائکہ اترے مادی قوتیں یعنی تیز و تند طوفان بھی آیا جس سے مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی۔ سورۃ احزاب میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (۱)

''اے ایمان والو! اللہ نے جو نعمت کی ہے، اسے یاد کرو جب کہ تمہارے پاس کفار آئے تو ہم نے ان پر تیز و تند ہوائی طوفان اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ان کاموں کو جو تم کر رہے تھے دیکھنے والا ہے۔''

معلوم ہوا فرشتوں نے بھی اور صحابہؓ نے بھی پسلیاں توڑ کر رکھ دیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی بھی دی اور نصرت کا وعدہ سنایا، تسلی دی ڈرو نہیں غم نہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مطمئن، صحابہ بھی مطمئن۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے نصرت کی اور وہ تمام معرکہ ہائے جنگ کے لیے نمونہ ہے۔ خندق میں وہ کون سا عمل ہے جس میں بدر کی نفی ہوتی ہے۔ مولوی صاحب کی جسارت ہے کہ ان سب باتوں کی اپنی خام خیالی اور فرسودہ زبان سے نفی کر رہے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کیے۔ داغ بیل ڈال کر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ خندق کا عمق پانچ گز رکھا، بیس دن میں ۳ ہزار متبرک ہاتھوں سے انجام پائی۔''(۱)

مذکورہ بالا تحریر کے حساب سے خندق کا طول تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر بنتا ہے اس کی

(۱) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۹،۸ (۲) سیرۃ النبی م ۴۲۱، ج ۱، مطبع شہر اعظم گڑھ۔

لمبائی چھ میل قرار دینا کس قدر مبالغہ آمیز ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

"عرب کے مشہور بہادروں میں سے ایک عمرو بن عبدوُد تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ خندق پار کر گیا۔ سامنے سے حضرت علیؓ سے پوچھا کون ہو تم؟ آپؓ نے اپنا نام بتایا۔ اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپؓ نے فرمایا لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو غصہ سے بے تاب تھا۔ پھرتی سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر پر وار روکا، لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ گو زخم کاری نہ تھا، تاہم یہ طغرا آپؓ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا، ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔"(۱)

جناب مولوی صاحب نے بار بار معاشرہ کا رونا رویا ہے بلا استثناء تمام اہل اسلام کو کچے مسلمان قرار دیا ہے اس پر یہ حکم سرزد فرمایا ہے کہ ہمارے لیے دور نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں کوئی نمونہ نہیں، ہمیں بنی اسرائیل کی طرف جانا پڑے گا اس سے ان کی مراد یہ ہے ہم تلوار نہیں اٹھا سکتے، مقابلہ نہیں کر سکتے۔ غیبی نصرت آئے اور دشمن ہلاک ہو، اسی توکل پر ہم عیش و آرام اور سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس کا علاج یہ بتلایا توبہ و استغفار کریں، موسیٰ علیہ السلام کے دور کی وہ مثال دی ہے جوان کی پہلی زندگی سے متعلق ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر آئے کہ فرعون کے غرق ہونے سے پہلے دور کو مکی زندگی سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

مولوی صاحب دور نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور کی بار بار نفی کر کے اپنے لیے بنی اسرائیل کے دور کو نمونہ قرار دیتے ہیں۔ ان کو چاہیے تھا صرف اپنے لیے دعا کرتے یارب مجھے بنی اسرائیل کے دور میں پیدا کیا ہوتا تا کہ میں لوگوں کو ان کے قریبی

(۱) ملخصاً سیرۃ النبی، ص ۴۲۶ تا ص ۴۲۸، ج ۱۔

زمانے کے دور کی مثال دیتا جوان کے ذہن نشین ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کو اسوۂ حسنہ قرار دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے خلفائے راشدین کے دور کو واجب الاتباع قرار دیا۔ یہ دور ہمارے لیے واحد نجات کا راستہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو معاشرہ کتنا بگڑا ہوا تھا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی بادشاہ کے سامنے اس کی مختصر تصویر کھینچی۔

و قال يا ايها الملك! كنا قوماً اهل جاهلية نعبد الاصنام ونأكل الميتة ونأتي الفواحش ونقطع الارحام ونسيئ الجوار ويأكل القوى منا الضعيف وكنا على ذلك حتى بعث الله رسولاً منا نعرف نسبه وصدقه وامانته وعفافه فدعانا الى الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن وآباء نا من دونه من الحجارة والاوثان وامرنا بصدق الحديث واداء الامانة وصلة الرحم ونهانا عن الفواحش فصدقناه وآمنا به واتبعناه على ما جاء به من عند الله۔(۱)

"اے بادشاہ! ہم ایک جاہلیت والی قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے بے حیائی کے کاموں پر عمل پیرا تھے ہم قطع رحمی میں مبتلا تھے اپنے پڑوسی سے برا سلوک کرتے تھے ہم میں سے قوی آدمی کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حال پر تھے کہ ہم میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کے نسب، اس کی سچائی، امانت اور پاکدامنی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تا کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک سمجھیں، اس اکیلے کی عبادت کریں اور اللہ کے ماسوا جن معبودوں کو ہم اور ہمارے آباؤاجداد پوجتے چلے آئے، چھوڑ دیں یعنی پتھروں اور بتوں کو۔ ہمیں سچی بات، ادائے امانت اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ج ۲ ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

''آپ نے ہمیں بے حیائی کی سب باتوں سے منع کیا۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی آپ پر ایمان لائے۔ آپ اللہ کی طرف سے جو احکام لائے، ان میں ہم نے آپ کا اتباع کیا۔''

الحاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر مشرک موحد بن گئے، بت پرست، چور اور قزاق تائب ہو کر شب بیدار اور متقی بن گئے، گمراہی اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے لوگ رہنما اور ہادی بن گئے۔ آج بھی اگر معاشرہ کی اصلاح ممکن ہے تو کتاب وسنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ اس امت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعین اور اسلاف امتؒ سے ورغلا کر بنی اسرائیل کی دعوت دینا جہالت اور سراسر گمراہی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِن هٰذِهِ الوَسَاوِسِ الشَّيطَانِيَّةِ وَ جَمِيعَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلٰى صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفُ تَحِيَّةٍ وسلامٍ۔

نوٹ: ابو جندلؓ کے واقعہ میں مولوی صاحب نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ راقم الحروف نے پہلے تحریر کیا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ اور اس سے متعلق سب باتیں کمزوری پر مبنی نہیں ہیں بلکہ صلح کا مدار منشأ خداوندی ہے ابو جندلؓ کی واپسی بھی معاہدے کی بنا پر ہوئی جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ (مزید تفصیل صفحہ ۳۴۷)

اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کا اضطراب اور بے چین ہونا ایک طبعی امر تھا جس کا انہیں زندگی بھر احساس رہا۔ لیکن اسے بھر جانے سے تعبیر کرنا سوء ادب ہے ان کی طرف یہ نسبت کرنا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا ''پھر آپ ہمیں ذلیل کیوں کر رہے ہیں'' خلاف واقعہ ہے اور حضرت عمرؓ کے بارہ میں بد باطنی کا اظہار ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں کہا کہ کیا ہم حق پر نہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہم دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟ آپ نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔''(۱)

بخاری شریف میں حضرت عمرؓ کے اس جملہ کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے ''فَلِمَ نعطی الدَّنِيَّةَ فی دیننا'' پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیسے گوارا کریں؟ ذلت کی نسبت اپنی طرف کی ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہنا السنا علی الحق، کیا ہم حق پر نہیں؟ معاذ اللہ شک کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے مدعا کو ظاہر کرنے کے لیے بطور تمہید کے تھا، جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔ اسی طرح جب سورۃ فتح نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا، یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا ہاں۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت عمرؓ کی تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے۔ مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی۔ (۲)

لیکن مولوی صاحب ہیں کہ وہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''پھر آپ ہمیں ذلیل کیوں کر رہے ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے معاذ اللہ تذلیل کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔

؎ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

حدیث: ''وقاتلوهم حتی یکونوا مثلنا'' کے معنی میں مولوی صاحب کی غلطی اور اس کا اصل مفہوم

قولہ: ''وقاتلوهم حتی یکونوا مثلنا'' یہ ہے وجہ قتال کی۔ اب ہم کسے

(۱) سیرۃ النبیؐ علامہ شبلی نعمانیؒ ص ۴۵۹، ج ۱ مطبع شریف معارف شہر اعظم گڑھ (۲) ایضاً، ۴۵۹

کہیں، کونوا مثلنا؟ مولانا احمد یہ جملہ بڑا بولتے تھے، ہم کس کو جا کر کہیں: کونوا مثلنا ۔ہم کس چیز کی دعوت دیں؟ ہمارے اپنے ہی گھر میں اس وقت حالات خراب ہیں، اور کس کو بلائیں؟"

الجواب: مولوی صاحب نے مذکورہ بالا الفاظ حدیث اور ان کے مطالب کو خلط ملط کر دیا۔ نہ حدیث کے الفاظ صحیح اور نہ اس کے مطالب صحیح، نہ ان الفاظ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت صحیح ہے۔ پہلے ہم اصل حدیث کے الفاظ نقل کرتے ہیں، پھر ان کے مطالب پر بحث کریں گے:

عن سهيل بن سعدؓ سمع النبى صلى الله عليه وسلم يقول يوم خيبر لاعطين الراية رجلا يفتح على يديه فقاموا يرجون لذلك ايهم يعطى فغدوا كلهم يرجو أن يعطى فقال أين على؟ فقيل يشتكى عينيه فامر فدعى له فبصق فى عينيه فبرأ مكانه حتى كانه لم يكن به شئ فقال نقاتلهم وفى رواية اقاتل حتى يكونوا مثلنا فقال على رسلك حتى تنزل بساحتهم ثم ادعهم الى الاسلام واخبرهم بما يجب عليهم فو الله لأن يهدى بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم۔ (۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر حضرت علیؓ کو جھنڈا دے کر بھیجا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہم ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں یعنی اسلام قبول کر لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے روش پر چلتے جاؤ حتی کہ جب ان کے میدانوں میں پڑاؤ ڈال لو تو ان کو اسلام کی طرف بلاؤ اور ان کو مطلع کرو جو ان پر واجب ہے۔ بخدا، تیری وجہ سے ایک شخص ہدایت حاصل کرلے تو یہ

(۱) بخاری شریف ص۳۱۳ ج۱

تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے یعنی سرخ اونٹوں کے صدقہ اور ثواب سے۔"

حدیث اول: **واللہ لان یهدی بك رجل واحد خير لك من حمر النعم۔**

حدیث ثانی: **لغدوة او روحة فی سبيل الله خير من الدنيا وما فيها۔** (۱)

مولوی صاحب نے دو حدیثوں میں پیوندکاری کر کے ایک حدیث کے اول حصہ کو دوسری حدیث کے آخر کے ساتھ ملا دیا اور دوسری حدیث کے آخری حصہ کو پہلی حدیث کے اول حصہ سے ملا دیا، جیسا کہ اس سے متصل "قولہ" میں مولوی صاحب کی تیسری بات کے عنوان سے حدیث علی کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے احادیث پر عمل کر کے دکھایا انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان نتائج کا مشاہدہ کیا۔ لوگ جہاد کی برکت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے یہ روایت اس امت میں جاری وساری رہی۔ محمد بن قاسمؒ نے سندھ میں اسلام کا جھنڈا گاڑا۔ طارق بن زیادؒ نے اندلس میں اس کا علم بلند کیا۔ یوسف بن تاشفین نے مغرب اوسط، مغرب اقصی فتح کیا ان میں اسلام کا پرچم بلند کیا۔ جہاد کی بدولت اسلام کو سربلندی حاصل ہوئی، اسلام پھلا پھولا ہے، اس کے ثمرات رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لا تزال طائفة من امتى يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال (۲)

"میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی حتی کہ ان کا آخری طبقہ دجال سے لڑائی کرے گا۔"

(۱) بخاری شریف ص۳۹۲، ج۱ (۲) رواہ ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ ص۳۳۱

لیکن مولوی صاحب نے حتی یکونوا کو کونوا مثلنا صیغہ امر بنالیا، یعنی ہو جاؤ ہمارے جیسے۔ یہ حضرت علیؓ کے قول کا مقصد نہیں اگر دعوت اسلام میں قتال کا پروگرام نہ ہوتو اس سے دین اسلام کی تکمیل اور اسلام کو سرفرازی و بلندی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مولوی صاحب کی عادت ہے حدیث کے اصل مفہوم اور مقصد کو الٹے منہ چڑاتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کو مولانا احمد صاحب کی نذر کر دیا اور کہا مولانا احمد یہ جملہ بڑا بولتے تھے، اب ہم کس کو جا کر کہیں کونوا مثلنا۔

و قال اللہ تعالیٰ: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (۱)

"یعنی لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو حکم سب اللہ کا"

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا، مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید کفر کے ہاتھوں سے محفوظ ہو۔ (چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کتب حدیث میں منقول ہے)۔ یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے اللہ کا چلے دین حق سب ادیان پر غالب آ جائے (لیظھرہ علی الدین کلہ) خواہ دوسرے ادیان باطلہ کی موجودگی میں جیسے خلفاء راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا۔ یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے۔ ایسا نزول مسیح کے وقت

(۱) سورۃ الانفال آیت نمبر ۳۹

ہوگا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ اقدامی ہو یا دفاعی ہو، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لیے حدیث میں آ گیا: الجهاد ماض الى يوم القيامة ۔ جہاد کے احکام و شرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔" (تفسیر عثمانی)

ایک شخص کو کلمہ کی تلقین کے لیے قتال برائے اعلائے کلمۃ اللہ کو نہیں چھوڑا جا سکتا، کیونکہ اس میں بیشمار انسانوں کی ہدایت مضمر ہے

قولہ: "تیسری بات یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت کا جو مقصد ہے، وہ ہدایت ہے لہٰذا ایک آدمی کا ہدایت پہ آ جانا، وہ ساری دنیا کے مل جانے سے بہتر ہے۔ تو گویا مال غنیمت ایک طرف رکھا جا رہا ہے اور ایک شخص کی ہدایت کو ایک طرف رکھا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو مارو، فتح کرو، اور ساری دنیا کے خزانے تمہیں حاصل ہو جائیں، اس سے بہتر ہے ایک شخص کا کلمہ پڑھ لینا۔ اس جذبے سے وہ لوگ قتال کے لیے نکلے تھے۔ اس وقت یہ جذبہ ہے ہی کوئی نہیں، چونکہ تربیت کوئی نہیں۔ اکثر تحریکوں میں نوجوان جوش میں آ کر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ تو اللہ کی مدد کیسے آئے گی۔"

الجواب: جہاد فی سبیل اللہ کا مال غنیمت سے تقابل اور مال غنیمت کا تصور کہ تم لوگوں کو مارو، فتح کرو اور مار مار کر ساری دنیا کے خزانے تمہیں حاصل ہو جائیں، یہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا کتنا بھیانک نقشہ ہے جو مولوی صاحب نے پیش کیا ہے۔ قتال فی سبیل اللہ میں مارنا مر جانا، جان کی بازی لگا دینا، بے خوف و خطر لڑنا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنا اور اپنی جانوں کو اس قابل بنا دینا خود اللہ تعالیٰ ان کا خریدار ہو، اس کا اصل مقصد ہے اور اس کے ضمن میں کفار کا مال و دولت حاصل ہو جائے تو وہ انعام

خداوندی ہے اور حلال وطیب ہے۔ ظاہر ہے یہ مال غنیمت جو اعلائے کلمۃ اللہ کے نتیجہ میں حاصل ہوا، اسے کسی شخص کی ہدایت کے متوازی ومقابل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ تو اعلائے کلمۃ اللہ کے صلہ میں حاصل ہوا ہے، وہ اعلائے کلمۃ اللہ جو کسی ایک شخص کے انفرادی کلمہ پڑھ لینے سے بدرجہا بہتر ہے، کیوں کہ اس میں اسلام کی سربلندی کے ساتھ لاتعداد اور بے شمار انسانوں کی ہدایت مضمر ہے۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رأس الامر الاسلام وعمودہ الصلوۃ و ذروۃ سنامہ الجہاد (۱)

''دین کی بنیاد اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی بلندی جہاد ہے۔''

آخر میں مولوی صاحب نے مجاہدین کا ایسا خاکہ کھینچا ہے گویا وہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق تخریب کار اور دہشت گرد ہیں۔ جب آپ کے نزدیک مال غنیمت، لوگوں کو مارو، فتح کرو اور ساری دنیا کے خزانے تمہیں حاصل ہو جائیں، لوٹ مار کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے تو پھر آپ اہل جہاد کو ظالم اور ستم کار نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ کون نہیں جانتا ظلم وستم، غارت گری اور ناحق خون ریزی خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہے، لیکن مال غنیمت کے ضمن میں اس کا ذکر کرنا عمل جہاد کی جنگ اور مجاہدین کی غلط عکاسی نہیں تو اور کیا ہے؟

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

(۱) المشکوٰۃ ص۱۴ ج۱، کتاب الایمان

ملا عمر اور طالبان جنگ کے موقع محل کو نہیں سمجھتے، الزام ہے

قولہ: مولانا احمد صاحب ہمارے ساتھ ۱۵ دن لگاتے ہیں ہر مہینے۔ وہ کہنے لگے، میں ایک دفعہ گیا افغانستان۔ طالبان کے مورچے دیکھے تو میں نے کہا بے وقوفو! تم مارے جاؤ گے، تمہارا تو ایک مورچہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تو میں نے وہاں ملا عمر سے کہا، میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں، صرف آپ کو تھوڑی تربیت دے دوں۔ انہوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمیں اللہ کافی ہے۔ کیسی حماقت کی بات ہے! تو اللہ تعالیٰ کے امر سے خیمے اکھڑوائے گئے، حالانکہ فرشتوں کا وعدہ ہو چکا تھا۔ پھر بھی اس پہ انحصار نہیں رکھا گیا اور احد کی لڑائی میں بھی آپ نے نقشہ صحیح بنایا اور اس ظاہری ترتیب کو توڑا گیا۔ وہی شکست کا باعث بنا۔''

الجواب: اس مقولہ میں علامہ احمد صاحب نے کلام کا آغاز ہی طالبان کے خلاف ''بے وقوفو'' سے کیا مولوی صاحب نے بھی آخر میں ملا عمر پر حماقت کا فتویٰ لگا دیا۔ تعجب کی بات ہے مولوی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ کس ماحول میں بات ہوئی اور اصل موقع و محل کا تقاضا کیا تھا۔ علامہ احمد صاحب کے مشورہ سے ان کو اتفاق نہ ہوا۔ ہو سکتا ہے ملا عمر موقع کی نزاکت کو مولانا سے زیادہ سمجھتے ہوں۔ عرصہ سے وہ اسی جنگ کی آزمائش میں مبتلا ہیں۔

دشمن سے برسرپیکار لوگ دوسروں کی نسبت موقع ومحل کی نزاکت خوب جانتے ہیں۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے اقوال

صاحب ایمان، جو کسی حادثہ میں مبتلا ہو اور ہمت نہ ہارے اللہ تعالیٰ اس کو بڑی آسانی سے اس مسئلہ میں رہنمائی فرما دیتے ہیں۔

قال الامامان عبد الله بن مبارکؒ واحمد بن حنبلؒ وغیرھما : اذا اختلف الناس فی شیٔ فانظروا ماذا علیه اھل الثغر فان الحق معھم لان اللہ یقول: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (۱)

"جب لوگ کسی مقام میں جاری جہاد کی نوعیت اور کیفیت میں اختلافی بحث کریں تو اس سلسلہ میں دیکھنا چاہیے کہ سرحد کے لوگ جو اس جہاد سے وابستہ ہیں، ان کا نظریہ کیا ہے۔ حق ان کے ساتھ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ میری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔"

گھر بیٹھے کسی کو بے وقوف کہنا آسان ہے محاذ جنگ میں حصہ لینا اور کفر کا جان و مال سے مقابلہ کرنا بہت مشکل اور حوصلہ کی بات ہے، کیوں کہ بھاگنے والے کو بجائے سینہ کے پیچھے سے گولیاں کھانا پڑتی ہیں۔ البتہ ان کے ہاں مروجہ طریق ہائے تبلیغ سے بغیر جہاد کے جنت کی راہ تلاش کرنا آسان ہے۔

خلق اللہ للحروب رجالا ورجالا لقصعة وثرید

آسودہ دلا حال دل زار چہ دانی خونخواریٔ عشاق جگر خوار چہ دانی

ہرگز نخلیدہ بکف پائی تو خاری آزردگیٔ سینہ افگار چہ دانی

ملا عمر کی عزیمت اور طریقہائے کار جہاد کو دنیائے اسلام سلام کرتی ہے اور اس مرد آہن کے لیے کتنی بڑی عزیمت ہے اس نے دنیائے کفر کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ امریکہ و یورپ کی پوری ایٹمی قوتیں اس مرد مومن کے مقابلہ میں تھرا گئی ہیں جس نے خداداد صلاحیت اور اپنی ایمانی فراست سے ان کی قوت کو ناکارہ بنا دیا ہے ان کی مصالحت کی تمام کوششوں کو ٹھکرا دیا حتیٰ کہ دشمن واپسی کا پرامن راستہ حاصل کرنے کے لیے فکر مند ہے۔ ملا عمر کی شخصیت اور ان کی نبرد آزمائی، استقلال اور حوصلہ، خدائے ذوالجلال کی

(۱) مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۴۴۲ ج ۸

ذات پر توکل اور اعتماد کا اگر آپ جائزہ نہیں لے سکتے تو اس کے دشمنوں سے پوچھیے کہ وہ اپنے حریف کو کیا مقام دیتے ہیں۔ کتنے یورپین ممالک کو اس جنگ میں ہزیمت اٹھانا پڑی اور ان کے ملک اس جنگ میں کس طرح دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہو!

نہیں غرور ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر

سوا خدا سب ان کا ہے اور خدا میرا

کوئی مجاہد بھی جہاد فی سبیل اللہ کے اسباب و وسائل سے انکار نہیں کرتا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (۱)

"تیار کرو ان کے لیے ہر قسم کی قوت جس کی تم استطاعت رکھتے ہو اور گھوڑوں کے باندھنے سے جس سے تم اپنے دشمنوں کو اور خدا کے دشمن کو ڈراتے رہو"

مولوی صاحب اس سے پہلے بڑے دعویٰ سے کہہ آئے ہیں کہ بدر ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔ اب بدر کے حوالہ سے کہتے ہیں فرشتے آ گئے، جبرائیل بھی آ گئے اور میکائیل بھی آ گئے۔

باقی رہی یہ بات اللہ تعالیٰ کے امر سے خیمے اکھڑوائے گئے تو خیموں کے متعلق پہلے مولوی صاحب نے تصریح کی ہے کہ حباب بن منذر نے سوال کیا کہ یہ اللہ کا امر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا آپ کا امر ہے؟ کہا ہاں! اب کہتے ہیں اللہ کے امر سے خیمے اکھڑوائے گئے۔ کتنا بڑا تضاد ہے۔

تاریخ کی رو سے اصل مقصد یہاں رہائش اور خیمہ لگانے کا نہیں تھا بلکہ پانی کے قریب اور بعید ہونے کا تھا۔

(۱) سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰

فقال له الحباب بن المنذر الانصاری وكان مشهورا بجودة الرأی فقال يا رسول الله!ليس لك هذا بمنزل فانهض بالناس حتى تاتى ادنى ماء من القوم فانى اعرف غزارة ماء ه وكثرته فننزله ونغور ما عداه من الآبار ثم نبنى عليه حوضا فنملؤه ماء فنشرب ولا يشربون فقال الرسول عليه السلام لقد أشرت بالرأى (۱)

''حباب بن منذرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے یہ منزل مناسب نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو یہاں سے اٹھائیں قوم پانی کے قریب اپنا پڑاؤ ڈالے۔ وہاں پانی کی موج اور کثرت کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہاں اتر کر ہم اس کے علاوہ دوسرے کنوؤں سے پانی کھینچ لیں گے، وہاں حوض تعمیر کر کے اس کو پر کرلیں گے۔ اس کے نتیجہ میں ہمارے پاس پانی کا انتظام ہوگا اور وہ پانی سے محروم رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے اچھی رائے کی طرف اشارہ کیا۔''

شکست و ریخت اور ہے مقصد میں ناکامی اور ہے، ایک کو دوسرے کا عین نہیں کہا جا سکتا

قولہ: ''سو برس سے غلبہ ہوا یورپین اقوام کا تو اس وقت سے لے کر اب تک مسلسل اس جہاد کے نام پر تحریکیں اٹھیں۔ کبھی داخلی مسلمان کے لیے اٹھیں، اس کا نام بھی جہاد کر دیا۔ سپاہ صحابہ نے جہاد کے نام پر کتنا لمبا چوڑا انظام چلایا اور یہ جہادی تنظیموں میں کبھی کوئی فلاں حرکت، فلاں حرکت۔ لیکن آہستہ آہستہ آپ

(۱) نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ص ۱۰۶ مطبع دار الفکر للنشر والتوزیع، عمان الاردن

دیکھ رہے ہیں کہ سب کا نشان مٹ گیا ہے۔ ان کو ہم نے تو نہیں مٹایا، ان کی اپنی غلط منصوبہ بندی نے ان کو مٹایا ہے۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

ان کی اپنی غلطیوں نے انہیں یہاں تک پہنچایا ہے۔''

الجواب: یورپین اقوام کے خلاف سیاسی جدوجہد اور میدان کارزار میں عملی معرکہ جن کی قیادت اہل حق اور علماء کے پاس رہی، واقعی ان کی مساعی جمیلہ جہاد کے زمرے میں آتی ہیں۔ اسے ناکامی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ کسی جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو ناکامی ہوئی۔ شکست و ریخت اور شہادت اور ہے، مقصد میں ناکامی اور ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں ایک جنگ کے بعد ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی معذرت ان الفاظ میں پیش کی:

نحن الفرارون قال بل أنتم العكارون وأنا فئتكم (۱)

''ہم بھگوڑے ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ تم پلٹ کر دشمن پر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا لشکر ہوں۔''

مسلمان کفار کے خلاف محاذ جنگ میں کبھی ناکامی تسلیم نہیں کرتا۔ ایک محاذ سے دوسرے محاذ کی طلب میں رہتا ہے۔

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

شرط یہ ہے کہ وہ جذبہ جہاد سے سرشار اور اعلائے کلمۃ اللہ کے تمغہ میں سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو اللہ تعالیٰ سے اپنی جان اور مال کا سودا کر چکا ہو۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(۱) مشکوۃ ج ۲ ص ۳۴۳۔

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (١)

"اللہ نے مومنوں سے خرید کرلیا ہے ان کی جانوں اور مالوں کو اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔"

بخدا لذت ایں ندانی تا نچشی

قتال کی نوبت کبھی کبھار آتی ہے لیکن مسلمان ہمہ وقت جہاد میں رہتا ہے۔

عن سهل ابن حنيف قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من سأل الله الشهادة بصدق بلغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه۔ رواه مسلم (٢)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے صدق دل کے ساتھ شہادت طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شہدا کے مراتب پر فائز کرتا ہے، اگرچہ اس کی موت بستر پر واقع ہو۔"

مولوی صاحب نے اپنی خام خیالی سے یہ سمجھ رکھا ہے یورپین اقوام تو کامیاب رہیں ان کے خلاف سیاسی جماعتیں اور جہادی تنظیمیں شکست خوردہ اور ناکام ہیں ان کے مقابلہ میں مروجہ تبلیغی لوگ بستر اٹھائے کوچہ بہ کوچہ، شہر بہ شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک مع اپنی مستورات کے سیر و سیاحت کر رہے ہیں یہی ہمارا جہاد ہے۔

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من مات ولم يغز ولم يحدث به نفسه مات على شعبة من نفاق۔ رواه مسلم (٣)

"حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مرگیا اور اس نے جہاد نہ کیا کبھی اس کے دل نے اس سے جہاد کی بات نہ کی، وہ

(١) سورۃ التوبۃ آیت ١١١۔ (٢) المشکوۃ کتاب الجہاد ص ٣٣٠ مکتبہ مجتبائی دہلی (٣) ایضاً ص ٣١٠

نفاق کی ایک نوع پر مرا۔"

جب تم کافر کو کافر نہیں کہتے، گمراہ کو گمراہ کہنا تمہاری تبلیغ کے آداب میں داخل نہیں، کسی غلط کار کو غلط کار نہیں کہتے، غالی، بدعتی، شیعہ، خارجی، پرویزی، مرزائی، آغا خانی اور دیگر ملحد و زندیق فرق باطلہ کا نام لے کر ان کی تردید نہیں کرتے اور بوقت ضرورت ان سے دست بدست اپنا دفاع نہیں کرتے تو تمہیں کون کچھ کہے گا؟ انگریز تو یہی چاہتا تھا آپ اپنی نماز روزہ اور دیگر عبادات میں ایسے مشغول و مصروف ہوں تمہیں ہماری خبر نہ رہے۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اس کی تو کوشش ہے تمہیں وہ درس توحید بھول جائے، تمہارے بڑوں نے جس کی آبیاری کی تھی اور جس کی دعوت کی بدولت وہ پوری دنیا پر چھاگئے۔

خالد بن ولیدؓ کا اہل فارس کے نام خط

أما بعد فإنا ندعوكم الى الاسلام فان أبيتم فاعطوا الجزية عن يد وانتم صاغرون فان أبيتم فان معي قوما يحبون القتل في سبيل الله كما يحب فارس الخمر والسلام على من اتبع الهدى۔ رواه في شرح السنة (١)

"ہم آپ کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم (اسلام سے) انکار کرو تو ذلت سے ہمیں ٹیکس ادا کرو اور اگر تم (ٹیکس دینے سے) انکار کرو گے تو میرے پاس ایسی قوم ہے جو اللہ کی راہ میں شہادت سے ایسی محبت رکھتی ہے جیسا اہل فارس شراب سے محبت رکھتے

(١) مشکوۃ شریف ص ٣٣٢ ج ٢ باب الکتاب الی الکفار و دعائہم الی الاسلام

ہیں۔اس پر سلام جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی فتح یا شہادت کو احدی الحسنیین سے تعبیر فرمایا

اللہ تعالیٰ نے جہاد کے سلسلہ میں مؤمنین کی عزیمت اور ہمت کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:

قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَن يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ (۱)

"کہہ دو ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچا سکتا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھی ہے۔وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں ایمان والے۔ کہہ دو تم تو صرف ہمارے بارے میں دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے ہو (فتح یا شہادت) اور ہم تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تمہیں مصیبت سے دوچار کرے گا، اپنی طرف سے عذاب کے ساتھ یا ہمارے ہاتھوں سے۔ پس تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔"

معلوم نہیں مولوی صاحب کو جہاد سے کیا بیر ہے! وہ اپنے دل میں جذبہ جہاد تو کیا، مجاہدین مخلصین سے بھی کد رکھتے ہیں۔ جہادی تنظیمیں بحمد اللہ آج بھی کام کر رہی ہیں، ختم نہیں ہوئیں۔ ان کو آیت وما کان اللہ لیظلمھم کا مصداق قرار دینا تحریف کی مد میں آتا ہے۔ الحمد للہ پاکستان میں مختلف جہادی تحریکیں اٹھیں انہوں نے اپنا کام کر دکھایا۔ روس جیسی سپر پاور کو ٹکڑے ٹکڑے کیا افغانستان سے مار بھگایا اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ آج بھی وہ دشمن سے برسرپیکار ہیں، امریکہ اور اس کی

(۱) التوبہ آیت ۵۱،۵۲

حواری یورپین اقوام کا میدان میں مقابلہ کر رہی ہیں۔ آپ کو کچھ نظر نہ آئے تو کیا کیا جائے۔

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

آپ عالمی حقائق سے آنکھیں بند کر کے فیصلہ کرنے کے عادی ہیں۔ مجاہدین مخلصین کو کفار کی صف میں کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو معتوب اور قابل گردن زدنی قرار دیتے ہیں بلکہ ظالم ٹھہراتے ہیں آیت فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ہر دور میں اللہ کے برگزیدہ بندوں کو اپنی قوم کی طرف سے اس طرح کے خطابات دیے گئے۔ روز جزا بتلائے گا قتال فی سبیل اللہ والے ظالم ہیں یا گھر بیٹھے معترضین ظالموں کی مد میں آتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا مکتوب

حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ اپنے طویل جہادی مکتوب بنام مخدوم میر شاہ علی میں ارشاد فرماتے ہیں:

"جہادی قوت کا مہیا کرنا ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے۔ وہ خود میدان میں آئے اور اپنی استطاعت کے موافق سامان جنگ ہمراہ لائے۔ کسی دوسرے کی شرکت کا انتظار اس معاملے میں بالکل جائز نہیں۔ جہاد کے معاملے میں جو مشکل اور تعطیل واقع ہو رہی ہے، اس کا وبال اور سزا جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی گردن پر ہے۔ غیرت اسلامی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بطور کھیل اور تماشہ بھی جہاد کا نام لیتا تو اس کی

آواز پر ہر شخص دور دراز سے صحرا و بیابان پہاڑوں اور جنگلوں کا سفر طے کرتا، دیوانوں کی طرح دوڑتا بلکہ شہباز کی طرح پرواز کر کے مجمع جہاد میں جا پہنچتا۔

ضروری ہے کہ ہر شخص تن تنہا، اگرچہ ضعیف اور کم استطاعت ہو، امام کی آواز سن کر اپنے گھر سے نکل پڑے، جس قدر سامان جنگ میسر ہو لشکر اسلام میں پہنچا دے تاکہ قیام جہاد کی صورت پیدا ہو، نہ یہ کہ اپنے آپ کو عباد اللہ کے زمرے سے نکال کر پیٹ پرست لوگوں میں داخل ہو۔ دین متین کے اس رکن کو چھوڑ کر دنیاداروں کی کاسہ لیسی اور عورتوں کی فرج سائی کو اپنا پیشہ بنالے۔ افسوس اسلام کا صرف یہی حق ہے کہ اس کے رکن اعظم (جہاد) کی بیخ کنی کرے؟ غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی رکھنے والوں پر ملامت وطعن کرے اگر ایسا ہو تو یہ لوگ من جملہ عیسائی، یہودی، مجوسی یا ہنود میں سے ہیں۔"(۱)

امام شاہ ولی اللہؒ کا احمد شاہ ابدالی کے نام مکتوب

انگریزوں سے نبرد آزما ہونے کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ہر دور میں علماء ہند نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ابھرنے والی طاقتوں کا اپنی بساط کے مطابق مقابلہ کیا، ان کو اور ان کے بہی خواہ حواریوں کو برسر میدان شکست دی۔ چنانچہ ۱۷۶۰ء میں امام شاہ ولی اللہؒ نے انتہائی مایوسی اور کس مپرسی کی حالت میں احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت اورنگزیب عالمگیر کے بعد اپنے زوال کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہندوستان کے چاروں طرف سے ہندو ایک بار پھر متعصب گپتا راج کی طرح ہندو حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ مرہٹوں کی طاقت عروج پکڑ رہی تھی اور انہیں فرانسیسی توپ خانے کی حمایت بھی حاصل تھی۔ تمام ہندو مہاراجے مرہٹوں کے ہمرکاب ایک

(۱) ترجمہ و تلخیص، مکاتیب سید احمد شہیدؒ ص ۷۶، ۷۷، مکتبہ سید احمد شہیدؒ

ہندوتوا کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اس عالم میں امام شاہ ولی اللہؒ کا خط افغانستان کے حاکم احمد شاہ ابدالی تک پہنچا، وہ شخص جسے افغان مملکت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ پانی پت کا میدان جنگ سجا۔ مرہٹے چالیس ہزار گھڑسوار، پندرہ ہزار پیادے اور تین لاکھ ریزرو ہندو جاں نثاروں کو لے کر پہنچے۔ ان کے پاس فرانس کی بنی ہوئی ۲۰۰ سے زائد توپیں اور جدید اسلحہ بھی تھا، جب کہ احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ۳۸ ہزار گھڑسوار تھے۔ جمنا کے کنارے ۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء کو معرکے کا آغاز ہوا۔ اپنے زمانے کی بہترین فرانسیسی دور مار بندوقوں اور آرٹلری کے ساتھ مرہٹے اس جنگ میں فتح کا وہ خواب دیکھ رہے تھے جس کے بعد ہندوستان پر ہزاروں سال پرانا متعصب گپتا ہندو دور واپس آجائے گا، لیکن تاریخ کچھ اور اپنے دامن میں چھپائے بیٹھی تھی۔ ایک ایسی شکست لکھی تھی جس کے بعد پورے ہندوستان پر ہندو حکمرانی کا خواب آج تک ادھورا ہے۔(۱)

انگریزوں کے اقتدار اور ان کی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر
شاہ عبدالعزیزؒ کا ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ

امام شاہ ولی اللہ کے بعد آپ کے صاحبزادہ اور جانشین شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ایک شخص جس نے پوچھا تھا کہ دارالاسلام دارالحرب بن سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت شاہ صاحبؒ اس کے جواب میں یہ بتانے کے بعد کہ کن کن چیزوں کے پیدا ہونے سے دارالاسلام دارالحرب بن جاتا ہے، خاص دہلی کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

دریں شہر حکم امام المسلمین ......الخ

(۱) اقتباس از تحریر اوریا مقبول جان۔ ایکسپریس۔ جمعرات یکم جنوری ۲۰۰۹ء

"امام المسلمین (بادشاہ اسلام) کا حکم اس شہر میں بالکل جاری نہیں ہے اور بڑے بڑے عیسائیوں (انگریزوں) کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور احکام کفر کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ملک داری، رعایا کا بندوبست، خراج اور باج کا وصول کرنا، کسٹم ڈیوٹی لینا، رہزنوں کو سزا دینا اور مقدمات کا فیصلہ کرنا اور جرموں کی سزا دینا، یہ تمام معاملات یہ لوگ خود ہی کرتے ہیں۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض احکام اسلام ایسے ہیں جن سے یہ تعرض نہیں کرتے مثلاً جمعہ، عیدین اور اذان و ذبح بقر وغیرہ، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب ان چیزوں کی جو اصل اور جڑ و بنیاد ہے، وہی ان کے نزدیک غیر وقیع ہے چنانچہ یہ لوگ بے تکلف مسجدوں کو گرادیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ہندو ان سے امن لیے بغیر دہلی یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آسکتا اور دوسرے بڑے بڑے سردار مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بھی ان عیسائیوں کے حکم اور اجازت کے بغیر اس علاقہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ عیسائیوں کا عمل دخل دہلی سے کلکتہ تک پھیلا ہوا ہے۔"(۱)

امیر المؤمنین سید احمد شہیدؒ کے دو تفصیلی مکاتیب کی عبارات کا حوالہ دیتے ہوئے آخر میں حضرت مدنیؒ بطور تجزیہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) آپ انگریزوں کو بیگانگان، بعید الوطن اور پردیسی سمجھتے تھے اور ان کے استیلاء و تغلب سے تنگ آکر ان سے لڑنے کا عزم رکھتے تھے۔

(۲) آپ ہندوستان کو اپنا ملک اور وطن سمجھتے تھے۔

(۳) جہاد سے آپ کا مقصد خود اپنی حکومت قائم کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ دین رب العالمین کی خدمت تھا۔

(۴) ہندوؤں سے اختلاف مذہب کی بنا پر آپ کو پرخاش تو کیا ہوتی، آپ کمپنی کے

(۱) نقش حیات ج ۲ ص ۴۱۲، ۴۱۳ مکتبہ رشیدیہ ساہیوال۔

ہاتھوں مظلومیت و پامالی میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں شریک جانتے تھے اور جہاد سے آپ کی غرض دونوں کو ہی اجنبی اقتدار کی مصیبت سے نجات دلانا تھا۔

(۵) کامیاب ہونے کے بعد ہندوستان میں ملکی حکومت کا نقشہ کیا ہوگا، اس کا فیصلہ آپ غالبین مناصب ریاست و سیاست پر چھوڑتے ہیں مگر ہندوؤں کو یہ اطمینان ضرور دلاتے ہیں کہ وہ سید صاحب کی کوششوں کو اپنی ریاست کی بنیاد کے مستحکم ہونے کا باعث سمجھیں اور پھر سید صاحب کا ہندو ریاستوں کو مدد اور شرکت جنگ کی دعوت دینا اور اپنے توپ خانہ کا افسر راجہ رام راجپوت کو مقرر کرنا خود اس کی دلیل ہے کہ آپ ہندوؤں کو اپنا محکوم نہیں بلکہ شریک حکومت بنانا چاہتے تھے۔"(۱)

مولوی صاحب نے ہچکچاتے ہوئے سپاہ صحابہ کا نام لے ہی لیا۔ سپاہ کی دعوت کا طریق کار اور شدت، بعض امور میں اکثر علماء سے ان کی انفرادیت محل بحث اور قابل توجہ ہے جس کے باعث ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ کسی طبقہ کو ہدف بنانے سے پہلے اپنے آپ کو دیکھ لینا چاہیے۔

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

ایسے لگتا ہے مولوی صاحب کو اپنا اور اپنے ہم جنس لوگوں کا تعارف نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی اس ریکارڈ شدہ تقریر کے اعتبار سے ہم ان فریقین کے مابین چند امور میں واضح فرق محسوس کرتے ہیں۔

ایک طرف:

۱۔ حضرات شیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر جرح و قدح۔

۲۔ جہاد کے حوالے سے اکابر علماء دیوبند کی تغلیط۔

(۱) ایضاً ص ۴۲۱، ۴۲۲

٣۔ قتال فی سبیل اللہ کا مذاق اڑانا۔

٤۔ دور نبویؐ اور خلفائے راشدین کے دور کو اپنے لیے مثال بنانے کی بجائے بنی اسرائیل کے عہد کو اپنے لیے مثال سمجھنا۔

٥۔ پیش آمدہ احکام و مسائل میں اپنے علاوہ دوسرے جید علماء پر اعتماد نہ کرنا اور عیسائی مشنریوں کی پیروی میں عورتوں کا تبلیغ کے عنوان سے مشرق و مغرب میں پھرانا اور ایسا کام ان کے سپرد کرنا جو ان کے فریضہ میں شامل نہیں۔

٦۔ جوڑ کے بہانے بدعتی اور غالیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے استاذ شیخ حدیث حضرت گنگوہیؒ کے فتاوی کو در خور اعتناء نہ سمجھنا۔

٧۔ ان پڑھ، بے علم لوگوں کی بھرتی سے ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لینا بیان میں من گھڑت اور غلط حکایات پیش کرنا۔

٨۔ علماء کی بجائے دنیا کی وضع رکھنے والے لوگوں کو اہمیت دینا۔

اور دوسری طرف:

١۔ تمام صحابہ کرامؓ کا جان بازی، سرفروشی اور بے باکی سے دفاع کرنا۔

٢۔ اپنے پانچ قائدین کے ہمراہ شہداء کی ایک طویل فہرست جن میں بیشتر ظالم ڈکٹیٹر حکمران اور فساق و فجار کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔

٣۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل الاصول قرار دینا۔

٤۔ ائمہ مجتہدین، اسلاف پر اعتماد اور مشائخ صوفیاء کی تعلیمات کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھنا۔

٥۔ جہاد فی سبیل اللہ، مجاہدین سے محبت اور اپنی استطاعت کے مطابق ان کی تائید و نصرت کرنا۔

٦۔ اکابر علماء دیوبند اور ان کے عقائد و نظریات کو اپنا نصب العین قرار دینا۔

٧۔ ائمہ مجتہدین پر طعن اور اسلاف امت پر تنقید کرنے والے تبرائی غالی سے اظہار بیزاری اور ان سے نفرت کرنا۔

مذکورہ بالا طریق کار کے ان خطوط پر قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں ان کے مابین کس قدر تفاوت و بعد ہے۔

؎ بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ایک آدمی کا کلمہ پڑھنا ہزاروں کافروں کو قتل کرنے سے بہتر ہے، اس کا جواب

قولہ: "ایک آدمی کا کلمہ پڑھنا ہزاروں کافروں کو قتل کرنے سے بہتر ہے۔"

الجواب: کیسے جناب ہزاروں کافروں سے؟ کافروں کو ویسے تو کوئی قتل نہیں کرتا، لیکن اگر ہزاروں حربی کافر کسی اسلامی شہر یا آبادی پر حملہ آور ہوں جن سے اسلامی شعائر، معابد، مساجد، مدارس، مسلمانوں کی ناموس اور جان و مال خطرے میں ہو، معاً یہ بھی امید ہو کہ ہماری تبلیغ سے کوئی ایک آدھ شخص مسلمان ہو جائے گا تو آپ کافروں سے جہاد و قتال فی سبیل اللہ پر اسے ترجیح دیں گے؟ ان ہزاروں حربی کافروں کی مضرت اور نقصان کے عوض میں کسی ایک شخص کا اسلام قبول کرنا، ان دونوں باتوں میں سے کس کو ترجیح ہے؟ کسی فقیہ عالم نے اس قسم کا فتوی دیا ہو تو چاہیے کہ ان کے فتوی کے حوالے سے اس بات کا برملا اظہار کریں اور کہیں کہ ہمارا مشن یہی ہے۔ ہزاروں حربی کافروں کے مقابلے میں جس کا نقصان یقینی ہے، ہم محض امید پر کسی آدمی کو اسلام کی دعوت دینا راجح خیال کرتے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔

ظاہر بات ہے ایسے نازک موقع پر بھی اسلام نے جنگ سے پہلے خود حربی کافروں

نام لے کر فرمایا کہ حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم و تعلم کے لیے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی تلافی کی جائے۔

آخر میں ارشاد ہوا کہ تعلیم و تعلم جن کا مقصد اور نصب العین ہے، میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں، لیکن خود اپنے لیے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے جس کے لیے دار العلوم کا نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا۔"

("دار العلوم میں بیتے ہوئے دن"، شائع شدہ ماہنامہ دار العلوم، شمارہ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ (الآیۃ)

باب نمبر ۴

معیار تبلیغ

☆ مولانا الیاس سے معاصر علما کا اختلاف ☆ کفر اور گمراہی کی نشاندہی ضروری ہے ☆ مولانا الیاس پر الہام اور اس کا جواب ☆ درس قرآن کی غیر اہمیت ☆ ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا یا ان کو دعوت دینا؟ ☆ تبلیغ میں جاہل بن کر وقت لگے، پھر تم ہیرا بن جاؤ گے، اس کا جواب ☆ مروجہ تبلیغ اور مزاج نبوت ☆ پاکستان کی مذہبی اور سیاسی تنظیمیں اور مروجہ تبلیغ

مروجہ تبلیغ کے بارے میں معاصر علماء کا

مولانا محمد الیاسؒ کے مؤقف سے اختلاف

قولہ: ''مولانا الیاسؒ کو الہامی طور پر یہ چیز دی گئی۔انسان اپنے ماحول سے متاثر ہو کر چلتا ہے''

الجواب: مولانا الیاسؒ سے اس وقت کے علماء نے اختلاف کیا۔حضرت تھانویؒ نے جب یہ سنا عام لوگ جو پڑھے لکھے نہیں ہیں وہ رسمی تبلیغ کر رہے ہیں آپؒ نے فرمایا ان سے مسائل پوچھو۔مسائل تو وہ جانتے ہی نہیں تھے۔راقم الحروف نے مولانا سعید احمد خانؒ سے سنا مولانا الیاسؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہو ہم عام لوگ ہیں،مسائل تو علماء بتاتے ہیں،ہم فضائل بتلائیں گے۔لیکن اب جماعت والے مسائل میں علماء پر اعتماد نہیں کرتے کہتے ہیں ہم نے رائے ونڈ والوں سے پوچھ لیا۔کہا بدعتی ہو،کٹڑ قسم کا غالی ہو،اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ہم جوڑ کے لیے ایسا کرتے ہیں حالانکہ مولانا الیاسؒ کے شیخ حضرت گنگوہیؒ کے فتاوی رشیدیہ میں ہے بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔(۱) فاسق کا امام بنانا حرام ہے اور اس کے پیچھے اگر کوئی نماز پڑھے تو بکراہت تحریم ادا ہو جاتی ہے اور اگر اس کا ثبوت کفر ہو جاوے تو ہرگز نماز نہیں ہوتی۔اول تو اس کے پیچھے نہ پڑھے اور اگر پڑھ ہی لے تو اعادہ کر لینا اچھا ہے۔(۲)

حضرت شیخ مولانا زکریاؒ آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''دوران سفر حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے ہاں حاضری:

جس میں چچا جان مولانا الیاسؒ،حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور راقم الحروف

(۱) فتاوی رشیدیہ طبع قدیم ج ۳ ص ۱۱۸۔ (۲) فتاوی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۷۔

بھی ان کے ساتھ تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر بہت خوشی خوشی ہم لوگ آگے آگے اور مولانا میرٹھی ہمارے پیچھے پیچھے تہ خانہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے تو چارپائیوں کا ارادہ کیا لیکن مولانا نے چچا جان سے خطاب فرما کر کہا کہ حضرت مولانا! آپ کی خدمت میں بہت دنوں سے کچھ عرض کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ میری وہاں حاضری نہ ہوئی اور آپ یہاں تشریف نہ لا سکے۔ اس وقت یہ دونوں حضرات بھی تشریف فرما ہیں۔ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ تھوڑی دیر تکلیف فرمائیں۔ نشست اس طرح تھی کہ میں اور حضرت رائے پوریؒ ایک جانب اور چچا جان و حضرت میرٹھی دوسری جانب۔ حضرت میرٹھی نے عرض کیا کہ تبلیغ تو سر آنکھوں پر۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس کے ضروری ہونے میں بھی اور مفید ہونے میں بھی، مگر جتنا غلو آپ نے اختیار کر لیا، یہ اکابر کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ آپ کا اوڑھنا، بچھونا سب تبلیغ ہی بن گیا۔ آپ کے یہاں نہ مدارس کی اہمیت، نہ خانقاہوں کی۔ چچا جان کو بھی غصہ آ گیا۔ فرمایا کہ جب ضروری آپ بھی سمجھتے ہیں تو آپ خود کیوں نہیں کرتے اور جب کوئی کرتا نہیں تو مجھے سب کے حصے میں فرض کفایہ ادا کرنا ہے۔ غرض دونوں بزرگوں میں خوب تیز کلامی ہوگئی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کو کچھ ایسا رنج و قلق ہوا کہ کانپنے سے لگے۔ میں نے چپکے سے حضرت رائے پوری کے کہنی مار کر (وہ دونوں اپنی تقریر میں تھے، انہوں نے سنا بھی نہیں) کہا کہ "میرٹھ اتریں گے، میرٹھ اتریں گے۔" دو دو تین تین سانس کے فصل سے یہ جملہ تین مرتبہ کہا۔ میں بھی چار پانچ منٹ خاموش بیٹھا رہا۔ اور جب میں نے دیکھا کہ دونوں اکابر کا جوش ڈھیلا پڑ گیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ میں بھی عرض کردوں۔ تینوں حضرات نے متفق اللسان ہو کر فرمایا کہ ضرور ضرور۔ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ اتنی دیر سے چپ بیٹھے، پہلے ہی سے بولتے۔ میں نے کہا کہ بڑوں کی باتوں میں سب کا چھوٹا کیا

بولتا۔ میں نے حضرت میرٹھی کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ میں سب اشکالات میں آپ کے ساتھ ہی ہوں۔ اس لفظ پر چچا جان کو غصہ آیا، مگر کچھ بولے نہیں۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ کام کوئی دین کا ہو یا دنیا کا ہو تو چنداں مطلب بغیر نہیں ہوا کرتا۔ کام تو جو ہوتا ہے، یکسوئی سے اس کے پیچھے پڑ جانے سے ہوتا ہے۔ حضرت رائے پوریؒ نے میری تائید کی کہ سچ فرمایا۔"(۱)

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے بڑے علماء نے ان سے ان کے طور طریقہ میں بروقت اختلاف کیا بقول حضرت شیخؒ کے ان کو بھی اس طرح کے اشکالات تھے، لیکن وہ اپنے چچا کو اس حال میں مغلوب الحال باور کرتے تھے لیکن بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا مولانا کے متعلق ان حضرات کا اندیشہ صحیح تھا۔ چنانچہ آج بھی جب ہم موجودہ تبلیغیوں کے احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے ہاں مدارس، علماء، ان کی تعلیمات اور ان کے دینی احساسات، فرق باطلہ کا رد، ملاحدہ اور زنادیق طبقات کا بروقت مقابلہ اور ہمہ قسم کی باطل قوتوں کے خلاف طاقت کو بروئے کار لانا، اہل اقتدار کا سیاسی مقابلہ اور اسمبلی میں پہنچ کر حق کی آواز بلند کرنا، اس قسم کے چیلنج کا ان کے ہاں کوئی وزن نہیں اور نہ یہ لوگ اپنی مجالس میں ان کے لیے دست بدعا ہوتے ہیں نہ ان کی کامیابی کے لیے دعا کرنے کے مجاز ہیں۔ صرف اپنے خول میں رہتے ہیں۔ اپنے اس کام کو سارے کا سارا دین سمجھتے ہیں اور بس۔ حالانکہ اگر ہمارے اکابر فرق باطلہ مرزائی، پرویزی، نیچری، بدعتی، رافضی، تبرائی اور بد مذہب گروہ کا مقابلہ نہ کرتے، مرزا قادیانی اس کی جھوٹی امت کے دجل و فریب کا طاغوت نہ توڑتے تو یہ لوگ بے دینی کی اس آندھی اور طوفان کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے۔

اس سلسلہ میں ہمارے دور میں اہل سنت و جماعت کے ترجمان اور معتدل مزاج

(۱) آپ بیتی حصہ سوم، ص ۱۲۰، مکتبہ رشیدیہ ساہیوال۔

جید عالم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرمایا ہے سوال و جواب کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

''س ۱: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین کی تعلیم دی تھی وہ مسجد نبویؐ کے ماحول میں یعنی مسجد کے اندر دی۔ اس تعلیم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی الگ مدرسہ جیسی صورت اختیار نہیں کی یا کوئی الگ جگہ اس کے لیے مقرر نہیں کی۔ تو پھر کیوں آج ہمارے دینی اداروں میں مسجد تو بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ مگر مدارس کی عمارتیں بہت بڑی بڑی بنادی جاتی ہیں اگر یہ چیز بہتر ہوتی تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام اس چیز کو سب سے پہلے سوچتے، حالانکہ مسجد کا ماحول بہت بہتر ماحول ہے۔ وہاں انسان لایعنی سے بھی بچ سکتا ہے۔

س ۲: آپؐ نے اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی بنیادی، وہ ایمانیات اور اخلاقیات کی دی۔ ان کو ایمان سکھایا لیکن ہمارے دینی مدرسوں میں جو بنیادی تعلیم دی جاتی ہے، وہ بالکل اس چیز سے ہٹ کر لگتی ہے اور برائے مہربانی میں اپنی معلومات میں اضافے کے لیے اس بات کی وضاحت طلب کرنا چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصحاب صفہ کو تعلیم دی، وہ کیا تھی؟

س ۳: ہمارے مدرسوں سے جو عالم حضرات فارغ ہو کر نکلتے ہیں، ان کے اندر وہ کڑھن اور فکر دین کے مٹنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے چھوٹنے کی نہیں ہوتی جو فکر اور کڑھن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا حضرات صحابہؓ کی تھی اور وہ لوگوں سے اس عاجزی اور انکساری سے بات نہیں کرتے جس طرح ہمارے اکابر اور آپ یا اور جو دوسرے بزرگ موجود ہیں، بات کرتے ہیں۔

س ۴: معذرت کے ساتھ اگر اس خط میں ناچیز سے کوئی غلط بات لکھی گئی ہو تو اس پر مجھے معاف فرمائیں۔

ج ۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے شیخؒ کے ''فضائل اعمال'' نامی کتاب کی بھی تعلیم نہیں دی، پھر تو یہ بھی بدعت ہوئی۔ کیا آپ نے اکابر تبلیغ سے بھی کبھی شکایت کی؟

ج ۲: آپ کو کس جاہل نے بتایا کہ ہمارے دینی مدرسوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والی تعلیم نہیں؟ کیا آپ نے کبھی مدرسہ کی تعلیم کو دیکھا اور سمجھا بھی ہے؟ یا یونہی سن کر ہانک دیا؟ اور رائے ونڈ میں جو مدرسہ ہے، اس کی تعلیم دوسرے مدرسوں سے اور دوسرے مدرسوں کی رائے ونڈ سے مختلف ہے؟

ج ۳: یہ بھی آپ کو کس جاہل نے کہہ دیا کہ مدارس میں سے نکلنے والے علماء میں ''کڑھن'' اور دین کے لیے مر مٹنے کی فکر نہیں ہوتی۔ غالباً آپ نے یہ سمجھا ہے کہ دین کی کڑھن بس اسی کا نام ہے جو تبلیغ والوں میں پائی جاتی ہے۔

ج ۴: آپ نے لکھا ہے کہ کوئی غلط بات لکھی ہو تو معاف کردوں۔ میں نہیں سمجھا کہ آپ نے صحیح کون سی بات لکھی ہے؟

لوگ مجھ سے شکایت کرتے رہتے ہیں کہ تبلیغ والے علماء کے خلاف ذہن بناتے ہیں اور میں ہمیشہ تبلیغ والوں کا دفاع کرتا رہتا ہوں، لیکن آپ کے خط سے مجھے اندازہ ہوا کہ لوگ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں کہتے۔ آپ جیسے عقل مند جنہیں دین کا فہم نصیب نہیں، ان کا ذہن واقعی علماء کے خلاف بن رہا ہے۔ یہ جاہل صرف تبلیغ میں نکلنے کو دین کا کام اور دین کی فکر سمجھے بیٹھے ہیں اور ان کے خیال میں دین کے باقی سب شعبے بیکار ہیں۔ یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے کہ دین کے تمام شعبوں کو لغو سمجھا جائے اور دینی مدارس کے وجود کو فضول قرار دیا جائے۔ میں اپنی اس رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ تبلیغ میں نکل کر جن لوگوں کا یہ ذہن بنتا ہو، وہ گمراہ ہیں اور ان کے لیے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے۔

میں اس خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مرکز (رائے ونڈ) کو بھجوا رہا ہوں تا کہ ان اکابر کو بھی اندازہ ہو کہ آپ جیسے عقلمند تبلیغ سے کیا حاصل کر رہے ہیں۔ (۱)

ان لوگوں کی نظر میں علماء اسلام اور مدارس عربیہ کی وقعت کم ہو جاتی ہے

شارح بخاری حضرت مولانا سیّد احمد رضا بجنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"تبلیغی جماعت میں کام کرنے والوں کے دلوں میں علماءِ اسلام اور مدارس عربیہ کی وقعت کم ہو جاتی ہے حالانکہ علماء اور مدارس عربیہ دین کے مستحکم قلعے ہیں۔ ان سے بیزار ہو کر، یا ان سے بدظن ہو کر، یا ان سے بے نیاز ہو کر جو دین کا کام ہوگا اس کے اثرات پائیدار و مستحکم نہ ہوں گے اور مجموعی حیثیت سے دین و علم کو اس سے ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔" (۲)

یہ لوگ آیات جہاد فی سبیل اللہ کو مروجہ تبلیغی سرگرمیوں پر منطبق کرتے ہیں

یہ لوگ جب اپنے مروجہ تبلیغی سفر پر نکلتے ہیں یہ آیت پڑھتے ہیں:

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (۳)

"نکلو ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔"

گویا یہ بدر، احد، غزوۂ تبوک کے مجاہد اور غازی جا رہے ہیں قرآنی آیات احادیث کی صریح نصوص جو قتال فی سبیل اللہ میں نازل ہوئی ہیں ان کو اپنی مروجہ تبلیغ پر فٹ

(۱) "آپ کے مسائل اور ان کا حل" ج ۱۰، ص ۲۱-۱۲۲ از مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

(۲) انوار الباری شرح صحیح بخاری ص ۱۱۷ ج ۳ (۳) التوبہ آیت نمبر ۴۱

کرتے ہیں کہتے ہیں فلاں صحابی فلاں ملک میں دعوت و تبلیغ کے لیے گئے انہیں شہید کر دیا گیا۔ مروجہ تبلیغ کا درجہ اور ثواب جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہتے ہیں قتال میں جانیں ضائع ہوتی ہیں تبلیغ کا انداز مثبت ہے اس میں جانیں تلف نہیں ہوتیں۔

یہ لوگ جہاد کی طرح تبلیغ پر ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ گنا سمجھتے ہیں

مولانا سیّد احمد رضا بجنوریؒ نے لکھا ہے: جہاد کی جو عظیم الشان عظمت و کرامت شریعت کی نظر میں ہے، یہاں تک کہ جہاد میں نکلنے پر ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ گنا تک وارد ہے وہ اس لیے ہے کہ جہاد کہتے ہیں کلمۃ اللہ کو بلند اور کلمۂ کفر و شرک کے سرنگوں کرنے کو، نفس و نفیس کو خیرباد کہہ کر ہمیشہ کے لیے گھر سے نکل جانے کو۔ تب اس کا ثواب اتنا بڑا ہے کہ دوسری کسی عبادت کا ثواب اس قدر نہیں۔ مثلاً جہاد کے وقت ایک روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے کے برابر ہے۔ اس زمانے میں عام طور سے ہماری تبلیغی جماعت کے افراد علماء و عوام کے ذہن میں یہ بات آ گئی ہے کہ تبلیغ کے لیے نکلنے پر بھی ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ کے حساب سے ملے گا، کیونکہ وہ بھی مثل جہاد کے ہے۔ اوّل تو کسی کو شارع علیہ السلام کا منصب اختیار کر کے یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں عمل چونکہ فلاں عمل سے مشابہ ہے، اس لیے ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔ پھر جب کہ قرآن و حدیث کے مجموعی مطالعہ سے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال کا فرق زمین و آسمان کا معلوم ہوتا ہے۔ ذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ۔ جہاد دین کے سب اعمال میں سے چوٹی کا عمل ہے۔ جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے دوسرے اعمال کی ادائیگی کی شان نہایت گری ہوئی ہے۔ (۱)

(۱) ملخصاً حاشیہ انوار الباری ص ۱۱۷-۱۱۶ ج ۳

حضرت استاذ مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"مذہبی تنظیموں اور افراد کا حال اس سے بھی زیادہ خراب تھا۔ یہ انقلابی روح سے بالکل محروم تھے۔ رجعت پسندی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی اور یہ لاعلاج بیماری کا شکار تھے۔ مولانا [عبیداللہ سندھیؒ] سرتاپا قرآن کریم کے انقلابی پروگرام اور اس کی وہ تشریحات جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ اور حکمت سے ثابت ہے، اس کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ مولانا کو کوئی چیز بھی مطمئن نہیں کر سکتی تھی۔

تبلیغی جماعت والے بڑا ادعا کرتے ہیں کہ ان کا کام سب سے فائق اور پیغمبروں کا اصلی کام ہے۔ دعوت وتبلیغ بلاشبہ اسلام کا ایک رکن اور اصول ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام مخلصین پیروکاران انبیاء یہ کام کرتے رہے ہیں، لیکن تمام دین کا انحصار صرف تبلیغ میں ماننا اور باقی شعبوں کو بالکل نظرانداز کر دینا اور یہ سمجھنا کہ یہ باقی تو دین کے کام ہی نہیں، دین کا کام تو بس یہی ہے جو ہم کرتے ہیں۔ چھ نکات کی تبلیغ، گشت کا عمل، چلہ، چار ماہ، سہ روزہ، جمعرات کا اجتماع، شش ماہی جوڑ، سالانہ ایک بڑا عظیم اجتماع، جماعتوں کی ملک بہ ملک، شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ روانگی، بس یہی دین ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم وتدریس، مساجد کی امامت وخطابت، تصنیف وتالیف، مدارس دینیہ اور تعلیم گاہوں کا قیام واجرا، سیاست ملیہ میں حصہ لینا یا اس کے لیے تنظیم کرنا یا باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا، تقریر وتحریر سے ان کا جواب دینا یا بالفعل دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنا، یہ تمام امور ان کے نزدیک نصاب سے خارج ہیں۔ گزشتہ برسوں میں کابل وافغانستان میں تقریباً بیس لاکھ مسلمان موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ ان کی حمایت میں عام گنہگار مسلمان اور دینی مدارس کے طلبہ ہزاروں کی تعداد میں شریک ہو کر روس اور روس نواز حکومت کے مقابلہ میں جان کی بازی لگا گئے، لیکن تبلیغی جماعت والوں کو اس علاقہ کے قریب ایک اجتماع کرنے کی توفیق بھی نصیب

نہ ہوئی تاکہ ان مظلوم مسلمانوں کی تائید وتقویت ہی ہوتی یا ان کے لیے کوئی مالی امداد فراہم کی جاتی۔

عام حالات میں اس جماعت کا شیوہ یہ ہے کہ اس کے بہت سے افراد دینی مدارس کی مذمت کرتے ہیں، بلکہ بعض تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ ان دینی مدارس کو چندہ دینا بھی حرام ہے جب تک کہ کوئی اس جماعت میں حصہ نہ لے۔ اور مخفی طور پر علماء کی مذمت وتوہین کرتے رہتے ہیں اور ان کی کارگزاری کی تحقیر ومخالفت عمومی پروگرام رہتا ہے۔ قرآن کریم کے درس کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا درس سن کر کوئی آدمی نیک وصالح نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اصلاح تو گشت کرنے سے اور جماعت کے ساتھ جانے سے ہوتی ہے۔ ایک بڑی مسجد اور دینی ادارے کے بارے میں ایک بہت بڑے معیاری قسم کے مثالی تبلیغی جماعت کے رکن نے ایک دفعہ یہ کہا کہ یہاں سب کام ہو رہے ہیں، لیکن دین کا کام نہیں ہو رہا۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ نے صرف تبلیغ کا نام ہی سنا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو کسی چیز کا علم نہیں، ورنہ ایسی بات نہ کہتے۔ کم وبیش پچیس ہزار آدمیوں کو اس ماحول میں دینی تعلیم سے آراستہ کیا گیا ہے اور کم وبیش ایک لاکھ انسانوں سے زیادہ کی دینی اصلاح ہوئی ہے۔ ان کے عقائد درست ہوئے ہیں اور وہ کفر، شرک اور بدعات کو چھوڑ کر امور خیر کی طرف راغب ہوئے ہیں۔ کیا یہ دین کا کام نہیں ہے؟

بڑے بڑے مال دار اور جاگیردار اور سرمایہ دار لوگ جماعت میں شریک ہو کر اپنا تفوق جتلاتے رہتے ہیں جس کے پردے میں ان کی بری کارگزاری اور مظالم پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ دینی مدارس کے فارغین علماء کرام کو بھاڑے کے ٹٹو خیال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں کو ساتھ لے جا کر ان کا تعارف طلبا، علما اور کمزور دیندار طبقہ کے لوگوں کے سامنے اس طرح کراتے ہیں کہ یہ صاحب کارخانہ دار ہیں، یہ

بڑے صنعت کار ہیں، یہ بڑے ڈاکٹر ہیں، یہ فوجی کرنل ہیں، یہ انجینئر ہیں، فلاں اور فلاں ہیں، یہ کسی مسجد کے امام نہیں یا کوئی مولوی نہیں، یہ کوئی مسجد کے موذن یا خادم نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ غریب علما کی تحقیر وتوہین ایک خاص طریقہ سے لوگوں کے دلوں میں بٹھاتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ طریق قرآن کریم کی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔ **اما من استغنی فانت له تصدی!**

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو فی الجملہ تبلیغ اسلام کا ایک ضروری رکن ہے اور فرض کفایہ ہے، لیکن غلو اور افراط تو کسی طرح روا نہیں۔ اگر ماں باپ یا بیوی بچوں کی پرورش اور حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو ایسی حالت میں تبلیغ کو ترک کیا جاسکتا ہے، کیونکہ متعلقین کی خدمت اس حالت میں فرض عین ہوتی ہے۔ اس کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگ جانا قطعاً روا نہیں۔ بہت سے تبلیغ والے ایسی بے تدبیری کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مر جائے تو تب بھی یہ کام ہوتے رہتے ہیں، حالانکہ موت وحیات کے احکام مختلف ہیں۔ ان کو خلط ملط کرنا درست نہیں۔ بدوضعی اور بے تدبیری کی بات ہے۔

بہرحال تبلیغی جماعت کے اندر اچھے اچھے خدا پرست انسان بھی موجود ہیں۔ خود بانیان جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کا اخلاص وللّٰہیت اور حدود شرع کی پابندی شک وشبہ سے بالا ہے، لیکن جماعت کی عمومی فضا رجعت پسندوں، سرمایہ داروں، کم علموں اور علم دشمنوں سے بھری ہوئی ہے جو اسلام کی انقلابی ذہنیت اور قرآن کے انقلابی پروگرام سے بالکل عاری ہے۔ ستر سال سے تبلیغی جماعتیں چل رہی ہیں۔ کہیں کسی ملک یا علاقہ پر توجہ مرتکز کر کے کوئی تبلیغی اسٹیٹ ہی بنا ڈالتے تو وہ نمونہ کا کام دیتی اور ان کو کام کرنے کا سلیقہ بھی آتا۔ اس جماعت پر اکثر وبیشتر سرمایہ دار حضرات کا تسلط رہتا ہے جو معاملات میں

بالکل ناقص اور بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ منافع خور سمگلر ذہنیت رکھتے ہیں اور بعض اوقات حلال وحرام کا امتیاز بھی نہیں کرتے۔ غریب پروری اور مسکین نوازی سے عاری ہوتے ہیں اور اکثر غالی فاسد الاعتقاد معاند اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھتے رہتے ہیں جبکہ مولانا الیاسؒ کے پیر ومرشد حضرت گنگوہیؒ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی کا فتویٰ دیتے ہیں اور نیز بہت سے تبلیغ والے تمام زندگی سنت وبدعت میں امتیاز نہیں کرسکتے۔ بدعت کی باطل رسومات ادا کرتے رہتے ہیں اور اسی پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ لیکن بایں ہمہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جماعت میں جانے سے اور سفر کرنے سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ جب بھی جماعت میں جائے، دوسروں کی اصلاح سے زیادہ اپنی اصلاح کا خیال مقدم رکھے۔ اس لیے ہم اس جماعت کی فی الجملہ تائید وتصویب کرتے ہیں اور عوام کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع بھی کرتے رہتے ہیں، لیکن ان میں بہت سے لوگوں کی رجعت پسندی، غلو اور افراط کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت وسمجھ عطا فرمائے۔"(۱)

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بارے میں مولوی صاحب کا غلو

قولہ: "ہمارے ہاں افراط وتفریط ہے۔ تفریط والے جو ہیں تھوڑا سا بھی کوئی تکلف کردے تو کہتے ہیں اسراف کیا ہے۔ افراط والے ہیں وہ ناچ گانے سے رکتے ہی نہیں ہیں تو اس کے سارے نمونے حدیث میں موجود ہیں۔"

الجواب: ایسے ہی افراط وتفریط کے بارہ میں اکابر علماء نے بالخصوص اس بات کی نشاندہی کی ہے اکثر عوام اور خواص اپنے اساتذہ، مشائخ کے حق میں غلو کا شکار ہوتے ہیں یہ بہت بڑا ابتلاء ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے کہا ہے حضرت مولانا

---

(۱) مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم وافکار، ص ۱۹۸ تا ۲۰۲

محمد الیاسؒ جیسا شخص ایک ہزار سال پہلے پیدا نہیں ہوا۔ آپ کے حدیث کے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنہوں نے بڑھاپے کے باعث حدیث پڑھانا موقوف کر دیا تھا، لیکن حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کی سفارش پر پھر سے حدیث کا درس شروع کیا جس میں مولانا موصوف کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہوئے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسارت مالٹا کی واپسی پر بروایت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ میرے چچا نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی، نیز بروایت مولانا سعید احمد خان کسی کے سوال پر مولانا الیاسؒ نے کہا ہم نے سیاست میں حضرت مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ وہ جس طرح ہمیں حکم دیں گے، ہم آپ کے حکم میں کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ لیکن مولوی صاحب ہیں انہوں نے دیگر اسلاف امت بمع آپ کے اساتذہ اور مشائخ کو منہا کر دیا۔

دعوت و تبلیغ میں کافروں کے کفر اور گمراہوں کی گمراہی کی نشاندہی ضروری ہے تا کہ ان کو تنبیہ ہو، یہ مزاج نبوت ہے، اسی میں ہدایت مضمر ہے

قولہ: ''جو گمراہ ہو گئے ہیں ان کی نفرت کی بجائے ہمدردی میں رہو۔ یہ نبوت کا جذبہ ہے۔ جو جس لائن سے بھی گمراہ ہے، عمل کی لائن سے، عقائد کی لائن سے تو ہماری تو ان کے لیے ہمدردی ہے کہ اللہ ان کو ہدایت دے دے، ان کا رخ صحیح کر دے، لیکن کسی گمراہ کو یہ ثابت کرنا کہ تو گمراہ ہے، یہ راستہ اس کو اسلام میں لانے کا ہے ہی نہیں۔ اسے پیار محبت سے صراط مستقیم پر لانے کی سوچنی چاہیے۔''

الجواب: یہ فلسفہ امام غزالیؒ اور رازیؒ کو بھی نہیں سوجھا گمراہ کو گمراہ اور جاہل کو جاہل نہ کہو۔ اگر یہ جذبہ نبوت ہے تو صدہا قرآنی آیات جن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم

السلام نے مشرکین، کفار اور منافقین کو گمراہ، جاہل اور کافر کہا ہے، ان کی تکذیب لازم آتی ہے بلکہ نبوت کا جذبہ یہ ہے گمراہ طبقہ کی خیر خواہی کے پیش نظر ان کے عیوب کی نشاندہی کی جائے، ان کو تنبیہ ہو تا کہ وہ ان کوتاہیوں سے باز آ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔

قال اللہ تعالیٰ: یَا أَیُّهَا الَّذِینَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۱)

''اے منکر ہونے والو! مت بہانے بتلاؤ۔ آج کے دن وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے۔''

قُلْ یَا أَیُّهَا الْكَافِرُونَ ۔ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۔ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (۲)

''تو کہہ اے منکرو! میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں۔''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِینَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِیحُ ابْنُ مَرْیَمَ (۳)

''بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِینَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (۴)

''بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں تیسرا ہے''

قُلْ یَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَیْءٍ حَتَّىٰ تُقِیمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِیلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَیْكُم مِّن رَّبِّكُمْ (۵)

''کہہ دے اے کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں (یعنی تم میں ایک رتی بھر بھی دین نہیں) جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اترا تمہارے رب کی طرف سے۔''

---

(۱) سورۃ تحریم آیت نمبر ۷۔ (۲) سورۃ الکفرون آیت ۱ تا ۳۔ (۳) سورۃ مائدہ آیت نمبر ۷۲۔

(۴) سورۃ مائدہ آیت نمبر ۷۳ (۵) المائدہ آیت نمبر ۶۸

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (۱)

"اور اے میری قوم! میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مال۔ میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو۔ ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔"

البتہ دعوت، بیان اور خطاب میں لہجہ نرم ہونا چاہیے، حکمت، پند ونصیحت کا پہلو مدنظر ہو بحث ومباحثہ کی نوبت آئے تو بڑے حوصلہ اور احسن طریقہ سے جواب دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے فرمایا:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (۲)

"جاؤ طرف فرعون کے۔ اس نے بہت سر اٹھایا۔ سو کہو اس سے بات نرم، شاید وہ سوچے یا ڈرے۔"

و قال اللہ تعالی : اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ (۳)

"بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔"

و قال اللہ تعالی : اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (۴)

---

(۱) سورۃ ہود آیت ۲۹ (۲) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۳،۴۴
(۳) سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۵ (۴) سورۃ حم سجدہ پارہ نمبر ۲۴۔ آیت نمبر ۳۵

"جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو۔ پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی، گویا دوست دار ہے قرابت والا۔ اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو تحمل رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جو بڑی قسمت والا ہے۔"

عن ابی موسی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث احدا من اصحابه فی بعض امره قال بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا (۱)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے کسی کو کسی اہم کام کے لیے بھیجتے (یعنی امیر، عامل، قاضی وغیرہ بناتے) اسے ارشاد فرماتے لوگوں کو خوشخبری سناؤ نفرت نہ دلاؤ ان سے آسانی کا معاملہ کرو ان پر تنگی نہ ڈالو۔"

جماعت میں تبلیغی نصاب کے مقابلہ میں درس قرآن کی غیر اہمیت

قولہ: "عبد الوہاب صاحب اللہ کے بڑے مقرب بندے ہیں۔ شاید ہی اس بندے کا وزن کوئی اور اٹھا سکے تو ان کو ایک درد وغم ہے کہ کسی طرح لوگ اس کام پر آجائیں۔"

الجواب: پاکستان میں تبلیغی مراکز میں دروس قرآن کا سلسلہ عرصہ سے نہیں ہو رہا۔ کہیں بھی بڑے بڑے اجتماع میں دروس قرآن کا اہتمام نہیں کیا جاتا جبکہ قرون ماضیہ میں ہمارے اکابر ومشائخ علماء کا جہاں اجتماع ہوتا سب سے محترم اور بزرگ عمر رسیدہ شیخ حاضرین علماء اور عوام کو درس قرآن دیتا۔ تلاوت، ترجمہ وتفسیر سناتا۔ قرآن اور درس قرآن ہی تبلیغ کا سرچشمہ اور پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا

---

(۱) مشکوۃ ص ۳۲۳

بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔(۱)

"اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام۔"

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہے۔ جب کسی کو ما انزل الیك من ربك کا علم نہیں ہوگا وہ شخص اس کی کیا تبلیغ کرے گا اکثر بلکہ عامۃ الناس رائے ونڈ سے بغیر علم، بغیر تربیت، بغیر ادب وآداب کے تبلیغ کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے ہاں علماء اور علم کی قدر و اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ علما سے از خود بطور امتحان پوچھتے ہیں آپ نے کتنا وقت لگایا ہے۔ ایسی موضوعات، من گھڑت حکایتیں، قصے بیان کرتے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا ضعیف بلکہ موضوع احادیث تک بیان کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔ ان کی بڑی سند یہ ہے ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے۔

؎ ہر کہ خود گم است کرا رہبری کند

دروس قرآن کے سلسلہ میں حاجی صاحب کا حضرت لاہوریؒ پر طعن اور اس کا جواب

ہم سنا کرتے تھے حاجی عبدالوہاب صاحب شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ حضرت شیخ لاہوریؒ کا شب و روز محبوب ترین شغل درس قرآن اور ذکر الٰہی تھا۔ فرمایا کرتے تھے مجھے میرے شیخ، مربی اور استاذ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے پچیس سالہ جلاوطنی میں قدم رکھتے ہی الوداعی ملاقات میں بطورِ وصیت فرمایا: احمد علی! قرآن کو اپنی زندگی کا پروگرام بنا لو اس وقت سے میں نے قرآن کو اپنے سینے

(۱) سورۃ المائدہ آیت ۶۷

سے لگا رکھا ہے۔

۱۹۵۷ء بمطابق ۱۳۷۷ھ راقم الحروف کا نصرۃ العلوم میں دورہ حدیث کا سال تھا۔ اسکندر مرزا (صدر پاکستان) نے اپنے ایک بیان میں کہا مولویوں نے اسلام کو کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔ اس پر خطبہ جمعہ میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا: سکندر مرزا! خدا سے ڈرو۔ پینتالیس سال سے میں پنجاب کے ام القریٰ (لاہور شیرانوالہ گیٹ) میں کتاب اللہ کا درس دے رہا ہوں۔

ہم نے پچھلے صفحات میں تحریر کیا ہے حاجی صاحب کو جب پتہ چلا حضرت لاہوریؒ کے پوتے مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کی بجائے جامعہ خیر المدارس میں دورہ حدیث پڑھنا چاہتے ہیں دوران گفتگو یہ بھی کہا" آپ کے دادا بہت اچھے تھے، لیکن ان کی ایک بڑی غلطی تھی عامۃ الناس کو قرآن کا درس دیا کرتے تھے۔" اتنے بڑے شخص کا بوجھ کون اٹھا سکتا ہے؟ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ وہ اپنا بوجھ خود اٹھالیں تو بڑی بات ہے۔

حاجی عبدالوہاب صاحب نے دوران گفتگو یہ بھی کہا حضرت لاہوریؒ کی آخر عمر میں عین اس وقت جب حضرت جمعہ کے لیے مسجد تشریف لائے، ہم حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کیا ایک ترکی عرب عالم مہمان تشریف لائے ہیں، اگر اجازت ہو تو یہ خطاب کریں۔ آپ نے فرمایا، دور دراز سے لوگ میرا بیان سننے کے لیے آتے ہیں۔ اگر میں بیان نہ کروں تو یہ ان کے ساتھ خیانت ہوگی۔ بڑی امید لے کر گئے، لیکن حضرت نے موقع نہ دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

انبیاء ورسل کے علاوہ اللہ تعالیٰ کسی کو بلا واسطہ اپنا پیغام نہیں بھیجتے، مولانا الیاسؒ کے بارہ میں ایسی بات افتراء ہے

قولہ: "مولانا الیاس پر اللہ تعالیٰ نے جو پیغام فرمایا، پچھلی کئی صدیوں میں کسی پر

نہیں ہوا۔ پچھلے ہزار سال بھی میں کہوں تو یہ مبالغہ نہیں ہے۔ اہل خیر کی داستانیں پڑھی ہیں، تحریکوں کا اپنی وسعت کے مطابق مطالعہ کیا ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ۔ بس تین صدی ہٹادو، اس کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں گزری جس نے براعظم پر اثر ڈالا ہو۔ کوئی ایک بھی نہیں۔ یکساں تمام طبقات پر، ہر ہر قوم، نسل، رنگ، علاقے، حتیٰ کہ پردہ دار عورتیں، گونگے، معذور۔''

الجواب: اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر الہام فرماتا ہے لیکن اپنا پیغام اپنے نبیوں اور رسولوں کو دیتا ہے جسے رسالت کہتے ہیں۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں سے یوں مخاطب ہوئے:

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي (۱)

''تم تک اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں۔''

کتنا غلو ہے ایک امتی کے بارے میں کہا جائے اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا پیغام فرمایا۔ اس طرح کی خرافات مولانا محمد الیاسؒ کے بارہ میں پہلے بھی کہی گئی ہیں کہا گیا ہے یہ الہامی نبی تھے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: یہاں پر ایک تبلیغی صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دراصل الہامی نبی تھے۔ انبیاء پر وحی آتی تھی، لیکن مولانا ایسے نبی تھے جن کو ہر آنے والے واقعے کا الہام ہوتا تھا۔ گویا الہامی نبی تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً: حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو نبی کہنا درست نہیں، نہ الہامی نہ کسی اور قسم کا نبی۔ ایسے عنوانات سے بہت غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اس لیے کلی احتراز واجب ہے۔ اس پر بھی کوئی دلیل شرعی قائم نہیں کہ حضرت مولانا مرحوم کو ہر آنے

(۱) سورۃ الاعراف، آیت ۶۲

والے واقعے کا الہام ہوتا تھا۔ اگر حضرت مولانا مرحوم حیات ہوتے تو ہرگز ہرگز ایسی ایسی باتوں کی اجازت نہ دیتے، بلکہ سختی سے روک دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند ۸۵/۱۰/۳۰ھ

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند (۱)

میں کہتا ہوں غلو کس چیز کا نام ہے الحاد، زندقہ اور کفر کون سی بلا ہے؟

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

جماعت میں شامل فاسق، فاجر، حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے والوں کی وکالت کی جائے دوسری طرف علماء امت، صلحاء، مشائخ، مجاہد اور اہل حق قابل گردن زدنی قرار دیے جائیں۔ فیا للعجب ولضیعۃ الادب۔ منصب الوہیت اور رسالت کے صیغہ میں اپنے بڑوں کو شریک کار سمجھنا یہود ونصاریٰ کا غلو تھا جنہیں قرآن نے یوں خطاب کیا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (۲)

''اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق تجاوز نہ کرو اور اپنے ان پیشروؤں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو راہ راست سے بھٹک گئے اور دوسروں کو سیدھی راہ سے بے راہ کیا۔''

کسی کو ظلی، بروزی نبی کہنے سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اگر کوئی شخص اپنے استاذ، پیر ومرشد کے بارہ میں اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہو وہ الہامی نبی ہیں یا ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آتا ہے، کیا اس کو قابل ستائش سمجھا جائے گا؟ الامان و

(۱) فتاوی محمودیہ ج ۴، ص ۲۹۰، ۲۹۱ (۲) سورۃ المائدہ، ۷۷

الحفیظ۔ چند صدیاں اور ہزار سال تو بڑی بات ہے، اگر مولانا الیاس صاحب کو ان کے اساتذہ، مشائخ، اکابر، مربی حضرات کی صف میں دیکھا جائے ان کے سامنے وہ ایک متعلم، متادب اور چراغ شب تاب نظر آتے ہیں۔ مثلاً قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، محدث جلیل، حضرت شیخ مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ، استاذ الحدیث حضرت شیخ مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ وامثالہم۔ وہ کون سا کرۂ ارضی اور خطۂ زمین ہے جو ان حضرات کے علوم وفیوض سے محروم رہا ہو؟ ان کے آفتاب عالم تاب کی شعاعیں اور کرنیں وہاں تک نہ پہنچی ہوں؟ قرآنی تعلیمات، احادیث اور سنن نبویہ کا احیاء، دعوت وتربیت کی ذمہ داری، عالم اسلام میں جہادی سرگرمیوں کے جذبہ کا اجراء، زندیق اور ملحدین کا علمی اور عملی رد، عالمی طور پر طاغوتی طاقتوں کا سامنا، سیاسیات میں ابن الوقت اور ڈکٹیٹر قسم کے لوگوں کا مقابلہ، وہ کون سا سخت اور مشکل چیلنج ہے جسے ہمارے اکابر نے قبول نہ کیا؟ لیکن مولوی صاحب صرف اپنے چشمہ کے خول میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ ان کو صرف وہی کچھ نظر آتا ہے جو اس چشمہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مشاہدات کی نفی کرتے ہیں۔

اذا لم تر الهلال فسلم
لأناس رأوه بالابصار

مولانا الیاس صاحبؒ کے بارہ میں مولوی صاحب کے ہزار سالہ احساسات پر ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں:

اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

مولانا محمد الیاسؒ کے بارہ میں یہ کہنا کہ انگریز کو نکالنے پر کیوں زور لگاتے ہو، مسلمان بنانے پر زور لگاؤ، کئی وجوہ سے محل نظر ہے

قولہ: ''مولانا الیاس فرمایا کرتے تھے، انگریزوں کو نکالنے کے لیے کیوں زور لگاتے ہو، مسلمان بنانے پر زور لگاؤ۔''

الجواب: جہاد کی مخالفت، جہادی تنظیموں پر ہٹ، ۱۸۵۷ء میں علماء ہند کے اجماعی فیصلہ جہاد، خصوصاً حضرت نانوتویؒ کے اقدام جہاد کی تغلیط یہ سب تمہید تھی۔ مولوی صاحب نے مطلب کی بات اب کہی ہے مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے تم انگریزوں کو نکالنے کے لیے کیوں زور لگاتے ہو، مسلمان بنانے پر زور لگاؤ، لیکن الحمد للہ ہمارے اکابر و مشائخ دوطرفہ زور صرف کرنے میں کامیاب رہے۔ انگریزوں کو بھی نکالا مسلمانان ہند کا ایمان بھی بچایا۔ اسی اثناء میں بے پناہ خلق حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ مسلمانوں کو عیسائی اور ہندو بنانے کی مختلف تحریکات اٹھیں مگر ناکام بنادی گئیں۔ نیز تقسیم ہند کے بعد متعدد مقامات میں متعصب ہندوؤں کے تشدد اور مسلمانوں کی کمزوری کے باعث چند مسلم اقوام ہندوازم میں شامل ہوگئیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندو مظالم اور ان کے خوف وہراس کو رفع کیا ان اقوام کو ان کے جان ومال کے بارہ میں اطمینان دلایا، ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی، اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے جب تک ان کو ارتداد سے دوبارہ اسلام میں نہیں لے آئے۔

مولوی صاحب نے انگریزوں کے مظالم نہیں دیکھے اور نہ ۱۸۵۷ء کے مظالم کو غور سے پڑھا ہے۔ ان کو کیا معلوم اہل اسلام اور علماء اسلام پر کیا بیتی۔ اپنے خمار میں اس بات کا الزام مولانا محمد الیاسؒ کے سرتھوپ دیا انہوں نے یہ نظریہ دیا ہے۔ میں کہتا

ہوں وہ اپنے اساتذہ، مشائخ، موجودہ اور پیشرو علماء کے خلاف نہیں کہہ سکتے جن کی
ساری زندگیاں اسلام کی آبیاری، اسلامی اقدار کی سربلندی اور کتاب وسنت کی تعلیم و
تعمیل میں بیتیں اور انگریزوں کو ہند سے نکالنے میں صرف ہوئی ہیں۔ جیسا کہ پہلی سطور
میں ہم نے ذکر کیا ہے، حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی پر مولانا محمد الیاسؒ نے ان کے
ہاتھ پر بیعت جہاد کی، سیاست میں حضرت مدنی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لہٰذا مولوی
صاحب اور ان کے حلیف لوگوں کی مولانا الیاسؒ کے بارہ اس طرح کی نسبت
سبحانك هذا بهتان عظيم کے زمرہ میں آتی ہے۔ هاتوا برهانكم ان كنتم
صادقين ۔ اگر بالفرض ہم اس طرح کی نسبت تسلیم کرلیں تو جمہور علماء امت کے اجماع،
ان کے موقف اور مسلک کے خلاف شخص واحد کا قول معتبر اور حجت نہیں۔

عن ابن عمر (رضی الله عنه) قال قال رسول الله صلی الله علیه
وسلم: اتبعوا السواد الاعظم (۱)

"ابن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواد
اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"مراد حث وترغیب ست بر اتباع آنچہ اکثر علما در آں جانب اند"

"اس سے مراد آمادگی اور ترغیب ہے اس موقف کے اتباع پر جس جانب اکثر علماء
ہوں۔"

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور پادری فنڈر

۱۰ر اپریل ۱۸۵۴ء کو مشہور عالم اور مناظر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا پادری فنڈر سے
آگرہ میں مناظرہ ہوا۔ مولانا نے اسے شکست فاش دی۔ مولانا رحمت اللہ کے شاگرد

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ مکتبہ مجتبائی

مولانا شرف الحق نے ۲۳ ر ستمبر ۱۸۹۱ء کو دہلی کی مسجد فتح پوری میں لارڈ بشپ، جے ایف
لیفرائے مشن کالج دہلی کو مناظرے میں ایسی شکست دی کہ مخالف کو شکست تسلیم کرتے
ہی بنی۔ علماء نے ۱۳۰۰ھ تک عیسائیوں کا نہ صرف ناطقہ بند کردیا بلکہ عیسائیوں کو مسلمان
بنانا شروع کردیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر نے کئی میموں کو مسلمان بنایا غرضیکہ عیسائیوں کے
چھکے چھوٹ گئے۔ مولانا کیرانویؒ کے مناظروں کی تفصیل ان کے تذکرہ میں محفوظ ہے

حضرت نانوتویؒ کی اسلام کی حقانیت پر تقاریر،
پادریوں اور ہندو سماج سے مناظروں کا دلکش منظر

۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۶ء حضرت نانوتویؒ دہلی پہنچے۔ آپ نے اپنے شاگردوں سے
فرمایا: آپ بھی سر بازار کھڑے ہوکر نصاریٰ کا مقابلہ کرنے والوں کے ساتھ مل کر ان کی
مدد کیا کرو۔ حضرت نانوتویؒ نام بتائے بغیر، اپنی شکل وصورت چھپائے تاراچند کے پاس
پہنچ گئے اس سے گفتگو فرمائی۔ وہ آپ کے سامنے بات نہ کرسکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی
زمانہ میں مشہور مناظر مولانا منصور علی دہلویؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ مولانا منصور علی
بائبل کے گویا حافظ تھے، ان کا طرز مناظرہ جداگانہ تھا۔ (۱)

مباحثہ شاہ جہان پور سال اوّل

مئی ۱۸۷۶ء بمطابق ۱۲۹۳ھ بمقام لب دریا گرّا موضع سربانگ پور متصل چاندا پور
ضلع شاہجہان پور میں حضرت نانوتویؒ نے مشہور عیسائی پادریوں نولس اور انیک کو
مناظروں میں شکست دی۔

میلہ خدا شناسی میں حضرت قاسم العلومؒ کی تقریر کا اثر

ہر کوئی ہمہ تن گوش ہو کے مولوی صاحب کی جانب تک رہا تھا۔ کسی کی آنکھوں میں

(۱) سوانح [illegible]

آنسو، کسی کی آنکھوں میں حیرت، پادریوں کی یہ حالت کہ ششدر و بے حس و حرکت،(۱)

چنانچہ پادری نولس کی تثلیث میں توحید اور توحید میں تثلیث کی تقریر پر حضرت قاسم العلوم نے ڈائس پر آکر تیس منٹ تک ایسی جوابی تقریر فرمائی کہ پادری کی تقریر کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے اور تثلیث کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ فرمایا توحید اور تثلیث دو متضاد چیزیں ہیں جو ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں۔ الحمد للہ قاسم العلوم اس تقریر میں سب پر غالب آگئے۔

پادری نولس نے اپنی تقریر میں مسئلہ تقدیر چھیڑ کر اسلام پر اعتراضات کیے۔ حضرت قاسم العلوم نے ایک دیسی پادری انیک کو، جو بڑا زبان آور تھا، للکارتے ہوئے پادری نولس کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے مسئلہ تقدیر کی حقیقت پر زبردست تقریر فرمائی اور مثالوں سے تقدیر کی صداقت پر بحث فرمائی جس پر سب خاموش ہو گئے اور کوئی بھی جواب میں نہ بول سکا۔

اسی اثنا میں ایک نامعلوم پادری اٹھا جس نے منطق کی کچھ غلط سلط اصطلاحیں استعمال کیں۔ مطلک (مطلق) اور مکید (مقید) بول رہا تھا اور منطق کے مشکل ہونے کا دعوی کر رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ”تم نے منطق والے دیکھے ہی نہیں۔ تم منطق کی باتوں کو سمجھنے کو کہتے ہو۔ بفضل الٰہی اب بھی ایسے آدمی (اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا) موجود ہیں جو نئے سرے سے منطق کو ایجاد کر دیں“ (۲)

۸ رمئی ۱۸۷۶ء کو دو بجے میلہ برخاست ہوا۔ باہر آتے ہی حضرت قاسم العلوم کے گرد ایک ہجوم تھا۔ ہندو مسلمان سب گھیرے کھڑے تھے۔ مسلمانوں کی اس وقت جو کیفیت تھی سو تھی، مگر ہندو بھی بہت خوش تھے۔ آپس میں کہتے تھے کہ نیلی لنگوٹی والے مولوی نے پادریوں کو خوب شکست دی۔

---

(۱) میلہ خداشناسی، ص ۲۵ (۲) میلہ خداشناسی ص ۳۷، ۳۸۔

اس جلسہ کے رپورٹر مولوی محمد ہاشم اور منشی محمد حیات لکھتے ہیں:

”تھوڑی دیر کے بعد میاں صاحب نے آکر فرمایا کہ پادری کہتے تھے گو یہ مولوی صاحب ہمارے خلاف کہتے تھے، پر انصاف کی بات یہ ہے کہ ایسی تقریریں اور ایسے مضامین ہم نے نہ سنے تھے۔ ادھر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا کہ پادری باہم کہتے تھے آج ہم مغلوب ہو گئے۔“

پادری نولس کو اسلام کی دعوت اور حضرت نانوتویؒ کا ادائے حق

آپ پادری کے خیمہ میں گئے اور کہا ہم آپ کے اخلاق سے بہت خوش ہوئے۔ چونکہ اخلاق باعث محبت ہے اور محبت باعث خیر خواہی ہوتی ہے، ہمارا جی چاہتا ہے کہ دو کلمے آپ کی خیر خواہی کے لیے آپ سے کہیں۔ پادری صاحب نے کہا کہیے۔ آپ نے فرمایا:

”دین عیسوی سے توبہ کیجیے اور دین محمدی اختیار کیجیے۔ دنیا چند روزہ ہے اور عذاب آخرت بہت سخت ہے“

پادری صاحب نے کہا بیشک اور یہ کہہ کر خاموش ہو رہے۔ آپ نے فرمایا: اگر ہنوز آپ کو تأمل ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ حق واضح کر دے۔ اگر آپ اخلاص سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ضرور حق کو روشن کرے گا۔ پادری صاحب نے کہا میں روز دعا کرتا ہوں کہ اللہ میرے دل کو روشن کر دے۔

آپ نے فرمایا یوں دعا کیجیے کہ مذہبوں میں سے جو مذہب حق ہو، وہ مذہب روشن ہو جائے اور حق و باطل متمیز ہو جائے۔ پادری صاحب نے کہا میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے حق میں اتنا فکر کیا اور میں آپ کی اس بات کو یاد رکھوں گا۔

پادری انیک کا اقرار شکست اور قاسم العلوم سے تأثر

پادری انیک نے کہا:

"کیا پوچھتے ہو؟ ہم کو بہت سے اس قسم کے جلسوں میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا اور بہت سے علماء اسلام سے گفتگو ہوئی، پر نہ یہ تقریریں سنیں، نہ ایسا عالم دیکھا۔ ایک پتلا دبلا سا آدمی، میلے سے کپڑے، یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ عالم ہیں۔ ہم جی میں کہتے تھے کہ یہ کیا بیان کریں گے۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے (کہ مصلحت کے خلاف تھا) کہ وہ حق کہتے تھے، پر اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آتے اور پھر یہ کہا کہ تقدیر کے مسئلے کو پادری جب چھیڑا کرتے ہیں جب کوئی تدبیر غلبہ کی باقی نہیں رہتی۔ پادری نولس صاحب نے لاچار ہو کر یہ باتیں شروع کی تھیں، پر اس شخص نے ایسا ان سب کو اڑایا کہ پتہ نہ لگنے دیا۔" (۱)

کھتریوں نے کہا کوئی اوتار ہوں تو ہوں

مسلمانوں کی طرف سے ایک پتلا سا آدمی، نیلی لنگوٹی بغل میں دبی ہوئی، بیان کرنے کھڑا ہوا۔ ایسی تقریریں بیان کیں کہ پادریوں کو جواب نہ آیا۔ کوئی اوتار ہوں تو ہوں۔ (۲)

لالہ لیکھ راج کا بیان ہے کہ ایک مولوی صاحب قاسم علی اس طرف کے تھے۔ ان کا حال بیان کیجیے۔ ان کے سر پر علم کی سرسوتی (علم کی دیوی) بول رہی تھی۔ (۳)

الحمد للہ مولانا الیاسؒ سے بہت پہلے جہاں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کی گئی ان کے نکالنے پر زور لگایا گیا، وہاں مسلمانوں کا ایمان بچانے اور ارتداد یعنی اہل اسلام کو عیسائی بنانے کی سعی لا حاصل کے سامنے سد سکندری تعمیر کرنے میں علما نے کسی قسم کی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مناظرہ و مباحثہ کے میدان میں انہیں شکست دے کر پھر تو اضعا ان کے مکان پر جا کر پیار سے ان کی منت اور خوشامد کر کے اسلام کی

(۱) ایضاً (۲) میلہ خداشناسی ص ۴۰ (۳) میلہ خداشناسی، ص ۴۰

دعوت دینا کیا ہی کمال ہے۔

اب بتلایئے مولوی صاحب! مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پہلے اور ان کے بعد علماء ہند اور ان کے ساتھ اہل اسلام سے انگریزوں کو مسلمان بنانے پر زور لگانے میں کیا کسر باقی رہی جس کا بقول آپ کے مولانا محمد الیاسؒ کو شکوہ ہے؟ مولوی صاحب کہہ رہے ہیں دعوت کا ذہن ختم ہو چکا تھا، شاید اس لیے اسلام کا دفاع اور باطل کے خلاف تقاریر و مناظرہ اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنا اور قتال فی سبیل اللہ کو وہ اپنی مروجہ تبلیغ کے خلاف سمجھتے ہوں۔

اس طرح اسلام کی دعوت کے ساتھ ساتھ علماء اسلام انگریزوں اور ہمہ قسم کے کفر کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ انگریزوں کی ہندوستان میں آمد کے آغاز پر اسلام، علماء انام اور جملہ اقوام نے انگریزوں سے آزادی کی جنگ شروع کر دی ہمیشہ ان سے برسرپیکار رہے۔ ایک دن کے لیے بھی آرام نہیں کیا۔ آپ جیسے لوگوں کا وجود ہی کہاں تھا، الا یہ کہ انگریزوں کے بہی خواہ، وفادار نیچری، غلامی اور نوکری کا ذہن رکھنے والے وڈیرے، جاگیردار اور سرمایہ دار یا مداہنت پیشہ انگریز نواز مولوی، واعظ اور پیر یا معاشرہ میں کاسہ لیسی کرنے والے بیکار خوشامدی، بدعات و رسوم کے ہم نوا جنہوں نے ہمیشہ مجاہدین اور اہل حق کے خلاف غلامی کو ترجیح دی، ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے، لہٰذا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس عرصہ میں انگریزوں کے خلاف اہل اسلام اور علماء عظام فریضۂ دعوت جیسے پروگرام سے غافل رہے ہوں کفر کے خلاف نبرد آزمائی جیسی عزیمت کو ترک کر دیا ہو۔

مولانا مدنیؒ کی نظر میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی جنگ آزادی میں عزیمت، بزرگی اور برتری

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا محمود حسنؒ کے پیرومرشد حاجی امداد اللہؒ اور استاذ ومربی مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ جن کی تعلیمات اور ارشاد وتربیت سے ایسا شیر دل انقلاب لانے والا مرد میدان ظاہر ہوا کہ اس نے انگریزوں کے قصرِ استبداد ومظالم کے آہنی قلعہ میں زلزلہ ڈال دیا۔ ایام تحریک خلافت میں ایک بزرگ نقشبندی صاحب کشف دیوبند آئے۔ مولانا کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت نانوتویؒ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے۔ دیر تک مراقبہ میں رہے۔ بعد کو فرمایا کہ میں نے مراقبہ میں حضرت نانوتویؒ سے خلافت تحریک میں حکام کی سختیوں کا تذکرہ کیا تو حضرت نے مولانا محمود حسن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولوی محمود حسن عرش خداوندی کو پکڑے ہوئے اصرار کر رہے ہیں کہ انگریزوں کو جلد ہندوستان سے نکال دیا جائے۔"(۱)

اسی معنوی جدوجہد کا یہ اثر ہوا کہ انگریز (باوجود ہر قسم کی مادی قوتوں کے اور باوجود اس کے کہ ہندوستان کی آزادی اس کی عظیم الشان مصلحتوں کے لیے پیغام فنا تھی) ہندوستان سے چلا گیا خود چھوڑ کر چلا گیا، ورنہ کسی کے قیاس وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ یہاں سے نکلے گا اگر نکلا بھی تو اس طرح بلاخون وخرابہ بیک بنی ودوگوش یہاں سے منہ کالا کرے گا۔ قدرت کے مخفی ہاتھوں کی کارگزاریوں کو مادہ پرست ظاہر بین اشخاص نہیں مانتے، مگر واقعات عالم ان کو بعض حدود پر لے جا کر ماننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ **ذلك تقدير العزيز العليم۔ قل اللّٰهم مٰلك الملك تؤتي الملك من تشآء و تنزع الملك ممن تشآء و تعز من تشآء وتذل من تشآء بيدك الخير انك على كل شيء قدير۔**

انگریز دشمنی ہمارے اکابر کی طبع ثانیہ بن چکی تھی جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مسئلہ توحید کے ساتھ فرعون سے یہ بھی کہا:

(۱) نقش حیات حصہ دوم ص۶۹،۶۸ عزیز پبلیکیشنز ۵۶ میکلوڈ روڈ لاہور

فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ (۱)

"میری قوم بنی اسرائیل کو آزاد کر کے میرے ساتھ بھیج دو۔"

ہندوستان کی آزادی ہمارے اکابر کی زندگی کا بڑا موضوع رہا ہے حتیٰ کہ مرنے کے بعد قبر میں بھی خدائے ذوالجلال سے یہی التجا کر رہے ہیں ادھر حضرت شیخ الہند کے ادنیٰ مرید کی طرف یہ منسوب کیا جا رہا ہے کہ انگریز کے نکالنے پر کیوں زور لگاتے ہو۔

اسی طرح شیخ مدنیؒ اپنے ایک طویل مکتوب میں انگریزوں کی اسلام دشمنی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کو افضل جہاد قرار دیتے ہیں:

"روئے زمین پر اور ہندوستان میں سب سے بڑا دشمن اسلام کا انگریز ہے۔ اس نے جس قدر اسلام کو برباد کیا ہے اور کر رہا ہے اور کرنے کی قوت رکھتا ہے، دنیا بھر میں کسی قوم اور کسی ملک نے نہیں کیا۔ ہندو کی دشمنی اس کی دشمنی کے سامنے ایسی ہے جیسا کہ ذرہ پہاڑ کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اس لیے انگریز کی مدد اور حمایت کرنا کسی حال میں جائز نہیں، سخت حرام ہے۔ کانگریس میں شریک ہونا ہندو کی حمایت نہیں بلکہ ایک مشترک مقصد میں ساتھ ہے۔ جس طرح ایک ریل گاڑی کے ایک ڈبہ میں بیٹھ کر ایک ہندو اور ایک مسلمان دہلی کو سفر کرتے ہیں، اسی طرح انگریزوں کی قوت کو ضعیف کرنا، ملک سے انکا اقتدار گھٹانا اور نکالنا، اپنے ملک اور قوم کو آزاد کرانا دارالحرب سے سخت موذی دشمن کو نکال کر باشندوں کو نجات دلانا ہندو قوم کا مقصد ہے۔ یہی مسلمان کا بھی ہے، وہی سکھ کا بھی ہے، وہی پارسی کا بھی۔ لہٰذا محاذ جنگ اور میدان عمل مشترک ہوگا۔ اس میں ایک کا دوسرے کو مدد کرنا نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا مشترک میدان میں اتر کر اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے۔ جب گاؤں میں آگ لگی ہے تو سب کا فرض ہے کہ اس کو بجھائیں بلکہ مسلمانوں کا فرض اولین ہے کہ ہندوستان کو آزاد کروائیں۔

(۱) سورۃ الاعراف آیت ۱۰۵

(۱) یہ دارالاسلام رہا، انگریزوں نے ہجوم کر کے دارالحرب بنایا۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کو نکالیں۔

(۲) مسلمانوں کو غیر مسلموں کی رعایا بن کر نہ رہنا چاہیے۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً

(۳) مسلمان بادشاہوں اور حاکموں کو قتل و غارت کر کے انہوں نے اس اسلامی ملک پر غاصبانہ قبضہ کیا۔

(۴) ہندوستان کی فوجوں اور خزانوں اور ہتھیاروں سے تمام ممالک اسلامیہ کو برباد کیا اور لاکھوں مسلمان ہر جگہ میں قتل و غارت کیے گئے۔

(۵) مسلمانان ہند کی جان، مال، عزت، دین سب کو برباد کر رہے ہیں اور اسی طرح ہمارے غیر مسلم پڑوسیوں کو۔ مسلمانوں پر جس طرح اپنے دین، جان، مال، عزت، اہل وعیال کی حفاظت فرض ہے۔ اسی طرح پڑوسیوں کی خبر گیری اور ہمدردی ضروری ہے، اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں۔ ہندو اگر جنگ آزادی کر رہے ہیں تو محض ملکی ضروریات کی بنا پر، مگر ہمارے لیے تو ملک، دین، سیاست، فقر و فاقہ وغیرہ سب اس کے متقاضی ہیں۔

ہندو اگر ہمارا خون چوسنا چاہتا ہے اور اس کے بعد بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا تو انگریز تقریباً تین سو برس سے ہمارا خون چوس رہا ہے، اور باوجود ہر طرح سے ہر ملک میں فنا کر دینے کے آج بھی اس کو چین نہیں آ رہا۔ آج بھی علاوہ ہندوستان کے فلسطین اور سرحد میں سب کو قتل و غارت کرتا ہے۔ ہندوؤں کو بھی اس نے ہمارا دشمن بنایا۔ انگریزوں سے پہلے ہندو مسلمان میں اس قدر نفرت نہ تھی۔ تاریخ اور پرانے واقعات شاہد ہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ کوئی بھی آج ان کے اصلی اور سب سے بڑے دشمن کو شکست دیتا ہو تو اس کے ساتھ ہو کر اس دشمن کو اور اس کی قوت کو دنیا سے مٹا دیں۔

آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے سب سے بڑی عبادت الٰہی یہی ہے۔ سب سے بڑے دشمن اسلام کے مٹانے میں جس قدر بھی ممکن ہو، حصہ لیا جائے۔ قرآن میں یہی ہے:

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ الآية

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً الآية "

والسلام از دیوبند ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

نوٹ: پھر میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں، خبردار! خبردار! انگریزوں کی ادنیٰ درجہ کی بھی حمایت اور خیر خواہی و مددگاری نہ کیجیے۔ یہ دنیا اور آخرت کا وبال ہے۔ ولایتی چیزوں سے خصوصاً کپڑوں سے خود رکیے اور دوسروں کو روکیے اور جس قدر بھی ممکن ہو، مسلمانوں میں اتحاد و تنظیم کیجیے اور گورنمنٹ کی قوت کو برباد کرنے کی تدبیر کیجیے۔

سپاہ صحابہ پر ہی موقوف نہیں، پاک و ہند میں علماء دیوبند کی دینی، مذہبی اور سیاسی جماعتیں مروجہ تبلیغی ذہن نہیں رکھتیں

قولہ: "مجھے مولوی الیاس نے بتایا ایک لڑکا جو شروع سے یہاں رائے ونڈ میں پڑھا ہے، پکا اس کا ذہن سپاہ صحابہ کا ہے، ذرا تبلیغی ذہن نہیں ہے۔"

الجواب: صرف سپاہ صحابہ پر ہی موقوف نہیں، پاک و ہند میں علماء دیوبند کی دینی و مذہبی جماعتیں مثلاً مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار، تنظیم اہل سنت، جمعیت علماء اسلام، تحریک خدام اہل سنت، جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ، جہادی تنظیمیں، مشائخ سلوک و طریقت وغیرہم بطور دعوت اور دفاع جس سطح پر کام کر رہی ہیں، ان میں بھی ذرا تبلیغی ذہن نہیں اور نہ ہی موجودہ تبلیغی ان دینی جماعتوں کا سا اصلاحی پروگرام رکھتے ہیں۔

یہ امر واقع ہے ایک مرتبہ جمعیت علماء اسلام نے لاہور میں کنونشن کا انعقاد کیا۔

مختلف دینی جماعتوں اور سماجی تنظیموں کو دعوت دی اور کہا جب ہم بھی اپنے کام کو دین سمجھتے ہیں تو کیوں نہ ہم رائے ونڈ جا کر ان کے بڑوں کو دعوت دیں، چنانچہ علماء نے وہاں کے امراء اور علماء حضرات کو کنونشن میں آنے کی دعوت دی۔ وہاں کے استاذ حدیث بات سنتے ہی جوش میں آگئے کچھ کا کچھ سنایا، حیرت میں پڑ گئے داعی تو ہم ہیں اور یہ لوگ ہمیں دعوت دینے کے لیے آئے ہیں! اکرام مسلم بھی بھول گئے۔ ان میں سے بعض حضرات کے دل میں آیا ہم بھی ان کو کچھ اپنے دل کی سنائیں، لیکن بڑوں نے کہا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

مروجہ تبلیغی ہجوم میں اضافہ ہوا تو طلب علم میں کمی آ گئی اور لوگوں میں ایک نئی سوچ نے جنم لیا

قولہ: ''تو سال اگر لگے جاہل بن کے کچھ طلب گار بن کے، پھر آپ لوگ ہیرا بن جاؤ گے۔ ایسا اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فیضان اتارے گا کہ تم انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ بن جاؤ گے۔ ایک مدرسے کے چند لڑکوں پہ زندگی کھپا دینا! سارے عالم کے انسانوں پر اثر انداز ہوں۔ سال لگانے سے ترجیحات بدلنا مقصود ہوتا ہے۔ تبلیغ بھی اب اتنا وسیع عمل ہو چکا ہے کہ اس میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کو اللہ تعالیٰ علم بھی دے اور مزاج بھی ان کا مولانا سعید احمد خان صاحب والا ہو۔ تو سال تم لگاؤ اور ایسے نہ لگاؤ جیسے مولوی لگا رہے ہیں۔ یہ تمنا ہے کہ تم سال لگاؤ جیسے دیہاتی آدمی لگاتا ہے۔ سال گزارنے کے چکر میں ناقدری کرتے ہیں (مولوی) پھر بغیر کچھ لیے واپس آ جاتے ہیں۔''

الجواب: جب سے تبلیغی ہجوم میں اضافہ ہوا ہے، طلب علم میں کمی آ گئی اور روز افزوں اس رسمی ہڑبونگ میں عامۃ الناس کا جوش و خروش بڑھا تو ان میں ایک نئی سوچ نے جنم لیا۔ ان لوگوں نے اسے اپنی کرامت سمجھا جب چلہ، چار مہینے اور سال لگانے سے ایک شخص مبلغ بن جاتا ہے تو ہم اپنے بچوں کو مدارس اور مساجد کی تعلیم میں حفظ اور درس نظامی میں دس بارہ سال کے لیے کیوں چھوڑیں، مقصد تو دین دار، نمازی بننا اور متشرع شکل و صورت اختیار کرنا ہی ہے۔ زیادہ پڑھنے پڑھانے سے وقت بھی صرف ہوتا ہے اور بچے تجارتی اور معاشی کاروبار کے لیے بھی ہمارے کام نہیں آتے۔ زندگی کا ابتدائی دور جس میں ایک بچہ اپنی محنت اور شوق سے قرآن و حدیث، فقہ اور تفسیر کا علم حاصل کر سکتا ہے، اس کو ایک ایسی لائن دی جاتی ہے کہ بزعم خود وہ اسے نیکی کا بہت بڑا مینار سمجھتا ہے اور ایک بہت بڑی خیر سے محروم ہو جاتا ہے جو تمام دینی امور کا سر چشمہ ہے۔ وہ ہے بچپن اور عنفوان شباب میں وراثت نبوی کا حصول۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر (۱)

''انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے۔ وہ تو یقیناً علم کا وارث بناتے ہیں۔ جس نے اسے حاصل کیا، اس نے اپنے لیے بہت بڑا نصیب بنا لیا۔''

خیرکم من تعلم القران و علمه (۲)

''تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کا علم سیکھے اور سکھائے۔''

من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین (۳)

''جس کے متعلق اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین میں دانش اور سمجھ عطا کرتا ہے۔''

---

(۱) المشکوٰۃ ص ۳۴ کتاب العلم (۲) ایضاً ص ۱۸۳ کتاب فضائل القرآن۔
(۳) ایضاً ص ۳۲ کتاب العلم۔ بخاری ص ۱۶ ج ۱، کتاب العلم

در اصل عالم کا ان کے داؤ میں آنا ان کی وضع داری کی پابندی کرنا مشکل ہے۔ وہ ان کی سنی سنائی باتوں پر جو ان کی تبلیغ کا مدار ہیں، پر نہیں چلتا بلکہ اپنی خداداد بصیرت، فراست سے کام لیتا ہے، غلط بات پر جرح کرتا ہے، لہٰذا ان کے ہاں عالم کے بجائے بے علم کی مانگ زیادہ ہے۔

اس تقریر میں جہالت کو ہدایت کے لیے سرچشمہ اور ایک بے علم تبلیغی کو ہیرا بننے کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے اور کہا ہے جاہل بن کر تبلیغ میں سال لگاؤ گے اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فیضان اتارے گا۔ کیا یہ سب باتیں مولوی صاحب کی خانہ زاد ہیں وہ ان کو یہ منصب تقسیم کر رہا ہے؟ واللہ یہ افتراء ہے۔ قرآن مجید کے مأخذ اور مراجع پر عبور اور اطلاع کے بغیر کوئی شخص ہدایت کا سرچشمہ اور فیضان الٰہی کا مورد اور ہیرا نہیں بن سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو تمام زندگی علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

عن ابی هريرة قال قلت يا رسول الله! انی اسمع منك حديثاً كثيرا انساه قال ابسط ردآءك فبسطته فغرف بيديه ثم قال ضمّ فضممته فما نسيت شيئا بعد۔ (۱)

''ابو ہریرۃ کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر بچھالو میں نے چادر بچھالی۔ پس آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ابو ہریرۃؓ کی چادر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا سینہ سے لگالو۔ میں نے اسے سینہ سے لگالیا۔ اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔''

خواجہ حسن نظامیؒ نے اپنی اردو شرح بخاری میں اس کی کیا ہی خوب تعبیر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیضان الٰہی کے دولپ کف حضرت ابو ہریرہؓ کی چادر میں ڈال دیے۔

(۱) بخاری شریف ص ۲۲ ج ۱

جاہل بن کر سال لگانے سے بقول مولوی صاحب کے تم لوگ ہیرا بن جاؤ گے علم دین پڑھنے پڑھانے کی ضرورت بھی نہیں۔ سال لگانے سے اگر ساری دنیا کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن جاتے ہیں تو پھر جہل مرکب کس چیز کا نام ہے۔ ایک ہوتا ہے جہل بسیط اور ایک ہوتا ہے جہل مرکب۔ جہل بسیط ایک آدمی فی الواقع جاہل ہو اور وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھے اور ایک آدمی جو واقع میں جاہل ہو، لیکن وہ اپنے آپ کو عالم سمجھے تو یہ جہل مرکب ہے۔

ہر کس کہ نہ داند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند

جاہل آدمی دس سال لگانے سے جہل مرکب ہی ہوگا۔ یاد رہے تشکیل ہوتے ہی یہ داعی اور ہادی بن جاتے ہیں، ان کے ہاں پیشگی علم دین پڑھنا پڑھانا ضروری نہیں۔ فضائل تبلیغ کی تعلیم سے یہی ان پڑھ لوگ باور کراتے ہیں ہم سال اور چلہ لگانے والے ہی اس کے مستحق اور مصداق ہیں، اس لیے ان لوگوں کی نسبت مشہور ہے کہتے ہیں مدارس اور مساجد میں قرآن و حدیث کی تدریس تو ہوتی ہے، لیکن دین کا کام نہیں۔ قرآن و حدیث اپنی جگہ لیکن دعوت میں جو نور ہے، اس کے کیا کہنے! یہ ہے ان کا دیہاتی بن کے سال لگانا اور ترجیحات کا بدلنا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایسی جہالت کی بجائے چاہیے تھا علماء کی مجلس میں بیٹھتے، قرآن و حدیث کا درس سنتے، اپنی اپنے اہل و عیال اور ماحول کی اصلاح کرتے، خود کو علامہ فہامہ سمجھ کر علماء کے آڑے نہ آتے اور نہ قرآن و حدیث کی درس و تدریس، علماء اور طلباء سے نفرت کرتے۔

دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے عالم ہونا ضروری ہے کیونکہ اندیشہ ہے جاہل آدمی معروف و منکر کا امتیاز کیے بغیر منکر کی تبلیغ کرے گا اور معروف سے منع کرے گا۔ ہمارے شیخ استاذ حضرت مولانا محمد سرفراز خان نے آیات و احادیث اور

اسلاف امت کے حوالہ سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کا مضمون ہمارے اس مسودہ کے آخر میں ملحق ہے۔ نیز مولوی صاحب کہتے ہیں تم سال لگاؤ، پر ایسے نہ لگاؤ جیسے مولوی لگا رہے ہیں۔ یہ ہے ان کے ہاں علماء کی تذلیل اور جاہل آدمی کی توقیر یہ ہے ان کا مبلغ علم اور ان کی جرأت۔ ان کی یہ ذہنیت باستثنائے چند علماء اور اکابر، اکثر تبلیغیوں میں کارفرما ہے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا — کار طفلاں تمام خواہد شد

قال اللہ تعالی: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (۱)

"بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان لوگوں کو جنہیں علم دیا گیا ہے کئی درجات میں۔"

باقی رہا ایک مدرسہ کے چند لڑکوں پر زندگی کھپا دینا مساجد، مدارس، دار العلوم اور جامعات میں دین کی اصل محنت ہوتی ہے۔ اس سے جو افراد تیار ہوتے ہیں، وہ صحیح معنوں میں دین کی خدمت کا بیڑا اٹھا سکتے ہیں۔ انہی کے وجود سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ، علم کلام اور دیگر علوم واجبہ کے باعث دین و دنیا کا نظام قائم ہے۔ یہی لوگ حجۃ اللہ فی الارض، دین کے محافظ اور شہداء اللہ ہیں۔ ان کے فقدان سے دنیا میں آفات، حوادث اور فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ جہالت، گمراہی، بے دینی، بدعات وخرافات کا ظہور وغلبہ ہوتا ہے۔ بحمد اللہ تعالی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں یہ تسلسل چلا آ رہا ہے۔ دنیا کبھی ان سے خالی نہیں رہی۔ حضرت ربیعۃ الرائیؒ نے مسجد نبوی میں پڑھا اور پڑھایا۔ ان کے درس میں امام مالکؒ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا حرم نبوی کے استاذ اور امام دار الہجرت کہلائے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ میں درس

(۱) سورۃ المجادلہ آیت ۱۱

دیا جس سے امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ پیدا ہوئے۔ امام محمدؒ نے قرآن وحدیث کے مؤاخذ ومراجع، صحابہ کے آثار امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے اجتہادات سے فقہ مرتب کی اس کی تدوین کی جب کہ قاضی ابو یوسفؒ محدث اور قاضی الشرق والغرب کہلائے۔

امام شاہ ولی اللہ نے دہلی میں بیٹھ کر پوری دنیا کے لیے دینی، علمی، سیاسی فارمولا تیار کیا جس کا نام حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ ان کے درس سے چند افراد تیار ہوئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے شاہ عبد العزیز جن کی عمر بارہ سال تھی، علمی امانت ان کے سپرد کی اور دنیا سے چل بسے۔ شاہ عبدالعزیز جو علی الاطلاق سارے ہندوستان کے استاذ کہلائے، امت مسلمہ کی ہر طرح کی رہنمائی کی، ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر جہاد کی بنیاد رکھی۔ سید احمد شہیدؒ کو بیعت خلافت سے نواز، ان کو جہاد کا امیر بنایا۔ فقیہ الاسلام مولانا عبد الحیٔ بڈھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کو ان کا نائب مقرر کیا ہندوستان میں آزادی کی داغ بیل ڈالی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور ان کے ساتھیوں نے ان حضرات کے کاموں کی تکمیل کی۔

بخلاف اس کے اگر ناخواندہ، ان پڑھ اور ٹھیٹھ جاہل لوگوں کو تبلیغ کی تشکیل دے کر عوام کی ہدایت کے لیے بھیجا جاتا اور یہ سلسلہ جو اس وقت چل رہا ہے، اسی کو ترقی دی جاتی تو یہی کچھ ہوتا جو آج ہو رہا ہے۔ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے جو اپنے آپ کو خواندہ سمجھتے اور علماء پر اپنی برتری جتاتے ساری دنیا میں جہالت کا دور دورہ ہوتا۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اسلام کو اس سے کوئی نقصان نہ تھا، لیکن اس کے برعکس اگر سابق قسم کے لوگ نہ ہوتے تو آج ہم اسلام کی صحیح صورت حال سے آشنا نہ ہوتے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: حتی اذا لم یبق عالما اتخذ

الناس رء وسا جهالا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا (۱)

''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ ان سے مسائل دریافت کریں گے تو وہ بغیر علم اور فہم کے فتوی (جواب) دیں گے۔ خود بھی گمراہی میں پڑیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

سنت اللہ ہے ہدایت کا نظام اللہ کی کتاب اور اس کے داعی انبیاء، علماء اور ربانی لوگوں سے وابستہ رہا ہے، ان پڑھ لوگوں سے نہیں

قولہ: ''اس وقت اللہ کی ہدایت کا نظام تبلیغ کے ساتھ چل رہا ہے۔ پہلے خانقاہوں اور مدارس کے ساتھ، اب تبلیغ کے ساتھ یہ نظام چل رہا ہے کہ تین دن لگانے سے آدمی بدل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کا جو ظہور ہو رہا ہے نا، وہ تبلیغ میں ہو رہا ہے۔''

الجواب: ہدایت کا نظام، اللہ کی کتاب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، احادیث اور فقہائے کرام اہل علم کے استنباط و اجتہاد سے وابستہ ہے۔

قال اللہ تعالی: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (۲)

''یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے''

عن مالك بن انس مرسلا قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله (۳)

''حضرت امام مالک بن انسؒ سے بطریق مرسل روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱) بخاری ص ۲۰ ج ۱ باب رفع العلم وقبضہ مشکوۃ کتاب العلم ص ۳۳ ج ۱

(۲) سورۃ البقرۃ آیت ۲ (۳) رواہ فی الموطا المشکوۃ ص ۳۱ باب الاعتصام۔

وسلم نے فرمایا میں دو چیزیں تم میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک مضبوطی سے ان کو تھامے رہو گے، کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتاب اللہ کے حاملین، اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے والے تین طبقات کا ذکر کیا ہے: انبیاء، ربانیین اور احبار، اللہ تعالی نے ان تینوں کے ساتھ نظام ہدایت وابستہ کیا ہے۔ جب تک دنیا میں یہ لوگ موجود ہوں گے، ان کی بقا سے ہدایت کو بقا اور دوام حاصل ہوگا۔

قال الله تعالى: إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا

''ہم نے توراۃ اتاری جس میں ہدایت اور نور تھا۔ اس کے مطابق انبیاء فیصلہ کرتے جو خدا تعالی کے حکم کے آگے مطیع تھے یہودیوں کے لیے اور ربانی لوگ اور علماء بوجہ اس کے کہ ان سے اللہ کی کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا تھا اور اللہ کی کتاب پر گواہ تھے۔ پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ثمن قلیل کے عوض فروخت نہ کرو۔''

مروجہ تبلیغی مزاج، مزاجِ نبوت نہیں۔ مزاج نبوت آپ کا اسوہ حسنہ ہے اور اس کا صحیح نقشہ احادیث و آثار میں ملتا ہے

قولہ: ''تبلیغی مزاج، مزاج نبوت ہے۔ کوئی اختلافی مسئلہ منبر پر بیان نہ کرو۔''

الجواب: یہ مداہنت نہیں تو اور کیا ہے؟ منبر پر اختلافی مسائل بیان نہ ہوں تو حق و

(۱) سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۴۴

باطل اور دین اسلام کی حقانیت کا پتہ کیسے چلے گا؟ اس کے لیے آخر کون سی مجلس منعقد ہوگی؟ اگر بغیر منبر مجلس منعقد ہو تو پھر بھی اہل علم احقاق حق اور ابطال باطل میں مداہنت سے کام نہیں لیتے۔ اختلافی مسائل بیان کرنا ان کے فریضہ میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

"وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱)

"ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر تا کہ آپ ان کے لیے ان مسائل کی وضاحت کر دیں جن میں انہوں نے اختلاف کیا اور ہدایت اور رحمت ہے ایسی قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے۔"

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (۲)

"یہ قرآن بنی اسرائیل کے متعلق اکثر ان مسائل کا ذکر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے ارسال رسل اور انزال کتب کا مقصد یہی بتلایا جن مسائل میں اہل باطل نے حق کو خلط ملط کر دیا تھا، ان کو بیان کیا جائے۔ وفی الباب آیات کثیرۃ۔

ایک دفعہ گوجرانوالہ کے مقامی تبلیغی حضرات نے مرکز میں علماء کا جوڑ رکھا۔ اس مجلس میں علماء مدعوین میں سے کسی ایک کو بیان کا موقع نہ دیا۔ چنانچہ وقت لگانے کے لیے ایک صاحب کھڑے ہوئے۔ وہی سر دردی، سہ روزہ، عشرہ، چلّہ، چار مہینے، سال بھر وقت لگانے کے لیے پیشہ وارانہ تکرار وتعاقب کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ یہ تھا علماء کا

(۱) سورۃ النحل، آیت ۶۴ (۲) سورۃ العنکبوت، آیت ۷۶

جوڑ۔ راقم الحروف نے وہاں امیر صاحب سے عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تو ایسا نہیں ہے جس طرح آپ کرتے ہیں عام لوگوں اور علماء کو بلا کر بزور اور ملامت کر کے ان سے وقت لیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں اگر ہم نے ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائی تو معلوم نہیں کس درجہ کے گناہگار ہوں گے۔

۱) جناب مالکؓ بن الحویرث سے روایت ہے

"قال أتيتُ النبي صلى الله عليه وسلم في نفر من قومي فاقمنا عنده عشرين ليلة و كان رحيما رفيقا فلمّا رأى شوقنا الى اهلينا قال ارجعو فكونوا فيهم علموهم وصلّوا فاذا حضرت الصلوة فليؤذن لكم احدكم وليؤمّكم اكبركم (۱)

"میں آنحضرتؐ کی خدمت میں چند ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ ہم آپؐ کی خدمت میں بیس راتیں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحیم، رفیق (اور رقیق القلب) تھے۔ جب آپ نے دیکھا ہم اپنے اہل وعیال کی طرف مشتاق ہیں آپؐ نے اجازت دے دی۔ فرمایا گھروں کو چلے جاؤ، ان میں رہو اور ان کو سکھاؤ۔ نماز پڑھو اور جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور امامت وہ کرائے جو تم میں عمر میں بڑا ہو۔"

دوسری روایت میں اس کے قریب ونحن شببة متقاربون کے الفاظ ہیں یعنی ہم جوان ایک دوسرے کے قریب سن (ہم عمر) تھے۔ جب آپ نے محسوس کیا ہم گھروں کو جانے کے متمنی ہیں آپ نے اجازت دے دی۔

تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وكان النبي صلى الله عليه وسلم رحيما فقال لو رجعتم الى

(۱) بخاری ج: ۱ص ۸۷

بلادکم فعلموھم (۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہربان تھے۔ فرمایا اگر تم اپنے گھروں کو چلے جاؤ ان کو سکھلاؤ۔"

دیکھیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا گھروں کو واپسی کا شوق دیکھا تو بیس دن کی اقامت کے بعد از خود اجازت طلب کیے بغیر ان کو گھر جانے کی اجازت دے دی، کیونکہ آپ رحیم اور رفیق (اور رقیق القلب) تھے۔ یہ ہے مزاج نبوت۔ حالانکہ آپ کی صحبت اور آپ کا فیضان کیمیا اثر تھا۔ اس کے برعکس اگر ان لوگوں کے ہاں کوئی پھنس جائے تو اس کی خلاصی مشکل ہو جاتی ہے۔ شروع میں مولوی صاحب نے بار بار دہرایا ہے ہمارے لیے دور نبویؐ میں کوئی مثال نہیں۔ قدم قدم پر آپؐ کے اسوہ حسنہ پر چلنا ان مدعیوں کو کہاں نصیب؟

(۱) بخاری ج:۱ص ۹۵

العلماء ورثة الانبیاء (الحدیث)

باب نمبر۵

اکابر علماء ہند

اور دعوت وارشاد میں ان کی مساعی جمیلہ

ہندوستان پر انگریزوں کے قبضہ کی ابتداء سے لے کر آخر تک علماء اسلام دعوت وتبلیغ کے فریضے سے غافل نہیں رہے

قولہ: پچھلے سو برس سے یورپی قومیں طاقت ور ہوئیں تو ہمارا دعوت والا ذہن ختم ہو چکا تھا۔

الجواب: ہندوستان میں مجموعی طور پر انگریزوں کا قبضہ ڈیڑھ سو سال رہا۔ اتنے عرصہ میں علماء اسلام، اہل حق نے ہندوستان میں توحید کا پرچم بلند کیے رکھا۔ آسبھائی، آریہ سماج اور ہندوستان کے بڑے سناتن دھرمی اور مناظر میدان میں آئے اور منہ کی کھائی۔ اسی طرح انگریزوں نے چاہا کہ اپنی حکومت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان میں عیسائیت کو فروغ دیں اور ہندوستان کی مسلم آبادی کو عیسائیت میں بدل دیں، لیکن علماء حق کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو ہندوستان اور ترکی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پادری فنڈر کو انگلینڈ سے ہندوستان لایا گیا۔ اس نے جا بجا علمائے اسلام کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بروقت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کو اس کا جواب بنا دیا۔ مولانا عیسائیت کی تحریفات اور دجل وفریب سے خوب واقف اور ماہر تھے۔ آپ نے اس کا چیلنج قبول کیا۔ پوری قوم نے دیکھا پادری نے مناظرہ کو ادھورا چھوڑا، لاجواب ہو کر بھاگا۔ اسلام کو فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء میں پوری قوم نے آزادی کی جنگ لڑی، اس میں علماء پیش پیش تھے۔

دیگراں رانصیحت خودرا فضیحت

قولہ: ''اپنی فہم وفراست کو اسلاف کے تابع کرتے چلو۔ ہمارے موجودہ حضرات اعتدال سے اس لیے ہٹے کہ انہوں نے اپنے اکابر کی تعلیمات اور کتابوں کا گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ خطابت کا جوش تھا، زور تھا۔ جو فتاویٰ اور اصول لکھے گئے تھے، بس وہی کافی ہیں۔ اس پر اپنے عقلی دلائل دینا وہ نامناسب بات ہے۔''

الجواب: سوچنے کی بات ہے مولوی صاحب ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ دورِ نبویؐ اور خلفاء راشدین کے دور میں ہماری مثال موجود نہیں، حضرت ابوبکرؓ میں غلطی ہوئی تھی اور ہوئی، وہ نہ معصوم تھے نہ محفوظ، ۱۸۵۷ء کی جنگ میں علماء جس مقصد کے لیے اٹھے تھے اس تک نہ پہنچ سکے، حدیبیہ کے مقام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے صلح کی، ان سے آپ کی یہ صلح کمزوری پر مبنی تھی، اس قسم کے خیالات میں کون سی اسلاف کی تابعداری ہے؟ کیا یہی راہ اعتدال ہے؟

ع دیگراں رانصیحت خودرا فضیحت

کہا جاسکتا ہے آپ نے بھی اپنے اکابر کی تعلیمات اور کتابوں کا گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ خطابت کا زور تھا، شور تھا اور لوگوں کی واہ واہ نے شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ کو یہاں تک پہنچا دیا۔ جو فتاوی اور اصول لکھے گئے تھے، بس وہی کافی تھے۔ اس پر اپنے عقلی دلائل دینا نامناسب بات ہے۔

مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ کی شدت طبع کا ذکر خلاف واقعہ ہے

قولہ: ''میں نے عرض کیا تاکہ جو ہمارے ہاں اہل حدیث کا رد کرنے والے تھے، مولانا صفدر صاحبؒ ان کے لہجے میں بہت زیادہ سختی تھی اور بہت زیادہ شدت

تھی۔ میری ان کی چار گھنٹے کی ایک محفل ہوئی تھی۔ صرف میں تو ان سے استفادے کے لیے گیا تھا۔ اس پر انہوں نے جو کچھ فرمایا، وہ کہتے رہے: ہم سنتے رہے۔ ان کے لہجے میں بہت زیادہ شدت تھی۔''

الجواب: مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ نہایت خوش مزاج، خوش طبع، ہنس مکھ، بیان اور ادائے مطالب میں نرم لہجہ رکھنے والی شخصیت تھے۔ بڑے سے بڑے حریف کے مقابلہ میں بھی وسعت ظرفی سے کام لیتے تھے۔ اوّل سے آخر تک بیان اور زبان میں شدت اور تلخی نہ آنے دیتے۔ مدِ مقابل کی تلخی اور دشنام طرازی سے کبھی مشتعل نہ ہوئے اور ترکی بہ ترکی جواب سے اجتناب کرتے۔ البتہ ان کی گرفت بہت مضبوط ہوتی، موضوع سے نہ خود ہٹتے اور نہ دوسروں کو ہٹنے دیتے راقم الحروف ایک موقع پر خود مجلس مناظرہ میں شریک بلکہ معین تھا۔ جب فریق مخالف کی طرف سے معاملہ حد سے بڑھ گیا تو مجھ سے مشورہ کر کے موضوع سخن کا آغاز کیا، نہایت خوش اسلوبی سے جواب دیا اور اپنا دفاع کیا۔ معلوم نہیں کہ آج تک کسی نے ان کے لب ولہجہ میں سختی کی شکایت کی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلف صالحین، ائمہ اور اسلاف کے مؤقف ومسلک کو بُرا کہنا محض طعن نہیں بلکہ عقیدہ اور ایمان کی خرابی ہے

قولہ: ''حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے'' جو ظاہر دین پر عمل کرے اور سلف صالحین کو برا بھلا نہ کہے، وہ اہل حق میں سے ہے۔'' ہاں اگر وہ صالحین، ائمہ اور اسلاف پر دلیر ہو جائے تو پھر وہ فاسق ہے، فرقہ باطلہ نہیں ہے۔ یہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے کہ صالحین پر تنقید کرنا ایسی کہ جن سے ان کی شان میں کمی آتی ہے۔ تنقید تو قیامت تک چلتی رہے گی۔''

الجواب: حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا حوالہ دینے کا کیا فائدہ جبکہ آپ نے بعد میں اس کی تردید ان الفاظ میں کردی ہے "ہاں، اگر وہ سلف صالحین اور ائمہ اسلاف پر دلیر ہوجائے تو وہ فاسق ہے، فرقہ باطلہ میں سے نہیں ہے۔" سلف صالحین، ائمہ اور اسلاف پر دلیر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے موقف اور مسلک کو برا کہتا ہو۔ ان کے موقف اور مسلک کو برا کہنا عقیدہ اور ایمان کی خرابی ہے۔ مثلاً یہ کہنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؓ سے خلافت چھین لی اور مصلّی پر قبضہ کرلیا اور حضرت فاطمہؓ کے حق فدک کو غصب کرلیا تو کیا ایسی باتیں صرف فسق میں داخل ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو عقیدہ اور ایمان کی خرابی ہے۔ لیکن مولوی صاحب ہیں اس قسم کی باتوں کو تنقید سے تعبیر کرتے ہیں اور ان الفاظ میں اس کی اجازت دیتے ہیں کہ تنقید تو قیامت تک چلتی رہے گی۔ عام مسلمانوں کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا فسق ہے، اس میں صحابہؓ اور ائمہ کی کیا خصوصیت ہے؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسق و قتالہ کفر (۱)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کفر ہے۔"

چونکہ مولوی صاحب خود اس مرض میں مبتلا ہیں جس میں ائمہ دین پر طعن کو معمولی سمجھتے ہیں اور حضرت تھانویؒ کا فرمان بالکل صحیح ہے کہ ائمہ دین پر طعن کرنے والا اہل حق میں سے نہیں ہوسکتا۔

دوسری جگہ کہتے ہیں "تو وہ فاسق ہیں، گمراہ نہیں"۔ فاسق ہیں، گمراہ نہیں؟ فسق کا اثبات اور گمراہی کی نفی عجیب اصطلاح ہے۔ وہ کیسا فسق ہے جس میں گمراہی نہ ہو؟ فسق تو گمراہی کی بڑی سیڑھی ہے۔ اگر فسق گمراہی نہیں تو پھر ہدایت اور فسق دونوں میں جمع ممکن ہوگی۔ ولیس لہ نظیر۔

(۱) مسلم مع شرح نووی ۲: ص ۱۵۸ صح المطابع دہلی

قال اللہ تعالی: وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (۱)

"نہیں گمراہ کرتے ساتھ اس کے مگر فاسقین کو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ فاسق گمراہ ہوتا ہے۔

شیعوں کے بارہ میں کشف کے سلسلہ میں امام شاہ ولی اللہؒ اور استاذ شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر پر اعتراض اور اس کا جواب

طالب علم کا سوال: "مولانا سرفراز صفدر صاحب نے شیعہ کے عقائد امامت اور ختم نبوت پر انکار ذکر کیا ہے اور اس پر شاہ ولی اللہ کا کشف نقل کیا ہے۔"

مولوی صاحب کا جواب: "کشف سے ہماری جان بچاؤ۔ پہلے ہی کشف سے ہماری تبلیغ برباد ہوگئی ہے۔ ہمیں کسی کشف کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اصول دین اور مسائل دین کی بات ہوگی تو کسی کا کشف معتبر نہیں ہے۔ یہاں صرف قرآن وحدیث، صحابہ اور علماء راسخین کی بات چلے گی۔ شاہ ولی اللہؒ سارے علماء کے تاج ہیں، تاج العلماء ہیں، لیکن ان کے کشف ان کی ذات تک ہیں۔ ہمارے لیے کوئی حجت نہیں ہیں۔ نہ کشف تائید میں لایا جاسکتا ہے، نہ دلیل میں۔"

الجواب: حضرت شیخ استاذ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ نے ارشاد الشیعہ باب سوم میں شیعہ اور عقیدہ امامت پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ شیعہ امامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرات ائمہ کرام اللہ تعالی کا نور، مفترض الطاعت اور معصوم ہیں۔ دنیا وآخرت ان کی ملکیت ہے۔ جس کو جو چاہیں دیں اور جس چیز کو چاہیں حلال اور جس چیز کو چاہیں حرام کردیں اور انہیں یہ جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہیں۔ شیعہ امامیہ کے

(۱) البقرہ، آیت ۲۶

نزدیک سب سے زیادہ معتبر اور مستند کتاب ابو جعفر یعقوب کلینی رازی (المتوفی ۳۲۸)
کی کتاب الجامع الکافی ہے جو امام منتظر و معصوم کی مصدقہ ہے انہوں نے فرمایا: ھذا
کاف لشیعتنا۔ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لیے بالکل کافی ہے۔

مضمون بالا کی تائید و تعریف میں حضرت شیخ نے اصول کافی سے چھ حوالے پیش کیے
ہیں۔ اس کے بعد بطور تائید تفہیمات الٰہیہ سے دو حوالے نقل کیے ہیں جن کا حاصل یہ ہے
شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں میں نے آنحضرتؐ سے روحانی اور کشفی طور پر شیعہ کے بارہ میں
سوال کیا تو آپ نے مجھے اشارہ کیا ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا بطلان
لفظ امام سے ہوتا ہے۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے جان لیا کہ شیعہ کے نزدیک امام
معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے، اس کی طرف باطنی طور پر وحی آتی ہے۔
اس معنی میں امام نبی ہی ہوتا ہے۔ سو شیعہ کا مذہب انکار ختم نبوت کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالی
ان کا ناس کرے۔

حضرت مریمؑ نے سیدنا عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا تو وہ گویا ہوئے:

اِنِّی عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا وَّجَعَلَنِی مُبٰرَکًا (۱)

یہ سیدنا عیسیٰؑ کا کلام ہے، یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حضرت مریمؑ کا اشارہ ہے۔ البتہ ان
کے اشارہ کرنے سے سیدنا عیسیٰؑ نے کلام کیا۔ یہی امام شاہ ولی اللہؒ فرما رہے ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے شیعہ مذہب کے باطل ہونے کا اشارہ دیا تو میں نے
اپنے غور و فکر سے سمجھا چونکہ ان کے ہاں امام کا رتبہ انبیاء کے برابر ہے، لہٰذا یہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکر ہیں۔

**عن علی رضی اللہ عنہ بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الی الیمن قاضیاً فقلت یا رسول اللہ ترسلنی وأنا حدیث السن**

(۱) مریم ۳۰، ۳۱۔

**ولا علم لی بالقضاء فقال سیھدی اللہ قلبک ویثبت لسانک۔
اذا تقاضی الیک رجلان فلا تقض للاول حتی تسمع کلام
الآخر فانہ أحری ان یتبین لک القضاء قال فما شککت فی
قضاء بعد رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ** (۱)

”حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی مقرر کیا تو
میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ مجھے (قاضی بنا کر) بھیج رہے ہیں جبکہ میں نوعمر
ہوں اور مجھے قضا کا کوئی علم نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تیرے دل کی رہنمائی کرے گا
اور تیری زبان مضبوط کرے گا۔ جب دو آدمی تیرے پاس مقدمہ لے کر آئیں تو پہلے
فریق کے حق میں فیصلہ نہ دینا جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سن لو۔ حضرت علیؓ
فرماتے ہیں پھر میں نے کبھی قضا میں شک نہیں کیا۔“

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیعہ کے مذہب کے بطلان کا اشارہ دیا
اور امام شاہ ولی اللہؒ نے لفظ امام میں غور و تامل کے بعد اصل حقیقت کو پالیا۔ ختم نبوت
کے انکار پر استدلال آپؒ کے اجتہاد اور استنباط کا نتیجہ ہے۔ کشف سے تو صرف شیعہ
کے مذہب کا باطل ہونا ثابت ہوا۔ اس سے قبل مسوی شرح مؤطا سے ہم نے آپ کی جو
تحقیق پیش کی ہے، اس میں کشف کا کوئی ذکر نہیں۔

مولوی صاحب سمجھے خود نہیں اور طنز کیا ہے حضرت شیخ استاذ مولانا سرفراز خان صفدر
اور امام طائفہ شاہ ولی اللہؒ پر۔ حد ہے کہ ایک قصہ گو واعظ اکابر و مشائخ پر طعن کرے اور
اسے پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔

چوں سخن بشنوی ز اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

(۱) مشکوۃ شریف ج ۲۔ ص ۳۲۵ باب الامر فی القضاء والخوف منہ۔ طبع مجتبائی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ اوران کی کتابوں میں پیچیدہ علمی زبان اور عام فہم نہ ہونے کا شکوہ اوراس کا جواب

قولہ: ''حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھے۔ عام آدمی میں اس سے استفادے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ اتنی پیچیدہ علمی زبان ہے۔ لگتا یہ تھا کہ حضرت تھانویؒ کے سامنے اکثر علماء ہوتے تھے اورعوام بھی ایسے تھے جن کا علمی شوق، شعور بیدار تھا۔ ..

تو ہمارے اکابرین کی تحریریں بڑی پیچیدہ تھیں۔ ان میں علمی جھلک، علمی رنگت تھی۔ پہلے شخص مودودی صاحب جنہوں نے دین کو عام فہم انداز میں پیش کیا اورلوگ اس کو سمجھے بھی۔ آپ کبھی مواعظ پڑھنا حضرت تھانویؒ کے۔ اس میں منطقی اصطلاحات، عربی اصطلاحات اتنی زیادہ ہیں کہ عام آدمی تو کجا، ایک مدرسہ کا طالب علم بھی نہیں سمجھتا کہ یہ کیا لکھا ہے۔''

الجواب: اہل علم جانتے ہیں ہمارے گزشتہ اکابر میں سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا انداز بیان اور اسلوب تحریر جتنا سہل، آسان اور واضح ہے، شاید ہی ان کے معاصرین میں سے کسی اور کا ہو۔ آپ کے مواعظ ''الابقا'' عام فہم، سلیس اور مؤثر ہیں۔ ان سے ہزارہا خلق کو نفع پہنچا۔ ان میں یہ اعجاز ہے کہ شریعت اور طریقت کے رموز اور نکات آپ مولانا رومی کی طرح اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ اہل علم اور عام لوگ برابر مستفید ہوتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کسی جملے میں اس کے لفظی اور معنوی اشکال کو رہنے نہیں دیتے۔ مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ یکے بعد دیگرے حکایات، کہانی اور قصوں کے ذریعے ہندی کی چندی نکال دیتے ہیں، چنانچہ مسئلہ میں کسی قسم کا ابہام اور اشکال باقی نہیں رہتا۔

علوم وفنون میں بالخصوص طلباء اور علماء کے لیے جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے دوسرے مؤلفین کی نسبت قریب الفہم ہیں۔ متوسط درجہ کے اشخاص کو ان کے لیے معلم اور استاذ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بیان القرآن کی زبان علمی ہے، البتہ مواعظ اور افادہ عوام کے لیے آپ کی تصانیف دین اسلام اور شریعت کی دلنشین اور عام فہم انداز میں ترجمانی کرتی ہیں۔

یہ کہنا عام آدمی کے لیے اس میں استفادہ کی کوئی شکل نہیں اور اتنی پیچیدہ علمی زبان ہے لگتا ہے حضرت تھانویؒ کے سامنے اکثر علماء ہوتے تھے یا عوام بھی ایسے جن کا علمی شوق اور شعور بیدار تھا، حقیقت کا منہ چڑانے والی بات ہے۔ ماشاءاللہ اس وقت بھی بے شمار لوگ موجود ہیں جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ آپ کے بیانات اور تحریرات میں کیا مشکل پیش آئی۔ چاہیے تھا مولوی صاحب تقابلاً دونوں حضرات کے بیانات اور تحریرات پیش کرتے تاکہ حقیقت حال کا پتہ چل جاتا۔

ہم نے عرض کیا ہے حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں اگر منطقی اصطلاحات اور مسائل تصوف زیر بحث آئے ہیں تو مولانا روم کی طرح انہیں تمثیل اور مشاہدات کے اسلوب میں واضح کردیا ہے۔ چنانچہ حاضرین میں سے کوئی ایک متنفس بھی ایسا نہ ہوتا جو بات کو سمجھ نہ پاتا ہو۔

فاضل ادیب اور مؤرخ محمد حسن عسکری کی تحریر کا اقتباس

ایک بہت بڑے فاضل ادیب اور مؤرخ محمد حسن عسکری اپنی تحریر میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی علمی وادبی خدمات کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''پھر حضرت مولانا تھانویؒ کی شرح غزلیات حافظ اور شرح مثنوی مولانائے روم

عرصے تک رسالوں میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہیں۔ حضرت کا مقصد تو خیر دینی تھا، لیکن جو چاہے صرف ان دو کتابوں سے شاعری کی پوری تعلیم اخذ کرسکتا ہے بلکہ جو شخص بھی صحیح معنوں میں روایتی شاعری سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، اس کے لیے موجودہ حالات میں واحد ذریعہ یہی دو کتابیں ہیں۔" (۱)

عشق حقیقی اور عشق مجازی کے تعلق پر تصوف کی کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن مولانا تھانویؒ نے ایک نہایت ہی آسان اور عام فہم اسلوب اختیار کیا ہے۔ حضرت نے پہلے تو یہ وضاحت کردی ہے کہ ایک زمانے میں عشق مجازی کو بھی سلوک میں ایک طریقے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، مگر آج کل طبیعتوں میں حرام سے بچنے کی فکر اور تقویٰ نہیں رہا اس لیے یہ طریقہ بھی اب متروک ہے۔ اس کے بعد تصریح فرمائی ہے کہ نفس کے رذائل اور خصوصاً کبر کو جو سب رذائل کی جڑ ہے، دور کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک ایک کرکے دور کیا جائے، مگر اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہے اور اکثر تو سرے سے کامیابی ہی نہیں ہوتی۔ (۲)

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی کو اپنی جامعیت، اختصار، زبان و بیان کی سلاست اور فصاحت کے اعتبار سے اردو تفاسیر میں خاص مقام حاصل ہے۔ اردو زبان میں بے شمار تفاسیر سامنے آئی ہیں اور آرہی ہیں، لیکن وہ اپنے باب میں ایک لاجواب تفسیر ہے۔ تفسیر عثمانی کا اعجاز آج بھی مسلم ہے۔

افریقہ کے سفر میں مودودی صاحب سے پوچھا گیا کہ اردو زبان میں مختصر، آسان اور جامع تفسیر اس وقت آپ کی نظر میں کون سی ہے؟ جواب دیا کہ تفسیر عثمانی۔

تفسیر پر بس نہیں، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اکابر علماء دیوبند خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و افکار کے ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا

(۱) وقت کی راگنی ص ۱۲۰، ۱۲۱ مکتبہ محراب لاہور ۱۹۷۹ء (۲) ایضاً

مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتاویٰ دوسرے تمام فتاویٰ سے فائق ہیں۔ ان فتاویٰ میں زمانہ حال کے مطابق جن مسائل کی ترجیحات کو اختیار کیا ہے، معاصر علما نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان مسائل اور احکام کو سہل انداز میں سمجھایا ہے گویا وہ ایک وعظ و نصیحت کی کتاب ہے۔ ہمارے استاذ حضرت صوفی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ کی اصل زبان یہی ہے۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کی تفسیر کشف الرحمٰن اردو میں ایسی بلیغ تفسیر ہے جس نے اردو زبان میں بڑے لوگوں کو سینکڑوں میل پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

مولانا حسین علیؒ نے کبھی مسئلہ حیات النبی کا انکار نہیں کیا، بلکہ وہ سماع موتی کی حد تک مسئلہ میں بحث سے بھی روکتے تھے

قولہ: "جمہور کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں جسم اور روح کے اعتبار سے زندہ ہیں..... لیکن جو بات آگے آگئی جس کو مولانا حسین علی نے شروع کیا ..... قاری طیب صاحب کے آنے پر مماتی حضرات میں سے مولانا غلام اللہ خان صاحب نے رجوع کرلیا تھا۔"

الجواب: حضرت شیخ مولانا حسین علیؒ کی شخصیت اختلاف سے بالاتر ہے۔ سماع و عدم سماع کے موضوع میں آپ کے تلامذہ و مریدین باوجود اختلاف کے آپ کے اقوال و افادات کا حوالہ نہیں دیتے۔ آپ کا اصل موضوع توحید تھا۔ آپ نے کبھی سماع اور عدم سماع کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے آپ کی وفات پر گہرے رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ میانوالی جو توحید کے

بیان میں سیف عریاں اور تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف جبل الاستقامہ اور اعلاء کلمۃ الحق میں لا یخافون لومۃ لائم کی شان کے حامل تھے، کے سانحہ ارتحال کو ملت کا نقصانِ عظیم خیال کرتے ہوئے دلی حزن وملال کا اظہار کرتا ہے۔"

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بارہا سنا گیا: "مولانا حسین علی صاحبؒ عاشق قرآن اور فنافی التوحید تھے"

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے سماع سے کبھی انکار نہیں کیا

حضرت شیخ القرآن کے بارہ میں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ قاری محمد طیب صاحب کی آمد پر انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔ بتایئے کہ اس سے پہلے انہوں نے انکار کب کیا تھا کہ بعد میں رجوع کر لیا؟ ۱۹۶۲ء میں قاری محمد طیب صاحب کی آمد سے پہلے تعلیم القرآن ماہ ستمبر ۱۹۵۶ء کا حوالہ دیتے ہوئے ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس مسئلہ پر اتفاق واجماع کا اقرار جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کو بھی ہے، چنانچہ ماہنامہ تعلیم القرآن میں تصریح موجود ہے: "باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے سماع کا مسئلہ تو اس میں فریقین کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔" (۱)

حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ بلاشبہ عصر حاضر کے امام اہل سنت ہیں

قولہ: ایک طالب علم نے سوال کیا کہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب نے ان

(۱) المسلک المنصور ص ۱۴۔

(شیعہ) کے کفر کی تین وجوہ بیان فرمائی ہیں تو جواب میں کہا کہ:

"اگر مولانا سرفراز خان نے کہا ہے تو کیا ان سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی؟ مولانا سرفراز خان صاحب ہمارے سر کے تاج ہیں، لیکن انہوں نے ساری عمر منفی پہلو پر لکھا ہے۔ منفی پہلو پر لکھتے لکھتے قلم میں شدت آجاتی ہے۔ ان کی جو کتب ہیں، ان میں بریلویت کا رد، رافضیت کا رد، غیر مقلدیت کا رد، رد، رد، رد۔ ساری زندگی رد میں گزری۔ جو آدمی رد کرتا رہتا ہے، اس کی بات میں شدت آجاتی ہے ..... ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ ایک طبقہ ہوگا جو حب اہل بیت کا دعویٰ کرے گا، ان کا لقب رافضی ہوگا، ان کو قتل کرو، وہ مشرک ہیں..... یہ حدیث غلط ہے، چاہے اس کو مولانا سرفراز خان نے بھی نقل کیا ہے۔"

الجواب: کسی بزرگ کی تنقیص کا عجیب پرفریب انداز ہے کہ پہلے "سر کا تاج" کہہ دیا اور بعد میں معترضانہ تنقید کا نشانہ بناڈالا اور اپنی عادت سے باز نہ آئے اور ان کی خدمات کے عنوان کو بطور استہزاء "رد، رد، رد" سے تعبیر کیا۔ اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مولوی صاحب نے علم وادب کی حدود سے تجاوز کر کے ایک محسن امت کے حق میں ناسپاسی اور ناشکری کا اظہار کیا ہے۔

حافظا علم وادب ورز کہ در خدمت شاہ
ہر کہ را این نہ بود لائق درگاہ نہ بود

شیخ استاذ مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ نے اپنی تصانیف میں فرق باطلہ کے عقائد فاسدہ کا پرزور رد کیا، ان کی دوراز کار تحریف اور تاویلات کا پردہ چاک کیا اور اہل حق کے موقف کو کتاب وسنت کے دلائل وبراہین سے واضح کیا۔ آپ کی تصانیف کا ایک گراں بار ذخیرہ آپ کی خدمات پر شاہد ہے۔ آپ اس حدیث کا مصداق ہیں جس

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر دور میں میری امت کا ایک عادل طبقہ دین اور علم دین کا حامل ہوگا۔ بدعت اور سنت کی پہچان کے جو اصول شیخ نے "راہ سنت" کے مقدمہ میں تحریر کیے ہیں، اہل علم کے لیے نوادرات ہیں۔ احیاء سنت کے سلسلہ میں "راہ سنت" ایک علمی شاہکار ہے۔ اس دور میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ امام شاطبی کی "الاعتصام بالسنۃ" اور محدث اعظم مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی "براہین قاطعہ" کے برابر کا درجہ رکھتی ہے۔ **وللہ درہ حیث لم یؤلف علی نمطہ ومنوالہ مثلہ۔**

بفضلہ تعالیٰ شیخ کا ایک مقام ہے جو اپنے دور میں مقتدایان دین اور پیشوایان اسلام کو حاصل ہوتا ہے۔ اصحاب علم ومعرفت نے امام احمد کے بارے میں فرمایا ہے، ابو حاتم نے کہا:

اذا رأيتم الرجل يحب أحمد بن حنبل فاعلموا أنه من اصحاب السنة (۱)

"اگر کسی کو دیکھو کہ امام احمد بن حنبل سے محبت کرتا ہے تو یقین کرو کہ وہ صاحب سنت ہے۔"

بلاشبہ ہمارے شیخ مدظلہ بھی عصر حاضر کے امام اہل سنت ہیں جن سے محبت والفت مژدہ ایمان اور علامت اتباع سنت ہے اور جن سے بعد وتنافر فسق وبدعت کی ضمانت ہے۔

ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين (رواه البيهقي)

---

(۱) تہذیب تاریخ دمشق کبیر ج ۲ ص ۳۷ طبع بیروت تہذیب الکمال ج ۱ ص ۴۵۷ طبع بغداد

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سلف کے بعد ہر جماعت میں سے اس کا عادل طبقہ کتاب وسنت کے علم کا حامل ومحافظ ہوگا، اس علم سے دین میں حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریف کی نفی کرے گا، دروغ گوئی اور غلط قسم کے دعوے کا رد کرے گا، آیات واحادیث میں بے علم لوگوں کی غلط تاویل کی تردید کرے گا۔" (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم دین کی تعلیم اور نشرواشاعت کی طرح اسے ردّوبدل، اس کی صحیح شکل وہیئت کو مٹانے اور حق وباطل میں تلبیس واختلاط سے بچانا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح باطل طبقہ کے جھوٹے دعاوی کا رد کرنا، ہواپرست وجاہل لوگوں کی دین میں غلط تاویلات کا جواب دینا اور امت مسلمہ کو غالی لوگوں کی تحریف سے بچانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح دین کی تبلیغ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس لیے جب دین حق، باطل کی آمیزش اور اس کے اختلاط سے محفوظ نہیں رہے گا تو اس کی تعلیم وتبلیغ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے اسلام میں جدال اور قتال دونوں کی اہمیت مسلم ہے۔ جدال احسن سے دین کا دفاع کیا جاتا ہے اور قتال سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت۔ اگر اسلام میں مناظر، مجاہد، حق گو اور بے باک علماء اور جدال احسن کرنے والے غیور لوگ نہ ہوتے تو اسلام ہم تک اپنی صحیح شکل وصورت اور ہیئت کذائیہ میں نہ پہنچتا۔

شیخ مدظلہ نے جس حدیث کی توثیق کی ہے، اسے محض زبانی طور پر رد نہیں کیا جاسکتا

مولوی صاحب نے آخر میں جس حدیث کی تغلیط کی ہے، مجمع الزوائد کے مولف نے اسے بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے اور اس حدیث کی اسناد کو حسن لکھا ہے۔ شیخ مدظلہ نے

---

(۱) مشکوۃ ص ۳۶ ج ۱

اسے نقل کیا ہے۔ آپ کو بلا وجہ تغلیط کرنے کا کیا حق ہے؟ شاید اپنے غالی معتقدین کے ہاں آپ حجت ہوں، لیکن دلیل کے میدان میں ثقہ اور حجت نہیں۔

قولہ: ''جھنگوی صاحب، اعظم طارق، علی شیر حیدری، ضیاء الرحمٰن فاروقی وغیرہ سب اہل حق ہیں۔ دین کا درد اور جذبہ رکھتے ہیں لیکن ان کا طریقہ غلط ہے۔ یہ اجتہادی غلطی پر ہیں ..... یہ حضرات اپنی قربانیوں کی وجہ سے اللہ سے صلہ پائیں گے لیکن ان کا طرز صحیح نہیں تھا۔''

الجواب: مولوی صاحب نے سپاہ صحابہ اور جملہ جہادی تنظیموں کو بلا دلیل ظالموں میں شمار کیا۔ مجاہدین مخلصین کو کفار کی صف میں کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو معتوب اور قابل گردن زدنی قرار دیا۔ آیت **فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون** کا مصداق ٹھہرایا۔ اب کہتے ہیں یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے۔ اپنی قربانیوں کا اللہ تعالیٰ سے صلہ پائیں گے۔ اگر یہ ظالم ہیں تو اللہ تعالیٰ سے صلہ کیوں کر پائیں گے؟

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (الحدیث)

باب نمبر ٦

مسلک احناف

☆امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ترجیحات

☆طلاق ثلاثہ ☆طلاق مکرہ

مولوی صاحب کی امام اعظمؒ کے مَوقف سے ناواقفیت

قولہ: ''وہ مجھے کہنے لگے: قَدْ سَبَقَتْ مَرْجُوحِیۃُ مَذْھَبِ اَبِی حَنِیفَۃ۔
میں نے کہا مرجوح ہے ہمیں قبول ہے اب ہم دوبارہ تحقیق میں کہاں پڑیں گے
بس جو ہو رہا ہے ٹھیک ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ چلتے رہے تو اللہ جنت میں پہنچا
دے گا۔ اب ہمیں تحقیق کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ مرجوح ہے یا راجح''

الجواب: ایک غیر مقلد کے کہنے سے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب مرجوح ہے، مولوی صاحب نے اسے تسلیم کر لیا ہمیں قبول ہے۔ یہ مولوی صاحب کی امام ابوحنیفہؒ کے موقف سے ناواقفیت ہے یا تجاہل، کیونکہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک ترجیح امر اول ہے۔ ترجیحی بنیاد پر یہ چاروں مسالک ایک دوسرے سے ممتاز اور مستقل قرار پائے جن کی بنیاد ادلہ اربعہ پر ہوتی ہے، خصوصاً فقہاء حنفیہ قول راجح پر فتویٰ دینے کو ضروری سمجھتے ہیں اور قول مرجوح کو ساقط اور کالعدم قرار دیتے ہیں اور اگر قول راجح کو چھوڑ دیں تو پھر کسی شخص کو شریعت کی تابعداری اور اتباع پر پابند نہیں کیا جا سکتا۔ جو چاہے گا، اپنی خواہش پر کسی مرجوح قول کو اپنا لے گا اور یہ نفس پرستی ہوگی جس کو فقہاء نے حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں وضاحت کی ہے۔

اختلافی مسائل میں ائمہ فقہاء کے دلائل بیان کر کے اپنے مَوقف کو ترجیح دینا ضروری ہے، نہ کہ جو جسے چاہے اختیار کرے

قولہ: ''اصول فقہ میں ہر ایک کا اختلاف ہے کیونکہ یہ خالص اجتہادی چیز ہے...... اہل سنت و جماعت ایک چیز ہیں۔ آگے ہر ایک کی اپنی اپنی ترجیحات

ہیں، یہ اعمال کی مختلف شکلیں ہیں۔"

"ابن تیمیہؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تین طلاق کو ایک کہا۔ ابن قیمؒ اس کے قائل ہوئے۔ اب چونکہ دونوں غیر مقلدین کے اسلاف میں سے ہیں، اس لیے وہ کہیں ایک کی لے لیتے ہیں اور کہیں دوسرے کی۔ ہمارا بھی تو یہی حال ہے کہ کہیں امام ابو یوسفؒ کی، کہیں ابوحنیفہؒ کی لے لیتے ہیں۔"

الجواب: یہ ہے مولوی صاحب کی علمیت اور امتیاز، حق پر ثبات اور حنفیت۔ کہاں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور کہاں علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ! علماء احناف نے طبقات فقہاء لکھ کر ہر دور کے فقہاء کی ترجیحات بیان کی ہیں۔ آداب فتاویٰ میں ترتیب کے مطابق طبقہ اُولیٰ کو ترجیح حاصل ہے، پھر طبقہ ثانیہ کو۔ مولوی صاحب نے فقہاء کی ان ترجیحات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔

مولوی صاحب کو چاہیے تھا سوال میں جن مختلف فیہ امور کا طلباء نے ذکر کیا ہے، اپنے مؤقف کے مطابق ہر مسئلہ کی دلیل بیان کرتے اور اسے دلائل سے ترجیح دیتے۔ یہ کیا ہوا یہ بھی جائز وہ بھی جائز۔ یہ بھی اہل حق اور وہ بھی اہل حق۔ جواب میں صرف یہ کہہ دینا علامہ ابن حزم، امام داؤد ظاہری اور علامہ شوکانی وغیرہم اصحاب ظواہر ہر دور میں چلے آئے۔ یہ کہہ دینا کہ یہ اہل حق میں سے ہیں، کفایت نہیں کرتا۔ جہاں کوئی اختلاف دیکھا تو اپنی خواہش کے مطابق کسی ایک قول کو لے لیا اور یہ خیال تک نہ کیا اس میں کون سا قول کتاب و سنت کے مطابق ہے، ہمارے امام کے ہاں اس مسئلہ پر کون کون سے دلائل ہیں اور دوسرے ائمہ کے دلائل سے ہمارے امام کے دلائل کی کون سی ترجیحات ہیں، اس آزادی و بے راہ روی سے گمراہی پھیلتی ہے۔

نیز کہتے ہیں: "ابن تیمیہؒ مجتہد مطلق تھے، اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرتے تھے"۔

ابن تیمیہؒ نہ تو آٹھ تراویح کے قائل تھے اور نہ غیر مقلدین کی طرح فاتحہ خلف الامام

کے۔ ان دو مسائل کی ابن تیمیہؒ کی طرف نسبت مولوی صاحب کی ناواقفیت اور علمی کم مائیگی کا واضح ثبوت ہے بلکہ وہ حنبلی تھے۔ حنابلہ کے ہاں بیس تراویح ہیں اور جہری نمازوں میں وہ فاتحہ کے قائل نہیں۔

ذرا مجتہد مطلق کی تعریف تو کر لی ہوتی تا کہ پتہ چلتا اس کا مقام امام ابوحنیفہؒ کے برابر ہے یا ان سے کم۔ اور امام ابو یوسفؒ پر تو بہر حال مولوی صاحب نے علامہ ابن تیمیہؒ کو ترجیح دی ہے۔ اتنا بڑا دعویٰ تو ابن تیمیہؒ نے بھی نہیں کیا۔

طلاق ثلاثہ میں علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف جمہور صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ کے خلاف ہے

فقہاء نے لکھا ہے جو شخص باوجود علم کے اپنی مطلقہ ثلاثہ سے مباشرت کرتا ہے، اس نے حد کا ارتکاب کیا اور جو اسے حلال سمجھتا ہے، اس کے متعلق علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے: **لا یبعد إکفاره**، ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت کرنا بعید نہیں۔ جمہور صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ اربعہؒ اور سلف وخلف طلاق ثلاثہ کے واقع ہو جانے کے قائل ہیں اور یہی قرآن وحدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے، اس کا قول مردود ہے۔

حضرت شیخ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں علامہ ابن تیمیہؒ کی علمی شان تکنے لگوں تو میری پگڑی پیچھے سے اتر جائے گی، لیکن اگر کبھی وہ دار العلوم دیو بند میں آ گئے تو میں انھیں کسی کمرے میں گھسنے نہیں دوں گا اور کہوں گا، جناب! اس مسئلہ میں آپ نے ٹھوکر کھائی ہے۔ آؤ مجھ سے بحث کر لو۔

اس مسئلے پر اجمالی بحث پیش خدمت ہے۔

حلال وحرام میں امتیاز کیے بغیر، نفسانی خواہشات اس قدر غالب ہوگئی ہیں جب ایک حنفی آدمی تین طلاقیں دے کر پچھتاتا ہے تو کسی غیر مقلد کے پاس جا کر لکھوا لیتا ہے

تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ وہ حدیث مسلم کے حوالے سے لکھ دیتا ہے کہ رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ اور حضرت عمرؓ کے اوائل زمانہ میں جو شخص تین طلاقیں دیتا تھا، وہ ایک سمجھی جاتی تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم صدر جمعیت اہل حدیث گوجرانوالہ نے اپنے ایک فتویٰ میں اس حدیث کا حوالہ دیا۔ راقم الحروف نے اس پر بطور تنقیح لکھا "جو شخص تین طلاقیں دیتا تھا، اسے ایک سمجھا جاتا تھا" یہ حدیث میں مذکور کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟ اس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غیر مقلد حضرات اس پر فوراً یہ کہہ دیتے ہیں یہ حضرت عمرؓ کا فتویٰ ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانیں یا عمرؓ کی۔ یہ ہے ان کی حدیث فہمی اور اس پر عمل۔

۱) أنّ رجلا قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطليقة فماذا ترى عليّ؟ فقال له ابن عباس طُلِّقت منك بثلٰث واما سبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا (۱)

"ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ آپ میرے اوپر کیا حکم لگاتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا، تجھ سے اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں اور باقی رہیں ستانوے طلاقیں، ان کے ساتھ تو نے اللہ کی آیات سے مزاح کیا۔"

۲) عن طاؤس عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلم و ابی بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة۔ فقال عمر بن الخطاب: ان النّاس قد استعجلوا فی امر كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم (۲)

(۱) موطا امام مالک، کتاب الطلاق، حدیث اول، ص ۱۹۹، مطبع مجتبائی

(۲) مسلم شریف۔ جلد اول ص ۴۷۷، طبع قدیمی کتب خانہ

"طاؤس، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے دور اور عمرؓ کی خلافت کے پہلے دو سال میں طلاق یعنی طلاق ثلاثہ ایک تھی۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے کام میں جلدی کی جس میں ان کے لیے وسعت اور گنجایش تھی۔ اگر ہم اس تین طلاق کو ان پر نافذ کر دیں تو اس طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔"

اہل ظواہر کا کہنا ہے کہ تین طلاقیں پہلے ایک تھیں یعنی جو تین طلاقیں دیتا تھا، اسے ایک سمجھا جاتا تھا تو عمرؓ نے انہیں تین نافذ کر دیا، لہٰذا ہمارے لیے رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کا اتباع ضروری ہے، اس کے مقابلے میں عمرؓ کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ درحقیقت ان حضرات کے فہم اور شعور کا قصور ہے۔ حدیث کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے کہ ان حضرات کے زمانے میں جو تین طلاقیں دیتا تھا، اسے ایک سمجھا جاتا تھا۔ یہ مفہوم کسی ایک لفظ سے بھی نہیں نکلتا، بلکہ حدیث کے ان الفاظ سے جو مطلب واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک تھیں یعنی لوگ اکٹھی تین طلاقوں کی بجائے ایک طلاق دیا کرتے تھے اور اس زمانہ خیر میں لوگوں کو تین طلاقیں دینے کی عادت ہی نہیں تھی۔ (۱)

قال الله تعالىٰ : الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (۲)

"طلاق دو بار ہے اور اس کے بعد دستور کے مطابق روک رکھنا ہے یا اچھے طریقے سے رخصت کرنا ہے۔"

تو حکم خداوندی کے مطابق ایک بار یا دو بار طلاق دینے کی عادت تھی اور تین طلاقیں اکٹھی دینے کی عادت نہیں تھی۔

(۱) الاشفاق علی احکام الطلاق للعلامہ زاہد الکوثری، ص ۵۳ (۲) البقرہ، ۲۲۹

٣) عن محمود بن الربيع قال أُخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجلٍ طلق امرأته ثلٰث تطليقات جميعاً فقام غضبان ثم قال: أيُلعب بكتاب الله عزّوجل وأنا بين اظهر كم؟ حتى قام رجل فقال يا رسول الله ألا اقتله؟ (١)

''محمود بن ربیع راوی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے بارہ میں اطلاع دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو آپ غصے سے کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا اللہ کی کتاب سے کھیلا جاتا ہے اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ حتیٰ کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا یارسول اللہ میں اسے قتل نہ کردوں؟''

اس روایت سے معلوم ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اکٹھی تین طلاقیں دینے کا رواج نہ تھا، ورنہ جب آپ کو یہ ہنگامی خبر دی گئی تو آپ اس قدر غصہ نہ ہوتے اور مجمع میں سے ایک شخص اس کے قتل پر آمادہ نہ ہوتا اور آپ سے اس کے قتل کی اجازت نہ مانگتا۔

لہٰذا حدیث مسلم شریف کا یہ مفہوم لینا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے اوائل زمانہ میں تین طلاقیں دی جاتی تھیں اور اسے ایک سمجھا جاتا تھا، صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک معاملہ جس میں وسعت تھی، شوہر ایک طلاق دیتا ہے یا دو، لیکن لوگوں نے اس میں جلدی کی اور تین طلاقیں اکٹھی دیں تو ان پر اللہ کا حکم نافذ کیوں نہ کروں۔ تو آپؓ نے تین طلاقوں کو تین قرار دے دیا۔ اس صورت میں حضرت فاروق اعظمؓ کا فتویٰ بھی وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یاد رہے کہ مسلم کی روایت میں مرکزی راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ اگر حدیث کا وہ مفہوم ہوتا جو غیر مقلدین لیتے ہیں کہ جو تین طلاقیں دیتا تھا، اسے ایک سمجھا جاتا تھا تو ہم نے امام

(١) مشکوٰۃ، ج ٢، باب الخلع والطلاق، ص ٢٨۴، طبع قدیمی کتب خانہ

مالک سے حضرت عبداللہ بن عباس کی جو حدیث نقل کی ہے، وہ اس کے خلاف پڑتی ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک راوی حدیث جو محدث اور فقیہ بھی ہو، اپنے فتویٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خلاف کرے؟

عقلی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں تین ہونی چاہییں۔ لین دین میں تین کا عدد اپنے مفہوم میں قطعی ہے۔ تین ہوتا ہے، تین سے کم وبیش نہیں۔ ہر عدد اپنی ذات پر خود دلالت کرتا ہے، کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سورج کی ذات دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلی بایدت رو از وی متاب

حضرت مولانا لال حسین اخترؒ فرماتے تھے: ایک پادری نے گرجے میں بڑے زور وشور سے کہا کہ ہمارا تثلیث کا عقیدہ توحید کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ تین میں ایک ہوتا ہے اور ایک میں تین۔ اس نے اس کو بڑے مدلل انداز میں پیش کیا۔ کچھ دیر بعد وہی پادری بک اسٹال پر کتابیں فروخت کر رہا تھا۔ میں نے ایک کتاب اٹھائی اور اسے ایک روپیہ دیا۔ کہنے لگا مولوی صاحب! اس کتاب پر قیمت تین روپے لکھی ہے۔ میں نے کہا، میں نے تین روپے دیے ہیں۔ ابھی آپ نے تقریر میں ثابت کیا ہے کہ ایک میں تین ہوتے ہیں۔ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا، ایسی بات مذہب میں چلتی ہے، لین دین میں نہیں۔

طلاق کا معاملہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ جس پر حلال وحرام کا مدار ہے اور اسی پر اولاد کے جائز وناجائز ہونے کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ خصوصاً تین طلاقیں جس سے مطلقہ حرام مغلظ ہوجاتی ہے، اس میں تین کو ایک قرار دینا شریعت کو سمجھنے میں بڑی غلطی، بے باکی اور بہت جسارت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

طلاق مکرہ میں حنفیہ کا موقف اور اس کی دلیل

قولہ: ''اگر وہ تین طلاق کو ایک سمجھتے ہیں اور اس کے بعد وہ رجوع کرتے ہیں، تو ان کے نزدیک ٹھیک ہے، ہمارے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔ تم بھی مکرہ کو جائز قرار دے کر گھر اجاڑ دیتے ہو، جبکہ تمہارے پاس دلیل کوئی نہیں طلاق مکرہ کی۔ اپنے فتوے ان پر مسلط نہ کرو، نہ ان کے فتووں پر عمل کرو۔ ہر مذہب میں کمزور وقوی روایات ہوتی ہیں۔''

الجواب: مولوی صاحب نے طلاق مکرہ کے متعلق حنفیہ کے موقف اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے متعلق نہایت عامی انداز اختیار کیا ہے۔ اتنی اہمیت بھی نہیں دی جتنی حاجی عبدالوہاب صاحب کے ملفوظات کو۔ کہتے ہیں ان کی صحبت سے نفع اٹھانے کے جو اوزار ہیں، وہ ہمارے پاس ہیں ہی نہیں۔ اتنا ہی باور کر لیتے کہ حنفیہ کے موقف اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کو سمجھنے کے لیے جن اوزاروں کی ضرورت ہے، وہ ہمارے پاس ہیں ہی نہیں، لیکن بیک بنی ودوگوش اپنے آپ کو حنفیت سے سبکدوش کر کے بول اٹھے: ''حنفیو! تم مکرہ کو جائز قرار دے کر گھر اجاڑ دیتے ہو، جبکہ تمہارے پاس دلیل کوئی نہیں طلاق مکرہ کی۔''

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ طلاق کا دارومدار مکلف ہونے کے ساتھ الفاظ پر ہے اور طلاق مکرہ میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (۱)

اس کے بعد فرمایا:

(۱) سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (۱)

جبکہ اس کے خلاف کوئی ایک حدیث بھی اپنے موضوع میں صحیح اور بطور نص نہیں پائی جاتی۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ ضعیف حدیث کو بھی قیاس اور رائے پر فوقیت دیتے ہیں۔

"واصحاب ابی حنیفة رحمه الله مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة أن ضعیف الحدیث عنده أولی من القیاس والرأی، وعلی ذلك بنی مذهبه، كما قدّم حدیث القهقهة مع ضعفه علی الرأی، وقدم حدیث الوضوء بنبیذ التمر فی السفر مع ضعفه علی الرأی والقیاس" (۲)

حنفیہ کے موقف کو رد کرنے کے باوجود بھی اپنی صفائی پیش کرتے ہیں کہ میں غیر مقلدیت کا وکیل نہیں ہوں۔

طلاق مکرہ کے سلسلے میں احناف کے مسلک پر صحابہ اور تابعین سے متعدد روایات منقول ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر ذکر مناسب ہوگا۔

شعبیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو طلاق پر مجبور کیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

۱۔ حکی ایضا وقوع طلاق المکره عند النخعی وابن المسیب والثوری وعمر بن عبد العزیز وابی حنیفة واصحابه (۳)

''ابراہیم نخعی، ابن المسیب، سفیان ثوری، عمر بن عبدالعزیز، ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد سب کہتے ہیں کہ طلاق بالاکراہ واقع ہو جاتی ہے۔''

(۱) سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰ (۲) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۸ (۳) نیل الاوطار ج۷ ص ۲۰۱

قاضی شوکانی مالکیہ کے مسائل میں سے ایک صورت یہ نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کی ضروریات معاش ادا نہ کر سکے تو عورت حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرے تاکہ حاکم خاوند کو عورت کے اخراجات معاش ادا کرنے پر مجبور کرے یا طلاق پر:

۲۔ روی عن المالکیة فی وجه لهم انها ترافعه الی الحاکم لیجبره علی الانفاق او یطلق عنه (۱)

۳۔ عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه انه قال سالت اثنی عشر رجلا من اصحاب النبی عن رجل یولی قالوا لیس علیه شئ حتی تمضی اربعة اشهر فیوقف فان فاء والا طلق (۲)

"سہیل اپنے باپ ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ صحابہ سے پوچھا کہ جو شخص ایلاء کرے، اس کا کیا حکم ہے۔ سب نے فرمایا ایلاء کرنے والے پر کوئی چیز عائد نہیں ہوتی یہاں تک کہ چار مہینے گزر جائیں۔ تو اس کے بعد خاوند کو موقع دیا جائے کہ وہ عورت کی طرف رجوع کرے تو بہتر، ورنہ اس سے جبراً طلاق حاصل کی جائے۔"

۴۔ عن عمر: اربع مبهمات مقفلات لیس فیهن رد: النکاح والطلاق والعتاق والصدقة۔ (۳)

۵۔ قال عمر: اربع جائزات اذا تکلم بهن: النکاح والطلاق والعتاق والنذر۔ (۴)

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ نکاح، طلاق، عتاق اور صدقہ چاروں ایسی چیزیں ہیں کہ جب زبان پر آ جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں، خواہ

(۱) نیل الاوطار ج۶ ص۲۷۶ (۲) ایضاً ص۲۱۰
(۳) فتح القدیر ج۳ ص۴۰ (۴) حاشیہ الروض المربع

خوشی اور ارادہ سے ہوں یا بغیر خوشی وارادہ کے۔

۶۔ قال علی: اربع لا غلب فیهن: الطلاق والعتاق والنکاح والنذر (۱)

یعنی حضرت علی کے نزدیک طلاق، عتاق، نکاح، نذر چاروں میں اکراہ اور جبر کو غیر مشروع نہیں کہا جا سکتا۔

۷۔ اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم فی الرجل یجبره السلطان علی الطلاق او العتاق فیطلق او یعتق وهو کاره، قال هو جائز ولو شاء الله لابتلاه بما هو اشد من ذلك، قال یقع کیف ما کان۔ (۲)

اگر بادشاہ کسی کو طلاق یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کرے تو طلاق اور عتاق واقع ہو جائیں گے، اگرچہ وہ مجبوری سے ایسا کر رہا ہے۔ گویا یہ اس کے لیے تکلیف دہ ہے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اسے شاید اس سے بھی زیادہ تکلیف اٹھانا پڑتی، لہٰذا طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۱) حاشیہ الروض المربع (۲) العدل گوجرانوالہ، ۱۵/جون ۱۹۳۲ء

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (الآية)

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد (الحدیث)

باب نمبر ۷

فرق مختلفه

☆رافضیت ☆رضاخانیت ☆مودودیت ☆غیرمقلدیت

کفر کے تقابل میں ایک سے اغماض اور صرف نظر

دوسرے کو مدمقابل سمجھنا کیا ہی غلط نظریہ ہے

قولہ: ''مجھے مولوی الیاس نے بتایا۔ میں نے اس طالب علم سے کہا: الدین النصیحة، اس کا عام مفہوم تو خیر خواہی ہے۔ تم کسی کافر کی، فاسق کی خیر خواہی کیا کرو۔ جنت میں جاؤ گے، جہنم میں؟ کہنے لگا جنت میں۔ تو میں نے کہا شیعہ کو کافر ٹھہرانا۔ یہ اس کو جنت پہنچانے کا راستہ ہے یا جہنم تک؟ خاموش! میں نے کہا عیسائی بڑے کافر ہیں یا شیعہ؟ کہنے لگا عیسائی۔ میں نے کہا عیسائیوں کے خلاف نفرت کرو۔ یہ تو صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ وہ تو اللہ کا بیٹا بناتے ہیں۔ اللہ کا بیٹا بنانا بڑا جرم ہے یا ابوبکر و عمرؓ کو کافر کہنا بڑا جرم ہے؟''

الجواب: مولوی صاحب طرح طرح کے عنوان قائم کر کے حضرات شیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر طعن و تشنیع سے باز نہیں آتے۔ کیا ہی غلط نظریہ ہے کفر کے تقابل میں ایک کفر سے اغماض اور صرف نظر دوسرے کو مدمقابل سمجھنا۔ الکفر ملة واحدة۔

قال اللہ تعالی: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔ (۱)

''کافر لوگ، بعض بعض کے دوست ہیں اور (اے مسلمانو!) اگر تم نے آپس میں عہد و پیمان نہ کیا تو زمین میں فتنہ و فساد کبیر ہو گا۔''

اگر یہی بات ہوتی جو مولوی صاحب نے کہی ہے تو ہمارے اسلاف اپنے دور میں جبریہ، قدریہ، مشائیہ، معتزلہ، قادیانی، رافضی، خارجی، ناصبی، غالی، بدعتی وغیرہم فرق

---

(۱) سورۃ الانفال آیت ۸۳

باطلہ کے رد وتردید کو درخور اعتنا نہ سمجھتے اور ان کے غلط شبہات اور دور از کار تاویلات کے جواب میں علم کلام وضع نہ کرتے۔ صرف اتنی بات کافی تھی کہ یہودیت اور عیسائیت بہت بڑا فتنہ ہیں، سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان سے بغض ونفرت رکھنا چاہیے۔

دنیا کے کسی بھی ملک اور علاقے میں جو فتنہ اٹھا، اس کے اثرات سے لوگوں میں عام گمراہی پھیلی۔ نہ صرف عامۃ المسلمین بلکہ خواص میں بھی اس گمراہی کو قبول کرنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو سب سے پہلے اس کا قلع قمع کرنا ضروری سمجھا گیا۔ جب ہم اکابر امتؒ، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور علمائے سلف وخلف کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگی میں یہی اصول کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ عقائد ونظریات اور اعمال وافعال میں جب انہوں نے گمراہی اور الحاد کو پنپتے ہوئے دیکھا تو بروقت اس کے خلاف ایکشن لیا اور حتی الوسع اسے بڑھنے سے روکا۔ اس طریقہ سے اسلام کا دفاع کیا حتی کہ امت کے اس آخری طبقہ کو اسلام کے صحیح خدوخال اور حسن وجمال سے روشناس کرایا۔

روافض کو یہود ونصاریٰ کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ اہل کتاب نہیں بلکہ الحاد وزندقہ کی مد میں آتے ہیں

اگر کوئی شخص مولوی صاحب کے خیال کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ کہے کہ یہود ونصاریٰ تو پھر بھی اہل کتاب ہیں، ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے مناکحت جائز ہے۔ خدا تعالیٰ کا انکار کرنے والے اور ''اس کائنات کا خالق، صانع اور مالک کوئی نہیں'' کا عقیدہ رکھنے والے دہریہ، آتش پرست مجوسی، ستارہ پرست صابی، ہندو اور بدھ مت سب سے بڑے کافر ہیں، ان کا قلع قمع کرنا سب سے زیادہ اہم ہے، یہود ونصاریٰ ان کے مقابلے میں ہیچ ہیں تو پھر اس سوال کے جواب میں مولوی صاحب کا کیا ردعمل ہوگا؟

اسی طرح اگر مولوی صاحب سے کہا جائے کہ رافضی شیخینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی تکفیر کرتے ہیں، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر افتراء کے مرتکب ہیں اور ائمہ اثناعشریہ کو انبیاء کی طرح معصوم عن الخطاء اور مفروض الطاعت سمجھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ سے بھی بڑے کافر ہیں۔ یہ کتاب اللہ کی لفظی ومعنوی تحریف کے مرتکب ہیں۔ قرآن مجید کی تحریف، توراۃ کی تحریف سے شدید قبیح ہے۔ یہودی اپنی کتاب میں تحریف کے باوجود ہماری شریعت میں اہل کتاب ہیں۔ یہ لوگ حاملین کتاب، اصحاب رسول کو منافق خیال کرتے ہیں اور اپنے ائمہ کو رسالت کے منصب پر فائز سمجھتے ہیں جیسا کہ امام شاہ ولی اللہؒ نے مسوی شرح مؤطا میں اور امام مجدد الف ثانیؒ نے اپنے رسالہ رد رفض میں لکھا ہے۔ تو یہ الحاد اور زندقہ ہے۔ انہیں کسی حال میں بھی اہل کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان سے مناکحت جائز ہے۔ اور اس امت میں ان کا فتنہ یہود ونصاریٰ سے بڑھ کر ہے(۱) تو اس سوال کا مولوی صاحب کے پاس کیا جواب ہے؟

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

کیا وہ اسی کو الدین النصیحۃ سمجھتے ہیں؟ کیا دینی خیرخواہی یہی ہے کہ کسی کے دل میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی گمراہ طبقے سے نفرت اور بغض ہے تو غلط تاویل سے اسے مداہنت میں بدل دیا جائے؟ میں کہتا ہوں ایسی نفرت جس کا منشاء خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو، عین ایمان ہے۔

عن ابی امامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من احب لله وأبغض لله واعطى لله ومنع لله فقد استكمل الايمان (۲)

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کا رسالہ مسئلہ ختم نبوت مطالعہ فرمائیے۔

(۲) مشکوۃ کتاب الایمان ص ۱۴

"ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کے لیے کسی سے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے لیے بغض رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے دیتا ہے اور اللہ کے لیے روکتا ہے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔"

شیعوں کی مناکحت کے بارہ میں مفتی کفایت اللہؒ کا فتویٰ

مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے شیعوں کی مناکحت کے بارہ میں اپنے فتاوی کفایت المفتی میں تحریر فرمایا ہے:

"شیعہ اگر حضرت علیؓ کو دوسرے صحابہؓ پر فضیلت دیتا ہے، بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں تو یہ کافر نہیں ہے اور ایسے شیعہ کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علیؓ یا افک صدیقہؓ کا قائل ہو یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو، محبت صدیقؓ کا منکر ہو تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے، اس لیے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول میں سے ہے یا قسم دوم میں سے۔ اس لیے لازم ہے کہ شیعوں کے ساتھ مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے۔ شیعہ لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح ہو سکتا ہے، لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے، اس لیے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔"(۱)

مولوی احمد رضا خان بریلوی کے بارے میں
حضرت گنگوہیؒ اور مولانا تھانویؒ کے فتاویٰ

قولہ: "بریلویوں کا عقیدہ ان کو اسلام میں داخل رکھتا ہے۔ امام احمد رضا کے متعلق میں نے مولانا عبداللہ صاحب سے سنا کہ اس کی تحریروں میں کفر نہیں

(۱) کفایت المفتی ص ۲۸۹ ج طبع دارالاشاعت کراچی

ہے، وہ صرف جذبہ عشق میں بدعت کی حد تک پہنچے۔"

الجواب: مرزا قادیانی مدعی نبوت کے سوا ہمارے اکابر علماء ہند نے کسی کی شخصی تکفیر نہیں کی۔ تکفیر میں فقہاء نے احتیاط سے کام لیا ہے اور حتی الوسع اس سے پہلوتہی کی ہے۔ طبقات امت کی اصلاح کے سلسلہ میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اہل اسلام کی تکفیر کرنا ائمہ ضلالت و بدعت کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔ یہ ان کا اوچھا ہتھیار ہے جو وہ ہر اس طبقے یا اشخاص کے خلاف استعمال کرتے ہیں جو فروع میں ان کا مخالف ہو۔ یہ فتنہ اب اس امت میں بہت پھیل چکا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی فراست ایمانی سے اس فتنہ کی تردید میں آج سے بہت پہلے سعی فرمائی اور اپنے متبعین کو احتیاط کا حکم دیا۔ آپ کے تلمیذ خاص ابومطیع بلخیؒ کہتے ہیں میں نے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ سے پوچھا فقہ اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

لا تكفر احدا بذنبه ولا تنف احدا من الايمان (۱)

"کسی کی اس کے گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرو اور نہ اس کے ایمان کی نفی کرو۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

فمن عيوب اهل البدع تكفير بعضهم بعضا ومن ممادح اهل العلم انهم يُخَطِّئون ولا يُكَفِّرون۔ (۲)

"اہل بدعت کے عیوب میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اہل علم کی صفات میں یہ ہے کہ وہ خطا کی نسبت کرتے ہیں اور تکفیر نہیں کرتے۔"

مولوی احمد رضا خان بریلوی نے ہمارے اکابر علماء دیوبند پر افترا پردازی کر کے ان کی عبارات بدل کر علماء حرمین سے کفر کے فتوے حاصل کیے اور بڑے فخر سے ان کو

(۱) نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر ص ۸۹ بروایۃ ابی مطیع البلخی، مطبوعہ مجلس علمی کراچی

(۲) منہاج السنۃ ج ص ۶۳

ہندوستان میں شائع کرایا اور خود بھی بڑی شدومد سے ان کی تکفیر کی۔ لکھتے ہیں:

"نذیر حسین دہلوی وامیر احمد سہسوانی وامیر حسن سہسوانی وقاسم نانوتوی ومرزا غلام احمد قادیانی ورشید احمد گنگوہی واشرف علی تھانوی اور ان کے سب مقلدین و متبعین و پیروان ومدح خوان، باتفاق علماء اعلام کافر ہوئے اور جو ان کے کفر میں شک کرے، وہ بھی بلاشبہ کافر ہے۔"(۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی وغیرہ، ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، نہ شک کی مجال بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح اور کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے، اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں۔"(۲)

"سید احمد، خلیل احمد، اشرف علی کے کفر میں جو شک کرے، وہ خود کافر ہے۔ من شك فى كفره وعذابه فقد كفر ۔(۳)

لیکن اس کے جواب میں ہمارے بزرگوں نے اپنی عبارات کی تفصیل اور اپنے اصل مطلب کی توضیح کی اور مولوی احمد رضا خان کے اخذ کردہ کفریہ مطالب سے برأت کا اعلان کیا، لیکن اس کے باوجود اس کی شخصی تکفیر نہیں کی۔ البتہ تکفیر کے اصول اور فروع کے ضمن میں قواعد کی رو سے جو شخص کفر وشرک کا مرتکب ہوا اور ان افراد میں داخل ہوا جن پر قاعدہ کا انطباق اور اطلاق ہوتا ہو تو وہ خود بخود تکفیر کی زد میں آجائے تو یہ اور بات ہے۔ مولوی احمد رضا خان بریلوی کی تکفیر کا حال بھی کچھ اس طرح ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے شیخ استاذ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاویٰ رشیدیہ سے

(۱) عرفان شریعت، حصہ دوم، ص۲۹ (۲) حسام الحرمین ص۱۳۱ و فتاویٰ افریقہ ص۱۰۹

(۳) الملفوظات حصہ اول ص۹۷

بعبارتہ سوال اور اس کا جواب مطالعہ فرمائیے۔

سوال ا: حضور فرماتے ہیں کہ جو شخص علم غیب کا قائل ہو،، وہ کافر ہے۔ حضرت جی آج کل تو بہت آدمی نماز پڑھتے ہیں، وظائف بکثرت پڑھتے ہیں، مگر رسول اللہ کا میلاد میں حاضر رہنا و حضرت علیؓ کا ہر جگہ موجود ہونا، دور کی آواز کا سننا مثل مولوی احمد رضا خان بریلوی کے جنہوں نے رسر۔ علم غیب لکھا ہے کہ جو نمازی اور عالم بھی ہیں، کیا ایسے شخص کافر ہیں، ایسوں کے پیچھے نماز پڑھنی اور محبت دوستی رکھنی کیسی ہے؟

الجواب: جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے کا علم جانے، وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول، محبت مودت سب حرام ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (۱)

ذرا غور فرمائیے کہ اس بیان سے زیادہ مولوی احمد رضا خان کے عقیدہ کفریہ کا ثبوت اور کیا ہوگا اور حضرت گنگوہیؒ کے اس فتوی کے مقابلہ میں دوسرے کس شخص کا قول معتبر ہوگا؟

فتاوی امدادیہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے مولانا عبدالواحدؒ صاحب وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان افتراء پردازوں کے دام فریب سے بچانے کے لیے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، صرف احکام شرعی کا اظہار جو مختصر الفاظ میں ہو، کافی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حضرت اقدس کی اجازت سے سوالات متذکرہ صدر کے بارہ میں مفصل جواب حوالہ قلم کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح کے مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں جن کا حضرت شیخ قدس اللہ سرہ (شیخ عبدالقادر جیلانی) کی منقبت میں نظم کیا جانا مشہور ہے غلط اور رد کیے جانے کے

(۱) فتاوی رشیدیہ ج ص ۱۴، ۱۵

قابل ہیں۔

؎ بنالیتا ہے سلطاں آپ سا جس پر عنایت ہو
خدا سے کم نہیں عز وجلال اس دیں کے سلطاں کا(۱)

؎ میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
کیونکہ محبوب ومحب میں نہیں میرا تیرا (۲)

شعر اول میں حضرت شیخ کا عز وجلال خدا سے کم نہ ہونا اس دلیل سے ظاہر کیا گیا ہے کہ بادشاہ کی عنایت جس پر ہوتی ہے، اس کو بادشاہ مثل اپنے بنالیتا ہے لیکن اول تو دنیاوی بادشاہوں کے متعلق یہ بھی کلمہ صحیح نہیں ہے۔ بادشاہوں کی عنایتیں اپنے مقربوں پر ضرور ہوتی ہیں، مگر اپنے برابر وہ کسی کو بادشاہ نہیں بنالیتے اور علم عقائد وکلام کی رو سے تو یہ امر قطعاً محقق ہو چکا ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ اس قادر مطلق کے احاطۂ قدرت سے باہر ہیں اور اسی لیے خدا تعالیٰ کو اپنے مثل کی ایجاد پر قادر نہیں مانا جاتا، لہٰذا یہ دلیل لغو قرار دیے جانے کے بعد یہ مضمون رہ جاتا ہے کہ العیاذ باللہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ خدا تعالیٰ کے ہمسر اور مثل ہیں اور یہ صریحاً شرک ہے اور اس صورت میں اس شعر کا بنانے والا مشرک اور خارج از اسلام سمجھے جانے کے قابل ہے۔ دوسرے شعر میں لفظ مالک خدا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس صورت میں شعر کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہوا کہ حضرت شیخ محبوب الٰہی ہیں اور محبوب و محب میں کوئی فرق نہیں ہوتا، لہٰذا حضرت شیخ عیاذاً باللہ خدا ہوئے اور میں تو خواہ کچھ ہی ہو، خدا ہی کہوں گا۔ اس اصرار علی الشرک کی وجہ سے بھی اس فتوے کے مستوجب ہیں جو شعر اول کے متعلق دیا جا چکا ہے اور کسی تاویل سے یہ حکم بدل نہیں سکتا۔ (۳)

(۱) یہ شعر فتاوی امدادیہ میں ہے، لیکن ہمیں اس کا ماخذ نہیں ملا۔
(۲) حدائق بخشش از مولوی احمد رضا خان، ص ۴، ج ۱، مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور
(۱) امداد الفتاوی ص ۷۷، ۷۸

پیران پیر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے متعلق مولوی احمد رضا خان کا غلو

کفار مکہ رزاق، مالک، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرنے والا، مدبر امر محض اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔ ان صفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک اور سہیم نہیں سمجھتے تھے، مگر اس کے باوجود بھی قرآن نے ان کو مشرک کہا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۱)

"تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ سو بول اٹھیں گے کہ اللہ! تو تو کہہ پھر ڈرتے نہیں ہو؟"

تعجب ہے مولوی احمد رضا خان ان سے بھی بازی لے گئے، پھر بھی وہ اعلیٰ حضرت، مجدد مائۃ حاضرہ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو برملا مدبر عالم کا خطاب دیا ہے۔

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر (۲)

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مولوی صاحب مولوی احمد رضا خان کے بارہ میں مزید کہتے ہیں، وہ صرف جذبہ عشق میں بدعت کی حد تک پہنچے۔ شاید مولوی صاحب اسی جذبہ کے تحت امرا کے تیجے اور چہلم میں شریک اور محافل بدعات ورسومات میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ جذبہ عشق

(۱) سورۂ یونس آیت ۳۱۔ (۲) حدائق بخشش، ص ۳۸، ج ۱

کو بدعت کا سبب کہنا اعجوبہ ہے، کیونکہ عشق نبوی کی پہلی منزل تو اتباع اور اطاعت ہے۔ بدعت تک پہنچانے والا جذبہ عشق نہیں ہوتا بلکہ اتباع ہوا و ہوس ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی کتاب ''فتنہ مودودیت'' اہل علم واہل دین حضرات کے لیے مشعل راہ ہے جس کی روشنی میں اس تحریک کی ضلالت اپنے خدوخال کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے

قولہ: ''یہ مولوی شاہد صاحب کی زیادتی ہے۔ مولانا زکریا نے کوئی نہیں لکھا رسالہ۔ ایک عالم تھے جو پڑھے ہوئے تھے سہارنپور کے۔ مودودی صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ ان کو مولانا زکریا صاحب نے خط لکھا۔ وہ خط ایک ذاتی نوعیت کا تھا۔ ان کے آگے نواسے، وہ پبلشر ہیں، کاروباری آدمی ہیں۔ کاروباری نقطہ نگاہ سے انہوں نے اس کو چھاپا اور اس کا نام انتہائی غیر موزوں رکھا: ''فتنہ مودودیت''۔ یہ بہت ہی نامناسب تھا۔ تو انہوں نے اس خط کو کہیں سے نکال کر، حضرت شیخ کو پتہ ہی کوئی نہیں اور اس کا نام بھی خود مقرر کیا اور اس کو چھاپ دیا۔ اس سے تبلیغ والوں کو نقصان ہوا اور وہ تبلیغ کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس میں انہوں نے یہی نچوڑ نکالا ہے کہ اس سے آزاد خیالی پیدا ہوتی ہے۔ مولانا علی میاں اور مولانا نعمانی بھی اسی وجہ سے ان کو چھوڑ گئے۔ اس میں ہم ان کو معذور جانتے ہیں اور اللہ کے دربار میں ان کے لیے خیر چاہتے ہیں نہ یہ کہ جہاں ان سے خطا ہوئی ہے اس کو سامنے رکھ کر جتنا انہوں نے مثبت کام کیا اس پر بھی قلم پھیر دو۔ ان کا مثبت کام بھی بہت زیادہ ہے اور بطور انسان اور بشر ان سے خطائیں ہوئیں کہ ان میں اپنے طور پر اجتہاد کرنے کا مادہ تھا۔ اس پر انہوں

نے ٹھوکریں کھائیں، ورنہ وہ باقی تو حنفی ہی تھے اور مقلد ہی تھے۔ کبھی انہوں نے غیر مقلد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ کبھی انہوں نے غیر مقلدین کی طرح اچھالا نہیں۔ تعبیرات میں ان سے خطا ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں۔''

الجواب: ''فتنہ مودودیت'' از قلم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ جس میں جماعت اسلامی کے امیر اور اس کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دینی تحریفات اور تلبیسات کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے، یہ مسودہ ۱۰۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ ایک نجی مکتوب ہے، لیکن اس حیثیت سے اہم ہے کہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث نے مظاہر العلوم کے شیخ التفسیر کو لکھا۔ اس میں دلائل کا توازن اور تقابل استدلال واستنباط کا تموج ظہور پذیر ہے اور اہل علم اور اہل حق کے لیے مشعل راہ ہے۔

مولانا محمود حسن گنگوہیؒ صدر مفتی دار العلوم دیوبند بطور تقریظ فرماتے ہیں:

''الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

اما بعد! رسالہ مبارکہ ''فتنہ مودودیت'' حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کی تالیف ایک خصوصی اور مختصر خط ہونے کے باوجود اہل علم واہل دین حضرات کے لیے مشعل راہ ہے جس کی روشنی میں اس تحریک کی ضلالت اپنے خدوخال کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے اور پھر اس کا روپہلا اور سنہرا رنگ کسی مخلص مومن کے قلب ونظر کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔

جن حضرات کے پاس اس تحریک کے زہریلے اثرات سے واقف ہونے کے لیے طویل مطالعہ کا وقت نہیں یا وہ اس کو اصول اسلام پر جانچنے کی استعداد نہیں رکھتے یا ان کی نظر اس کی گمراہ کن بنیادوں کے ادراک سے قاصر ہے، ان کو اس رسالہ کے ذریعے ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کا راستہ بسہولت مل جائے گا۔

والتوفیق بید اللہ۔ واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم

احقر محمود حسن غفرلہ دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور"

مولانا شاہد میاں حضرت شیخ کے نواسے، اپنے اکابر کی تاریخ کے امین، عالم، فاضل، قابل اعتماد شخصیت ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں راقم الحروف کے نام حضرت شیخ" کے ایک مکتوب کے توسط سے تعارف ہوا جس کے بعد تاحال موصوف سے رابطہ رہتا ہے۔ مولوی صاحب کا ان پر یہ الزام کہ "وہ پبلشر کاروباری آدمی ہیں، کاروباری نقطہ نگاہ سے انہوں نے اس کو چھاپا" نہایت سوقیانہ الزام ہے۔ یہ مولوی صاحب کے اپنے ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ وھُوَ منہ بَرِی

اس رسالہ میں مندرجہ مضامین اور موضوعات کے مطابق اس کا نام "فتنہ مودودیت" رکھا گیا۔ یہ رسالہ حضرت شیخ کی زندگی میں طبع ہوا۔ شاید سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب کے بھی مطالعہ سے گزرا ہو۔ البتہ بقول مولوی صاحب اس سے تبلیغ والوں کا بہت نقصان ہوا تو وہ جانیں اور ان کا کام۔ مولوی صاحب نے جہاں شیعہ، بریلوی اور غیر مقلدین کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس رسالہ کی وجہ سے وہ مودودیت کو اپنے ساتھ ملانے میں چنداں کامیاب نہ ہوئے ہوں، لیکن دیوبندی اور نوجوان طلباء کو اس سے جو گھن لگ رہا تھا، اللہ نے اپنے فضل سے ان کو بچالیا۔ مولوی صاحب ایسے صلح کلی ہیں کہ اپنے اوپر دیوبند کی چھاپ نہیں چاہتے، اس لیے قوت ارادی اور قوت عزیمت سے محروم ہیں اور کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کی تحریرات سے آزاد خیالی پیدا ہوتی ہے۔ آزاد خیالی کیا کچھ کم ظلم ہے کہ اس سے درگزر کیا جائے؟

اس رسالہ میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:

"مودودی صاحب کے بارہ میں پہلے میرا خیال تھا کہ ان کا قلم کافرانہ، ملحدانہ نظریات، جو آج کل کی سیاست اور تمدن میں روز افزوں ہے، بہت شدت سے چلتا ہوگا اس لیے کہ وہ صاحب قلم ہیں۔ یقیناً انہوں نے ان کے خلاف بہت کچھ لکھا، مگر

ان کے متعلق قلم کا زور بہت ہلکا رہا۔ دوسرے وہ مضامین جو مذہبیات بالخصوص اجتہاد وتصوف اور اسلاف کی علمی تحقیق کے متعلق ہیں، ان کے متعلق یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مودودی صاحب ان کے خلاف ہیں، مگر میرے ذہن میں یہ نہیں تھا کہ ان کے خلاف جو مودودی صاحب کا قلم چلتا ہے تو اس قدر بے قابو ہوجاتا ہے کہ ان کے ذہن میں یہی نہیں رہتا کہ میں کس کے خلاف قلم چلا رہا ہوں۔ اس لیے ان کے مضامین کے مضرات سے ان کو نفع کی بجائے کئی نوع کے نقصان پہنچ جاتے ہیں جن میں ادنیٰ درجہ اسلاف واکابر کی شان میں گستاخی ہے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ میں خلافت کی اہلیت نہ تھی۔

ایک مدراسی عالم اور جماعت اسلامی کے مشہور امیر حلقہ مولانا صبغت اللہ نے کہا کہ "یہ بخاری شریف کا بت بغل میں کب تک دبائے پھرو گے؟ میدان میں آؤ۔" یہ ہے آزاد خیالی کا نتیجہ۔ بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ یہ مولانا صاحب بعد میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوگئے اور مستقل توبہ نامہ اخبارات میں شائع کیا۔"

مولانا علی میاں کبھی جماعت اسلامی میں نہیں رہے اور مولانا نعمانیؒ کئی وجوہ سے جماعت سے دلبرداشتہ ہوئے اور اس سے الگ ہوگئے۔ انہوں نے اپنی علیحدگی کی وجوہ اپنے رسالہ میں تفصیل سے لکھی ہیں۔ ان بزرگوں کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا مثبت کام بہت زیادہ ہے؟ مودودی صاحب کو کیا پڑی تھی کہ غیر مقلد ہونے کا دعویٰ کرتے جب کہ ان میں اپنے طور پر اجتہاد کرنے کا مادہ تھا۔ مودودی صاحب اور جمہور علماء حق کا صرف تعبیرات میں اختلاف نہیں بلکہ شرعی مطالب ومقاصد میں بھی ان سے اختلاف ہے۔ صرف فہم میں نہیں بلکہ مفاہیم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

تفسیر کے بارہ میں مودودی صاحب کی کھلی چھٹی

فرماتے ہیں:

"قرآن کے لیے تفسیر کی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ وہ اپنے لیکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا۔"(۱)

غرض یہ کہ حضرت شیخ کا رسالہ فتنۂ مودودیت اپنے موضوع میں ایک کامیاب رسالہ ہے۔ مودودی صاحب کے خلاف بہت بڑی شخصیت کی تصنیف ہے۔ علمی وتحقیقی اعتبار سے اس جیسا کوئی رسالہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس میں مودودی صاحب کی تفسیر بالرائے، ان کے نزدیک عبادت کا مفہوم، حکومت الٰہیہ کی حقیقت، عبادات کی حیثیت، احادیث کے بارے میں تنگ وتاریک خیالات اور اس کے خطرناک نتائج، دینی عبادات کا استہزاء، امام مہدی علیہ السلام کے متعلق تحقیقات، جاہلیت، راہبانیت، اجتہاد پرزور جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ من شاء فلیطالعه

مودودی صاحب کوئی ڈھکی چھپی شخصیت نہیں اور نہ ان کے بارے میں علماء کی آراء مخفی اور نامعلوم ہیں۔ کفایت المفتی اور فتاویٰ محمود حسن گنگوہیؒ میں ان کے خلاف اکابر کی آراء معلوم کی جاسکتی ہیں۔(۲)

حضرت شیخ مولانا زکریاؒ اپنی تصانیف وتالیفات کی فہرست میں اپنے رسالہ فتنۂ

(۱) تنقیحات، ص۲۱۲، فتنۂ مودودیت، ص۲۴

(۲) تفسیر بالرائے کے متعلق مولانا مودودی اپنی تفسیر کے آئینے میں بلاتبصرہ از افادات حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ مرتبہ راقم الحروف مطالعہ فرمایئے۔

مودودیت کا ذکر کرتے ہیں:

"۴۳۔ رسالہ رد مودودیت (غیر مطبوعہ) ۰ ۱۳۷۰ھ میں مودودیت کی کتابیں بہت ہی کثرت سے پڑھنے کی نوبت آئی۔ تقریباً تین سو رسائل اور کتب مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی شب وروز جاگ کر پڑھیں اور یادداشتیں ایک رسالہ کی صورت میں جمع کی تھیں اور یہی رسالہ حضرت مدنیؒ قدس سرہ کی اکثر تالیفات کا بھی ماخذ ہے اور قاری سعید صاحب کی تالیف کشف حقیقت کا بھی ماخذ ہے اور اس ناکارہ نے تقریباً ۵۰ بڑی تقطیع کے صفحات پر خود بھی رسالہ لکھا تھا۔ باوجود اکابر اور احباب کے شدید اصرار کے طبع کی نوبت نہ آئی۔ یہ رسالہ میرے مسودات میں موجود ہے۔ بھائی اکرام کا نقل کیا ہوا ہے۔"(۱)

مولانا مودودی کا عقل کے زور پر بخاری کی احادیث صحیحہ کو رد کرنا

قولہ: "حمید الدین فراہیؒ بڑے عالم تھے۔ انہوں نے بعض حدیثوں پر عقلی اعتراض کیا۔ مولانا مودودی صاحب نے ان کا رد کیا اور بڑی طاقت سے اس کا رد کیا۔"

الجواب: مودودی صاحب خود آیات واحادیث کو عقل سے رد کرنے کے مرض میں مبتلا ہیں۔

۱۔ حدیث: ما کذب ابراهیم الا ثلث کذبات کے متعلق لکھتے ہیں:

"کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو، اس کو بھی ہم نبی کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے؟ اس طرح کی افراد پسندیاں پھر معاملے کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہنچا

(۱) آپ بیتی ج۱ ص۱۶۹

دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں۔"(۱)

یہ روایت بخاری میں ہے۔ مودودی صاحب نے بخاری کی روایت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہے کہ معقول نہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کا یہ فرمان حضرت ابراہیمؑ کی صداقت کو بیان کرنے پر مبنی ہے، یعنی عامۃ الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے تین جھوٹ سرزد ہوئے ہیں، اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ جھوٹ ہیں ہی نہیں۔ دو تو اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں ہیں اور ایک حضرت سارہ کے بارے میں کہا کہ تیری اور میری اسلامی اخوت ہے تو یہ جھوٹ کیسے ہوئے؟ آنحضرتؐ نے اس فرمان میں سیدنا ابراہیمؑ کی صدیقیت کو بیان فرمایا ہے، رد نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اس حدیث کو **انّہ کان صدیقا نبیا** کی تفسیر میں لائے ہیں۔

یہ ایسے ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کو خطاب کرتے ہوئے، جسے اللہ کی راہ میں زخم آیا تھا، فرمایا:

هل أنت الا إصبع دميت   وفي سبيل الله ما لقيت

"تو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہوگئی ہے اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچی ہے، اللہ کے راستے میں ہی پہنچی ہے۔"

حضرت خبیبؓ کو جب مقتل کی طرف لے جایا گیا تو انھوں نے کہا:

ولست أبالي حين أقتل مسلما   على اى شق كان لله مصرعي
وذاك في ذات الاله وان يشأ   يبارك في اوصال شلو ممزع

"اگر میں مسلمانی کی حالت میں قتل کیا جاؤں تو پھر مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ مجھے کس کروٹ موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ تکلیف مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں پہنچ رہی ہے (اس میں حرج کیا ہے؟) اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے

(۱) تفہیم القرآن، پارہ: ۱۷ جلد ۳

بکھرے ہوئے اعضا کو جوڑ دے۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا '**بل فعله كبيرهم هذا**' اور '**فنظر نظرة في النجوم فقال اني سقيم**' کا جواب بطور توریہ اور الزام کے ایسے ہے جیسے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ..... فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ..... فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ۔(۱)

یعنی فریق مخالف کی بات کو تسلیم کر کے اس کا عقلی اور الزامی جواب دینا مطلوب ہے کہ اگر یہ ستارے واقعی رب ہیں تو پھر ان کو بقا اور دوام کیوں حاصل نہیں، لہٰذا ان کا رب ہونا باطل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

"اس بڑے گرو گھنٹال بت نے، جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے، یہ کام کیا ہوگا۔"

جہالت ثابت کرنے کے لیے بطور تعریض اور الزام کہا، جیسے عموماً بحث اور مناظرہ میں ہوتا ہے۔ اسے جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ ستاروں کی طرف دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں۔ مخاطبین نے سمجھا کہ ستاروں کے حساب سے اپنی بیماری معلوم کر لی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ تم میلے پر جاؤ، میں تمھارے بتوں کی خوب خبر لوں گا۔ آپ ستاروں پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے، لیکن کفار کے بقول ان ستاروں سے پیشگی خبر معلوم کی جا سکتی ہے تو ستاروں کو دیکھ کر توریہ کیا کہ مجھے بیمار سمجھو اور مجھے رہنے دو۔ یہ جھوٹ نہیں۔

سمجھے خود نہیں اور بخاری کی حدیث کو عقل سے رد کر دیا۔

۲۔ سلیمان علیہ السلام کی تمنا ہے کہ آج رات ہر بیوی کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک

(۱) سورۃ الانعام، آیت ۷۶ تا ۷۸۔

سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا، مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا"۔ اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔۔۔۔ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے، ان میں اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا، لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے۔۔۔۔ ایسی روایت کو محض صحت کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ خیز بنانا ہے۔"(۱)

مودودی صاحب کو احادیث جھٹلانے کا شوق ہے۔ آخر اس حدیث میں کون سی بات ہے جو صریح عقل کے خلاف ہے؟

۳۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں پرندوں کے شریک ہونے کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"میں خود اس آیت کی تاویل یوں کرتا ہوں کہ داؤد کو اللہ تعالیٰ نے بہترین، بلند اور سریلی آواز عطا فرمائی تھی۔ اس آواز کے ساتھ جب وہ زبور پڑھتے تو وادیاں گونج اٹھتیں، چرند پرند جمع ہو جاتے۔"(۲)

مودودی صاحب نے اپنی عقل کے زور پر پہاڑوں اور پرندوں کے داؤدؑ کے ساتھ تسبیح میں شریک ہونے کی تاویل کی۔ (زیادہ تفصیل کے لیے "مولانا مودودی اپنی تفسیر کے آئینے میں۔ بلاتبصرہ" کا مطالعہ کیجیے)۔

---

(۱) تفہیم القرآن، پ ۲۳۔ ج ۴۔ ص ۳۳۷

(۲) تفہیمات حصہ دوم ص ۱۶۸

شیعوں کا ذبیحہ اور ان سے مناکحت باتفاق اکابر علماء معتمدین، ناجائز وحرام ہے

قولہ: "شیعہ کے ذبیحہ کے متعلق سوال۔

جواب: مجھے تو پتہ نہیں آج تک اس کے ذبیحہ کو کسی نے ناجائز کہا ہو۔ یہودی اور عیسائی کا ذبیحہ جائز اور شیعہ کا ناجائز ہے؟ یہ کیسی عجیب بات ہے؟ میں نے تو یہ سنا ہی پہلی مرتبہ ہے۔"

الجواب: مولوی صاحب کی معلومات ناقص ہیں، لیکن روافض کے وکیل بلا توکیل بننے سے نہیں ہچکچاتے۔ چند طلباء کو سامنے بٹھا کر ماضی وحال سے بے نیاز جو منہ میں آیا کہے جاتے ہیں۔ اپنے خیالات واہیہ اور غلط قسم کے عقائد ان کے ذہن میں نقش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے حقیقت کیا ہے اور میری اس تربیت کا انجام کیا ہوگا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے "خمینی اور اثناعشریہ کے بارہ میں علماء کا متفقہ فیصلہ" کے عنوان سے ایک فتویٰ خمینی دور میں ۱۹۸۷ء میں کتابی شکل میں شائع کیا جو ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر پاک وہند کے جید علماء کی آراء ودستخط ثبت ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے:

"شیعہ اثناعشری رافضی کافر ہیں۔ مسلمانوں سے ان کا نکاح، شادی بیاہ جائز نہیں، حرام ہے۔ مسلمانوں کے لیے ان کے جنازے میں شرکت کرنا جائز نہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ غرض ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسا سلوک اور معاملہ کیا جائے"۔(۱)

اس سے قبل حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے جو فتویٰ شائع کیا تھا، اس میں لکھا ہے:

---

(۱) ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ اکتوبر تا دسمبر۔

"شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اوران کا ذبیحہ حرام، ان کا چندہ مسجد میں لینا ناروا ہے۔ ان کا جنازہ پڑھنا یاان کو جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں۔ ان کی مذہبی تعلیم ان کی کتابوں میں یہ ہے کہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہوکر یہ دعا کرنا چاہیے کہ یا اللہ! اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور اس پر عذاب نازل کر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ احقر العباد ناچیز محمد عبدالشکور عفاہ مولاہ"

اس پر علاوہ دوسرے مستند علماء کے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تک کے دستخط ثبت ہیں۔(۱)

شیعہ کی کلمہ اسلام میں زیادتی

قولہ: "شیعہ کلمے کی زیادتی کے قائل نہیں ہیں۔ علی ولی اللہ بھی ان کے عامۃ الناس کا اضافہ ہے۔ تم سب نے جو کچھ پڑھا ہے سنا ہے، وہ سب سطحی ہے۔"

الجواب: شیعہ کے کلمہ کے متعلق جناب مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر سلمہ ربہ نے اپنے رسالہ "حق چار یار" میں اپنے والد گرامی حضرت شیخ مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کا جواب نقل کیا ہے، وہ کافی اور شافی ہے۔ وہو ہذا:

"حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی مہتمم جامعہ فتاح العلوم نوشہرہ سانسی (گوجرانوالہ) نے تبلیغی جماعت کے معروف مبلغ مولوی طارق جمیل صاحب کے بیان جمعہ کی کیسٹ اور طلباء کے سوالوں کے جوابات کی کیسٹیں ملک کے علماء کرام کی طرف بھیجیں اور ساتھ ہی ان کی تقریر اور اسباق کے اہم مباحث نقل کر کے بھیج دیے۔ جس وقت ہم نے اقتباسات پڑھے اور کیسٹیں سنیں تو حیرانی ہوئی کہ تبلیغی جماعت کے مبلغ مسلک اہل سنت وجماعت کی ترجمانی کی بجائے اہل باطل کی

(۱) بحوالہ ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ اکتوبر تا دسمبر۔

ترجمانی اور وکالت کررہے ہیں..... مولوی طارق جمیل کے حالیہ متنازعہ بیانات کی تردید ضروری ہے تاکہ عوام اہل سنت کے اذہان کو تشویش سے بچایا جاسکے۔

مولوی طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں کہ:

"شیعہ کلمے کی زیادتی کے قائل نہیں ہیں..... علی ولی اللہ بھی ان کے عامۃ الناس کا اضافہ ہے۔ بے وقوفوں کا اضافہ ہے۔ تم سب نے جو کچھ پڑھا ہے سنا ہے، وہ سب سطحی ہے"

کلمہ اسلام میں تبدیلی کا پس منظر

کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اسلام کی بنیاد ہے جس کو ماننے سے ایک غیر مسلم اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔ اسی بنا پر باوجود دوسرے شدید اعتقادی اختلافات کے آج تک تمام مسلم فرقوں کا کلمۂ اسلام ایک ہی رہا ہے، لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں شیعہ مطالبات کمیٹی کے دباؤ پر ۱۳/اکتوبر ۱۹۷۶ء کو لاہور میں حکومت اور شیعوں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا جس میں حکومت کی طرف سے وفاقی وزیر تعلیم پیرزادہ عبدالحفیظ، وفاقی وزیر زراعت رفیع رضا اور شیعہ جماعتوں کی طرف سے نواب مظفر علی قزلباش، جمیل حسین رضوی اور مظفر علی شمسی سمیت سولہ (۱۶) شیعہ علماء و زعماء شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں یہ منظور کرلیا گیا کہ مڈل کلاسوں تک سنی و شیعہ مشترکہ اور نویں و دسویں جماعت میں علیحدہ علیحدہ نصاب دینیات ہوگا۔ اس اجلاس میں شیعہ نمائندوں نے عارضی طور پر ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی پی ایچ ڈی کا مؤلفہ نصاب دینیات بھی منظور کرالیا جس کے حصہ اول ص ۱۲۱ پر یہ کلمہ لکھا ہوا ہے:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

اس کلمہ کی تشریح میں وہاں بھی یہ تصریح کی گئی ہے کہ اسلام کی برادری میں شریک

ہونے کے لیے توحید ورسالت کے بعد تیسرے نمبر پر حضرت علی کو پہلا امام ماننا ضروری ہے۔

رہنمائے اساتذہ

اس کے بعد حکومت کی طرف سے رہنمائے اساتذہ جو کتاب شائع ہوئی تھی، اس کے تیسرے حصہ میں، جس کے مؤلف دو شیعہ عالم مولانا الحاج بشیر الدین انصاری اور مولانا الحاج سید مرتضی حسین فاضل ہیں، لکھا ہے:

(حصہ سوم، شیعہ طلباء کے لیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ طلباء کو کلمہ کی اہمیت سے آگاہ کریں۔ پھر صحیح تلفظ واعراب کے ساتھ کلمہ پڑھیں اور طلباء سے اس کا اعادہ کرائیں۔ اس کے بعد بلیک بورڈ پر لکھیں اور طلباء سے کاپیوں پر لکھوائیں۔ کلمہ، اسلام کے اقرار اور ایمان کے عہد کا نام ہے۔ کلمہ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ کلمہ میں توحید ورسالت کا اقرار اور امامت کے عقیدے کا اظہار ہے۔ ان عقیدوں کے مطابق عمل کرنے سے مسلمان مومن بنتا ہے۔ کلمے کے تین حصے ہیں: لا الہ الا اللہ، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ..... اللہ تعالیٰ کو خالق ومالک ماننے کے بعد اس کے احکام معلوم کرنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی مخلوق براہ راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی ہدایت کے لیے اپنی کامل حکمت سے نبی بھیجے اور امام مقرر کیے..... محمد رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں..... **علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل**، حضرت علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولی اور بلافصل خلیفہ ہیں۔ چونکہ اوپر اقرار کیا جاچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں اور آپ کا لایا ہوا دین، آخری دین ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو محفوظ رکھنے

کے لیے امام پیدا فرمائے۔ یہ اللہ کے ولی ہیں۔ یہ مشیت ورضاء الٰہی کے حامل پیدا ہوئے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ چونکہ ان فرائض کی ادائیگی کے لیے حضرت علی آنحضرت کے پہلے جانشین ہیں اور گیارہ امام فاصلے کے ساتھ یکے بعد دیگرے آئے ہیں، اس لیے حضرت علی خلیفہ بلافصل ہیں اور دوسرے ائمہ کے ساتھ یہ جملہ نہیں کہا جاتا۔ کلمہ: الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حضرت علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولی اور رسول کریم کے وصی اور بلافصل خلیفہ ہیں۔ باقی گیارہ امام فاصلے کے ساتھ یکے بعد دیگرے وصی وخلیفہ ہیں، یعنی ان بارہ اماموں کو دینی امور کی ہدایت کے لیے آنحضرت کی وصایت ونیابت حاصل ہے۔ ان کے ارشادات پر عمل کرنا فرض ہے۔"(۱)

تحریک خدام اہل سنت والجماعت کی مساعی جمیلہ:

بانی تحریک خدام اہل سنت والجماعت نے امتِ مسلمہ کو افتراق وانتشار سے بچانے کے لیے ایک کتابچہ لکھا: "پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش" اور اس میں شیعہ کی مستند کتابوں کے حوالہ جات نقل کیے کہ یہ تیسرے جزء کا کلمہ میں ائمہ سے بھی اضافہ ثابت ہے۔ اس کے جواب میں سید بشارت حسین کامل مرزاپوری نے ایک پمفلٹ لکھا: "تردید فساد انگیز کاوش بجواب تبدیلی کلمہ اسلام کی خطرناک سازش"

صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں:

"شیعوں کے کلمہ 'لا الہ الا اللہ تا بلافصل' کو خود ساختہ کلمہ بیان کیا گیا ہے، حالانکہ اس

---

(۱) ص ۳۵، ۳۶، ۳۷، شائع کردہ قومی ادارہ نصاب و درسی کتب وزارت تعلیم وصوبائی رابطہ حکومت پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۵ء

کلمہ کو شیعہ چودہ سو سال سے پڑھتے چلے آ رہے ہیں..... لیکن قاضی صاحب اس کو شیعوں کا خود ساختہ کلمہ کہہ کر عام مسلمانوں کو فریب دینے کی ناکام کوشش فرما رہے ہیں اور ان کو آمادہ کر رہے ہیں کہ شیعوں سے جبراً یہ کلمہ ترک کرایا جائے یعنی ان کو اپنے مذہب پر باقی نہ رہنے دیا جائے اور ہر مخلص کلمہ گو مسلمان پر اپنے کلمہ کی حفاظت لازم ہے۔"(۱)

اسی طرح دیگر شیعہ علماء نے بھی اپنے اضافی کلمے کے ثبوت پر کتابچے لکھے ہیں۔
اب مولوی طارق جمیل صاحب ہی فرمائیں کہ "یہ تم سب نے جو کچھ پڑھا ہے، سنا ہے وہ سب سطحی ہے" یہ کہاں تک صحیح ہے۔ ہماری پرزور مخلصانہ گزارش ہے کہ مولوی صاحب باطل فرقوں کے اپنے طور وکیل صفائی نہ بنیں۔ ع

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات"

ہر وہ مسئلہ جو کتاب وسنت کی واضح اور صریح نصوص سے ثابت ہو، اس کے خلاف مفتی اور قاضی کا اختیار نہیں ہوتا

طالب علم کا سوال: جو ظاہر حدیث پر عمل کرتا ہے، وہ حق پر ہے، لیکن ائمہ اسلاف مجتہدین کو برا بھلا نہ کہتا ہو، وہ اہل حق میں سے ہے۔ یہ حضرت تھانویؒ کا قول ہے۔ ۹۵ فیصد اہل حدیث اس طرح کرتے ہیں۔

مولوی صاحب کا جواب: "تم کیا ان کو مل کر یہ بات کہہ رہے ہو؟ وہ تو تین چار کروڑ ہیں۔ ہر مذہب کو پرکھنے کے لیے اس کے اصول بنیاد ہیں، نہ کہ لوگوں کے تعامل۔ میں غیر مقلدیت اور رافضیت کا وکیل نہیں ہوں، لیکن غیر مقلد کو گمراہ کہنا غلط ہے۔"

(۱) بشکریہ ماہنامہ حق چاریار لاہور۔

الجواب: سولہ کروڑ کی آبادی میں ان کے اعداد وشمار ایک کروڑ کو نہیں پہنچ سکتے۔
معلوم نہیں مولوی صاحب نے اس تعداد کا کہاں سے استنباط کیا ہے۔

فرقہ غیر مقلدین کسی مجتہد کے اجتہاد اور فقہ کا تابع نہیں بلکہ ائمہ کے علی الرغم ایک نیا طبقہ ہے جو فروع میں اپنی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں کئی فرقے ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے کو گمراہ کہتا ہے۔ عمل بالحدیث کے مدعی ہیں جبکہ قرآن واحادیث کو اپنے دائرہ عمل میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی مجتہد اور فقیہ کے استنباط اور اجتہاد پر عمل کرنے کے پابند نہیں۔ ان میں کوئی بڑا مجتہد نہیں گزرا جس کو امت میں پذیرائی حاصل ہوا اور اس کا قول وفعل حجت ہو، جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم۔

شروع شروع میں بعض افراد میں حدیث پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، لیکن بعد میں یہ ایک فرقہ بن گیا۔ ان میں علماء کم ہیں، اکثر طبقہ ناخواندہ لوگوں کا ہے۔ ان کے بڑوں نے ان کے لیے جو راستہ متعین کیا ہے، اس پر جمود کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم عامل بالحدیث ہیں۔ ائمہ پر طعن نہیں بلکہ اب تو یہ لوگ تبرّا پر اتر آئے ہیں۔ خصوصاً پاک وہند میں امام ابوحنیفہؒ کی دشمنی ان کا مشن بن چکا ہے۔ ان میں پچانوے فیصد لوگ ایسے ہی ہیں۔ ان کی محافل ومجالس اور بڑے بڑے جلسوں میں ہماری اس بات کی تصدیق کی جا سکتی ہے اور ان کا لٹریچر اس پر شاہد عدل ہے، لہٰذا مولوی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہمارے ہاں تین طلاق سے مطلقہ مغلظہ ہو جاتی ہے اور ان کے ہاں رجعی، ہمارے ہاں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ممنوع ہے اور ان کے ہاں جائز، کیونکہ یہ باتیں شافعیت، حنبلیت اور مالکیت میں چلتی ہیں نہ کہ اہل ظواہر اور غیر مقلدین میں۔ خصوصاً ہر وہ مسئلہ جو کتاب وسنت کی واضح اور صریح نصوص سے ثابت ہو تو مقلد کے لیے اس میں اپنے موقف اور مذہب کے برعکس دوسری جانب کو جائز اور روا نہیں کہا جاسکتا۔

مولوی صاحب ہیں کہ کہتے ہیں "ظاہر حدیث پر عمل کرنے والے اہل حق ہیں" گو کہ اس پر کسی فقیہ نے عمل نہ کیا ہو یا فتویٰ نہ دیا ہو۔ جبکہ احادیث میں تعارض پایا جائے اور احادیث کی صحت اور سُقم معلوم نہ ہو، خصوصاً اس دور میں جبکہ اتباع حدیث کی بجائے اتباع ہوا اور خواہشات نفسانی کو مقدم رکھا جائے۔

مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ (المتوفی ۱۹۶۲ء) قلعہ دیدار سنگھ اپنے معاصر ایک اہل حدیث مولوی عبدالعزیز ولد مولانا غلام رسول مرحوم قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا اہلحدیث بننے کے لیے عمل بالحدیث ضروری ہے۔ صرف ابوحنیفہؒ کی مخالفت سے اہل حدیث بننا نصیب نہیں ہوتا۔

ناظرین! یہ ہے آپ کی اہلحدیثی اور اس پر مجھے فرماتے ہیں "قاضی صاحب! لوگوں کی خاطر کیوں حق پوشی کرتے ہو۔ دنیا چند روزہ ہے، درہم و دینار کسی کام نہ آئیں گے جن کی تحصیل کے واسطے آپ لوگوں کو خوش کر کے حق پر نہیں چلتے اور حق کو ناحق تحریر کر رہے ہیں"۔ مولانا! آپ کو سن لینا چاہیے، یہ آپ نے اپنے دل کی کیفیت بیان فرما دی، ورنہ میں جانتا ہوں اگر میں آج غیر مقلد ہو جاؤں تو آپ سے اچھا گزارا کر سکوں۔ میرے جیسے لوگ آپ کی جماعت میں معقول مشاہروں پر کام کر رہے ہیں۔ جس جماعت میں، میں ہوں، اس میں علماء کی کثرت ہے اور آپ کی جماعت میں چند ٹوٹرو جنہوں نے بلوغ المرام بغل میں دبائی اور علامۃ الزمان بن بیٹھے۔ آپ میں وہ کون سا کمال مجھ سے بڑھ کر ہے کہ آپ کو اہلحدیث بننے سے روٹی ملتی ہے اور مجھے نہیں ملتی؟

مولانا! آج عبادات میں تکاسل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کی رضا جوئی مطلوب ہوتی تو میں کہتا کہ سردی میں نہایت باریک موزوں پر بھی مسح جائز ہے، تراویح بیس کی

بجائے آٹھ پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے، وتر صرف ایک رکعت ضروری ہے، اگر کوئی عورت کو تین طلاق بیک زبان دیتا تو میں کہتا کہ رجوع کر لو بس کافی ہے۔ آج نہ کوئی ابوحنیفہ کو جانتا ہے نہ بخاری کی قدر ہے۔ تن آسانی اور اتباع ہوا کا زمانہ ہے۔ ہزاروں نفس کے بندے اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ اگر میں بھی چاہتا تو کر سکتا تھا لیکن دعا کریں اس کی توفیق نہ ہی ہو۔

مولانا! اگر مجھے پیسے کی ضرورت ہوتی تو تعویذ لکھتا، جن نکالتا، بچھڑوں کو ملاتا وغیرہ وغیرہ۔ اگر مجھے پیسوں کی ضرورت ہوتی تو اہلحدیث بنتا، مناظروں میں صحیح مسلم کی حدیثوں سے انکار کرتا۔[1] اگر مجھے پیسوں کی ضرورت ہوتی تو لوگوں کی طرح ابوحنیفہ کی توہین کر کے خراج تحسین وصول کرتا۔ اگر مجھے پیسوں کی ضرورت ہوتی، رسوم بد اور عقائد شرکیہ کی تردید کبھی نہ کرتا، ابوبکر کے فضائل بیان کر کے خارجی نہ کہلاتا، اہل بیت کے دشمن ہونے کا طعن سر نہ لیتا۔

مولانا! آپ بھی اب ایک جماعت میں داخل ہیں جس کی مخالفت کرنی آپ کو دشوار ہے۔ جیسا وہ کہتے ہیں، آپ کو کرنا پڑتا ہے، ورنہ آپ کے والد صاحب باوجود اہلحدیث ہونے کے کیوں فاتحہ خلف الامام کو فرض نہ سمجھتے تھے؟ تراویح بیس کیوں پڑھتے تھے؟ وتر تین کیوں پڑھتے تھے؟ مولوی نذیر احمد صاحب باوجود اہلحدیث ہونے کے مسح جوربین کے کیوں قائل نہ تھے؟ معلوم ہوتا ہے اس وقت تحقیق حق مطلوب تھی۔ کوئی کس طرف تھا، کوئی کس طرف۔ اب جمود علی التقلید ہے۔ جماعت کی رسوم کی پابندی ہے، لہٰذا راس کماری سے لے کر پشاور تک سب اہلحدیثوں کا اجتہاد یکساں پڑتا ہے۔ اگر قلعہ دیدار سنگھ سے مسلم کی حدیث کا انکار ہوتا ہے تو امرتسر

(۱) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے حدیث ابی موسیٰ اذا قرأ فانصتوا کے متعلق فرمایا کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے ہی نہیں۔ (بحوالہ العدل گوجرانوالہ، ۲۷ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص ۴)

تک سب کے سب اسی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ حقیقتاً جس تقلید کا طعن ہم کو دیا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر تقلید آپ کی جماعت کرتی ہے۔ کوئی ایک خدا کا بندہ حق کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ ”مقلد لوگ دلائل صحیحہ سے ان مسائل میں جن میں اہلحدیث سے اختلاف رکھتے ہیں، عاری ہیں۔ اگر شک ہو تو تحریر کر کے دیکھ لو“

مولانا! اس وقت تک تین مسائل زیر بحث آئے۔ فاتحہ خلف الامام کی فرضیت، جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سنیت دلائل صحیحہ صریحہ سے آپ ثابت نہیں کر سکتے۔ (۳) بیس رکعت تراویح کا بدعت ہونا آپ ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر باور نہ ہو تو بالمشافہ ہر سہ مسائل میں دلائل پیش کر کے دیکھ لو، لیکن احادیث صحیحہ سے استدلال کرنا لازم ہوگا۔“(۱)

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین آمین یا رب العالمین۔

محمد عیسیٰ عفی عنہ

بدھ ۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ / ۲۹ راپریل ۲۰۰۹ء

(۱) العدل، گوجرانوالہ، ۵ رجولائی ۱۹۳۳ء، ص ۷، ۸۔

دعوت الی اللہ کی ضرورت، اہمیت اور چند اصول

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

بسم اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے مکلف مخلوق پیدا کی ہے، اسی وقت سے اسلام و کفر، حق و باطل، توحید و شرک، اطاعت و معصیت، سچ اور جھوٹ، عدل اور ظلم کی آپس میں ٹکر آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی ایک شق اور پہلو پر کسی کو مجبور اور مقہور نہیں کیا بلکہ ایمان و کفر اور نیکی و بدی کرنے کی پوری استعداد اور قابلیت سب میں رکھی ہے اور مخلوق سے اس کے اختیار اور اس کی اپنی مرضی سے ایمان و طاعت مطلوب ہے اور اس پر وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلاً کی سند عطا فرمائی اور اپنی مرضی اور اختیار سے کفر اختیار کرنے والوں کو وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ کی تنبیہ اور وعید فرمائی ہے اور خیر و شر کے راستے بتانے کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے اور ان پر کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں اور ہر مکلف کو اتنی عقل سے نوازا ہے جس سے وہ کھری اور کھوٹی میں تمیز کر سکے اور دن رات کے فرق کو جان سکے اور دائیں بائیں اور صحیح و غلط کو پرکھ سکے۔ ایمان و کفر کے کسی ایک شعبہ پر اس کو مجبور نہیں کر دیا بلکہ صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ یعنی جو شخص اپنی مرضی سے ایمان لانا چاہے، ایمان لا سکتا ہے اور جو اپنے ارادے اور مرضی سے کفر اختیار کرنا چاہے، کفر اپنا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی یہ

نص قطعی واضح طور پر یہ بتلا رہی ہے کہ ایمان لانے یا کفر اختیار کرنے میں مکلف مخلوق مختار ہے، کسی پہلو میں کسی پر اللہ تعالیٰ نے جبر نہیں کیا۔ چونکہ ایمان اسلام اور ہدایت بہت ہی قیمتی چیزیں ہیں، یہ صرف اسی کو حاصل ہوں گی جو اپنے قصد وارادہ سے ان کو حاصل کرنا چاہے۔ یہ قیمتی اشیاء مفت میں ہرگز نہیں مل سکتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ہدایت کا طالب ہو۔ اس سے آشکار ہوگیا کہ ہدایت ہر کس و ناکس کو نہیں ملتی، صرف اسی کو ملتی ہے جو اپنے دل میں اس کی طلب رکھے۔ بقول اکبر موحوم

سرور و نور وو جد وحال ہو جائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ یعنی اللہ تعالیٰ راہ راست کی ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور حسن استعداد سے اس کے حاصل کرنے کی محنت کرے۔ اللہ تعالیٰ مجبور تو کسی چیز پر نہیں مگر اس کا رحیمانہ وعدہ یہ ہے کہ رشد و ہدایت، ایمان وتقویٰ حاصل کرنے والوں کو ضرور ان کی مراد عطا فرمائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہمارے راستہ، ہماری خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کی محنت وکوشش کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو ہدایت کے راستوں پر چلاتے ہیں اور چلنے کی توفیق دیتے ہیں اور جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے حق کے متلاشی نہیں، وہ محروم رہتے ہیں۔

ہے دونوں کی پرواز اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض سطحی قسم کے لوگ جب قرآن کریم میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ (الآیہ) اور طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ وغیرہا آیات پڑھتے ہیں تو اس وہم کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل پر مہر لگا دے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دے اور آنکھوں پر پٹی باندھ دے۔ تو مخلوق کا اس میں کیا بس واختیار ہے کہ ان کو دور کر سکے؟ یہ تو تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کی قوت اور طاقت ہو اور وہ اس قوت سے کام لے کر خدا تعالیٰ کی لگائی ہوئی مہروں اور ڈاٹوں کو نیست و نابود کر دے۔ مسلمان تو رہا در کنار، یہ خیال تو کسی کافر ومشرک کا بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بھی کسی کی قوت ہو سکتی ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے دلوں پر مہریں ثبت کر دی ہیں، کانوں میں ڈاٹیں لگا دی ہیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں تو لاچار اور بیچاری مخلوق کیا کر سکتی ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ کسی آدمی کی مشکیں کس کر اس کو دریا میں پھینک دیا جائے اور پھر اس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ خبردار بھیگنا مت۔ وہ پانی میں بھیگے گا نہیں اور تر نہیں ہوگا تو کیا کرے گا؟ بقول شاعر

؎ درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکلف مخلوق کے عاقل و بالغ ہونے کے ساتھ ہی ان کے دلوں پر مہریں نہیں لگائیں اور نہ کانوں میں ڈاٹیں لگائی ہیں اور نہ آنکھوں پر پردے ڈالے ہیں بلکہ عقل سلیم عطا کرنے کے بعد اس کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں اوران

کے ذریعہ اپنے احکام مخلوق تک پہنچائے ہیں تا کہ مخلوق احکام خداوندی کے پہنچنے سے بے خبری کا بہانہ نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو مومنوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت اور ثواب کی خوشخبری سناتے ہیں اور نافرمانوں اور بدکاروں کو عذاب خداوندی سے ڈراتے ہیں تا کہ لوگ پیغمبروں کی خبر رسانی کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت اور بہانہ نہ کر سکیں کہ ہم لاعلم اور بے خبر تھے کہ تو کن کاموں سے راضی ہے اور کن سے ناراض ہے۔ اللہ تعالیٰ جو عادل و مہربان ہے، مجرموں اور نافرمانوں کو سزا بھی اتمام حجت کے بعد دیتا ہے۔ اسی کا ارشاد ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کہ ہم سزا نہیں دیتے جب تک ہم رسول نہ بھیجیں۔ اس سے عیاں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب میں' دنیوی ہو یا اخروی' مبتلا نہیں کرتا جب تک کہ پیغمبر کے ذریعے اتمام حجت نہ ہو جائے اور حق و باطل خوب روشن نہ ہو جائے۔

دلوں پر مہر، کانوں میں ڈاٹ اور آنکھوں پر پردے کب ڈالے جاتے ہیں؟

جب یہ معلوم ہو گیا کہ مکلف مخلوق پر جب پوری طرح حق و باطل واضح ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور وحی الٰہی کے ذریعے اتمام حجت ہو چکی ہے، بایں ہمہ جب مخلوق اپنے کسب اور ارادے سے اپنے دلوں پر انکار و جحود کے پردے اور کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے ڈال لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى یعنی ہم اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف وہ پھرتا ہے۔ یعنی جو شخص ایمان کو پسند کرتا ہے اور اپنے دل میں اس کو جگہ دیتا ہے تو اسے ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے اور جو اپنے لیے کفر و شرک اور معصیت کو پسند کرتا ہے اور اس پر راضی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی مرضی کے مطابق اسی راستہ پر چلا دیتا ہے جو اس نے پسند اور اختیار کیا۔ باوجود قدرت

کے اس کو اس راستہ پر چلنے سے نہیں روکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الآیۃ' پ ۲۴' حم السجدۃ' رکوع ۱)

"یہ کتاب قرآن جو عربی ہے، تفصیل سے اس کی آیتیں بیان کی گئی ہیں اس قوم کے لیے جو علم و سمجھ رکھتی ہے۔ یہ کتاب خوشخبری سنانے والی اور ڈرانے والی ہے۔ پس اعراض کیا اکثر لوگوں نے، سو وہ نہیں سنتے۔ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو اور ہمارے کانوں میں ڈاٹیں ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے، سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کرتے ہیں۔ تو کہہ دے میں بشر ہوں تمہارے جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے یقیناً تمہارا الٰہ و معبود صرف ایک ہی ہے۔"

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے قرآن کریم کا ذکر فرمایا ہے جو نری ہدایت ہے اور بشیر بھی ہے اور نذیر بھی اور اہل عرب کی زبان بھی عربی کہ ان کو سمجھنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اور خوب تفصیل سے اس کی آیات بیان کی گئی ہیں۔ فاعرض میں حرف فاء کو ملحوظ رکھیں کہ اپنی زبان کی مفصل کتاب کو سن کر بھی انہوں نے اعراض اور رو گردانی کی اور باوجود ظاہری سماع انقطاع اور سماع انتفاع اور سماع قبولی سے محروم رہے اور اس کا جواب انہوں نے دیا کہ ہم نے اپنے کسب اپنے فعل اور اختیار سے اپنے دلوں پر پردے ڈال لیے ہیں' تمہاری کوئی بات ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی (جیسے عمدہ اور نفیس چیزوں پر پردے ڈالے جاتے ہیں تا کہ گرد و غبار وغیرہ ان تک نہ پہنچ سکے' اسی طرح کفر و شرک ہمارا عزیز متاع ہے، اس تک ہم تمہاری دعوت ایمان کو نہیں پہنچنے دیتے)۔

اور ہم نے کانوں میں ڈاٹیں لگا رکھی ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں پر پردے ڈال لیے ہیں۔ یہ ہمارا اپنا فعل کسب اور عمل ہے۔ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ "تو اپنا عمل کر"۔ غور فرمائیں کہ جن لوگوں نے اپنے کسب و عمل سے اپنے دلوں پر مہریں لگائی ہیں اور کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے لٹکا دیے ہیں اور چیلنج کے طور پر کہتے ہیں کہ تو اپنا کام کر، ہم اپنا کرتے ہیں۔ تو جن لوگوں نے اپنے کسب و اختیار سے یہ کاروائیاں اپنے لیے پسند کی ہوں اور ان پر نازاں ہوں اور فخر کریں تو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی کے قاعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کی پسند پر انہیں چلنے کی استعداد دے دی۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ وہ مہروں، ڈاٹوں اور پردوں کو ناپسند کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ زبردستی ان کے دلوں پر مہریں اور کانوں میں ڈاٹیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا کہ آپ صاف کہہ دیں کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔ خدائی اختیارات میرے پاس نہیں کہ میں تمہارے دلوں کی مہریں، کانوں کی ڈاٹیں اور آنکھوں کے پردے ہٹا دوں۔ بشر ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت دی اور اپنی وحی سے نوازا جو قرآن کریم وغیرہ کی شکل میں تمہیں پہنچا کر اتمام حجت کر چکا ہوں اور میں نے اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ کافروں اور مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر ہمت کے پہاڑ نے خندہ پیشانی سے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے سب کچھ برداشت کیا۔

حوادث سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ایذا دہی پہ اشک برسانا نہیں آیا

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا احسن کام

مخلوق کے لیے سب سے بلند و بالا اور اونچا عہدہ نبوت و رسالت کا ہے اور ظاہر

بات ہے کہ عہدے کی مناسبت سے ہی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو تبلیغ احکام اور دعوت الی اللہ کا کام سپرد کیا ہے۔ اگر اس سے بہتر کوئی اور کام ہوتا تو ان کے عہدہ کے مطابق وہ کام ان کو دیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر کوئی اور کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ [پ۲۴ السجدۃ رکوع ۵]

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور نیک کام کیا اور کہا کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین امور بیان کیے ہیں: (۱) دعوت الی اللہ (۲) داعی کا خود نیک اعمال کرنا (۳) اور اپنے مخلص مسلمان ہونے کی منادی کرنا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی وہ دعوت الی اللہ دینے اور خود نیک کام کرنے اور اپنے مسلم ہونے پر نہ شرمائے اور نہ جھجکے۔ اس کو اپنی فکر ہو اور دوسروں کی فکر بھی ہو۔

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کم فہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مجموعی طور پر ساری امت پر دعوت الی اللہ لازم ہے مگر ایسا نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ تو امت کے ہر فرد کا فریضہ ہے اور یہ کام انفرادی طور پر بھی با حسن وجوہ ہو سکتا ہے مثلاً ہر گھر کے سربراہ، ذمہ دار، کفیل، استاد اور صاحب اثر کا کام ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کو، بیوی بچوں کو، چھوٹے بہن بھائی اور شاگرد اور زیر اثر لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم اور ترغیب دے

اور برائی سے منع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا ہے، وہاں ساری امت کو خطاب ہے۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (الآیۃ) کہ تم سب امتوں سے بہتر ہو جو بھیجے گئے ہو لوگوں کے لیے، نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ہر امتی کا فریضہ ہے۔ گھر میں، مسجد میں، بازار میں، دوکان میں، غمی میں، خوشی میں، کہیں بھی ہو، اپنا فریضہ ادا کرے۔ اس کے لیے اجتماع، اشتہار، منادی اور باہر نکلنا، گشت کرنا اور اکٹھ ضروری نہیں۔ ایک آدمی بھی یہ کرسکتا ہے اور ایک ایک کو بھی امر ونہی کرسکتا ہے اور دعوت الی اللہ ساری امت پر لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ۴، آل عمران، رکوع ۱۱)

"اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور نیکی کا حکم کرتی رہے اور منع کرتی رہے برائی سے۔"

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں:

"دعوت الی الخیر خاص جماعت کا کام ہے، ساری امت کا کام نہیں۔" (دینی دعوت و تبلیغ کے اصول واحکام، ص۲۸۹ طبع ملتان)

اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی تقویٰ اعتصام بحبل اللہ اتحاد واتفاق، قومی زندگی، اسلامی مواخات یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جبکہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد کے لیے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ یہ ہی ہو کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو قرآن و سنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائی میں مبتلا دیکھے تو

اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی حضرات کرسکتے ہیں جو معروف کا علم رکھنے اور قرآن وسنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کردے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث (پیدا ہونے) کا موجب ہو جائے یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ شاید اسی لیے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔" اھ (فوائد عثمانیہ، ص۸۱ ف ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ مخصوص جماعت کا کام ہے، ہر ہر مسلمان کا نہیں ہے یہ کام وہی کرسکتے ہیں جو دلیل وبرہان کی روشنی میں نیکی اور بدی کا بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں اور موقع ومحل کی پرکھ کرسکتے ہیں۔

وہی بالا ہیں دنیا میں جو اپنا نیک وبد سمجھیں
یہ نکتہ وہ ہے جس کو اہل دل اہل خرد سمجھیں

دعوت الی اللہ کے لیے علم وبصیرت ضروری ہے:

ابھی قارئین کرام نے پڑھا کہ دعوت الی اللہ تعالیٰ علمائے کرام اور مخصوص جماعت کا کام ہے، ہر کہ ومہ کا یہ کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف، رکوع ۱۲)

"کہہ دے یہ میرا راستہ ہے۔ بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھی ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ کے لیے علم، بصیرت اور سمجھ ضروری ہے جو حجت، برہان اور دلیل کی روشنی سے عوام کی راہنمائی کر سکیں اور محض اندھی تقلید میں مبتلا نہ ہوں اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ قرآن و سنت اور دینی علوم سے کماحقہ آگاہی ہو ورنہ بقول مولانا عثمانی ''نظام دین ہی مختل ہو جائے گا۔

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

تبلیغی جماعت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) نے بڑے اخلاص اور دل سوزی سے عام مسلمانوں کی دین سے دوری کا جائزہ لیا اور شب و روز اس پس ماندہ قوم کی دینی اصلاح کی انتھک سعی کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب دنیا کے کونہ کونہ میں دین کی تبلیغ کا کام بہت عمدگی سے اور بڑے وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے اور دن بدن اس عمدہ کام میں ترقی ہو رہی ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

مدرسین اور طلباء جب تبلیغ کے فوائد دیکھتے اور سنتے ہیں تو ان کا دل بھی چاہتا ہے کہ ہم اس اجر عظیم سے محروم نہ رہیں اور اپنی زندگیاں اس نیک کام کے لیے وقف کر دیں۔

اس نیک جذبہ کی جتنی قدر کی جائے، بہت ہی کم ہے، لیکن اس سلسلہ میں علماء و طلباء کو خوشی ہونی چاہیے کہ وہ بھی مبلغ ہیں۔ ان کو حضرت تھانویؒ کے یہ کلمات طیبات نہیں بھولنے چاہییں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

(۱) ''اصل کام دعوت الی اللہ ہے اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔'' (دینی دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام، ص ۲۸۹، طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

(۲) ''تبلیغ کی اقسام۔ مدارس کا قیام اور درس و تدریس بھی تبلیغ ہے۔'' (ص ۲۹۵)

(۳) تبلیغ کی اقسام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تیسری قسم ایک جماعت کو تبلیغ کے قابل بنانا۔ پھر تو درس و تدریس کا تبلیغ میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے۔'' (ص ۲۹۵)

(۴) ''آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے۔'' (ص ۲۹۹)

(۵) ''اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ ہے۔'' (ص ۲۹۹)

(۶) ''ترجمہ و تفسیر و فقہ یا کوئی کتاب پڑھ کر سنانا بھی تبلیغ ہے۔'' (ص ۳۱۰)

(۷) ''پس مال خرچ کرنے والا بھی اور احکام سنانے والا بھی مبلغ ہے اور مضامین لکھنے والا بھی مبلغ ہے۔'' (ص ۲۹۶) (دینی کتابیں لکھنے والوں کو خوش ہونا چاہیے کہ وہ گھر میں رہ کر بھی مبلغ ہیں)

(۸) تبلیغ میں غلو، تعلیم چھوڑ کر تبلیغ میں جانے کی ممانعت:

''مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ مدرسین و طلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں بلکہ اس کو اپنے بزرگوں سے پوچھو کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے۔'' (ص ۳۰۰)

ظاہر بات ہے کہ اہل حق علمائے کرام تبلیغ سے کبھی بھی نہیں روکیں گے، ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ پڑھنے اور پڑھانے کے زمانہ میں خوب محنت سے پڑھو اور پڑھاؤ اور ایام تعطیلات میں، جن کا درس و تدریس کا کام نہیں، فارغ ہیں، وہ والدین، بیوی اور بچوں وغیرہم کے حقوق ادا کرتے ہوئے سہ روزہ، چلہ اور کم و بیش وقت لگائیں اور یہ سمجھیں کہ باہر نکلنا تبلیغ کا صرف ایک شعبہ ہے تاکہ عوام کے نظریات اور مختلف علاقوں اور ملکوں کے حالات سے بھی آگاہ ہو سکیں اور جو جو کمزوریاں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں، ان کو دیکھیں اور اصلاح کی فکر کریں اور اپنے اندر بھی دین کے اعمال خیر کی عادت ڈالیں

اور لوگوں کو قبر اور آخرت کی حقیقت بتائیں اور دنیا کی ناپائیداری ان پر واضح کریں کہ یہ دنیا فانی اور عارضی ہے اور یہ سفر ہے منزل نہیں، اتنا ہی دل لگاؤ جتنے کی ضرورت ہے اور اس دنیا کی فنا کا نقش دلوں میں بٹھاؤ کہ کہاں دل لگا بیٹھے ہو، کوئی چیز بھی تو اپنی نہیں

ارے بلبل تو کیوں شاخ گلستان پر ہے جا بیٹھی
چمن اپنا نہ شاخ اپنی تو کس سے دل لگا بیٹھی

حضرت تھانویؒ کی ان سنہری نصیحتوں سے مدرسین اور طلباء کو خوش ہونا چاہیے کہ "پڑھنے اور پڑھانے" کے زمانہ میں اپنے گھروں اور مدرسوں میں رہتے ہوئے بھی مبلغ ہیں بلکہ اصل مبلغ ہیں کہ وہ مبلغ ساز اور مبلغ گر ہیں اور ایام تعطیلات میں اگر درس و تدریس ان کے ذمہ نہ ہو تو ضرور وقت دیں۔ اور جو حضرات نئے نئے تبلیغی بنتے ہیں، ان کو بھی حضرت تھانویؒ کے یہ ارشادات پیش نظر رکھنے چاہییں کہ جو علماء یا طلباء درس و تدریس کے اوقات میں باہر نہیں نکلتے تو ان کو حقارت کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں، اس لیے کہ وہ بھی مبلغ بلکہ اصل مبلغ ہیں۔ اسلام میں افراط و تفریط اور غلو بری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین کی سمجھ، اپنے سینے میں اس کا درد اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھ کو غم آشیاں نہیں

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ الہ و اصحابہ وازواجہ و اتباعہ اجمعین۔

ابوالزاہد محمد سرفراز
۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ / یکم اکتوبر ۱۹۹۵ء

(بشکریہ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

عورتوں کی تبلیغی جماعت

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ

امام عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرع کی تبلیغ کا کام مردوں پر لازم قرار دیا ہے نہ کہ عورتوں پر۔ عورتوں کو تبلیغ کا کام سونپنا عیسائی مشنریوں کی تقلید ہے۔ اب ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی عورتوں کو تبلیغ پر بھیجنا شروع کر دیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ عورتیں گھروں اور مدرسوں میں تعلیم و تربیت کا کام تو انجام دے سکتی ہیں مگر مردوں کی طرح جماعت کی شکل میں تبلیغ کے لیے نکلنا غیر فطری امر ہے، اس کے نتائج اچھے نہیں نکل سکتے بلکہ قباحتیں پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ انگریز نے تو اسی آڑ میں بے حیائی کے بڑے بڑے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ آج مسلمانوں میں وہی چیزیں عود کر رہی ہیں جو کہ نہایت ہی شرم کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ہر معاملہ میں پیچھے رکھا ہے، حتیٰ کہ نماز میں بھی عورتوں کی صف مردوں کے پیچھے ہوتی ہے۔ اگر عورتیں اگلی صف میں کھڑی ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ آج دنیا میں ہر جگہ عورتوں کو آگے لایا جا رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں بھی انہیں پارلیمنٹ کا ممبر، وزیر اور مشیر بنایا جاتا ہے حتیٰ کہ سربراہ مملکت بنانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ بخاری شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح ارشاد موجود ہے کہ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا بلکہ یہ فریضہ ہمیشہ مردوں کو سونپا جاتا رہا ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، ج ۱۲ شمارہ ۴، اپریل ۲۰۰۱)

اضافات متفرقہ

مولانا محمد الیاس کے ہمعصر اکابر علماء امت اور ان کی ملی و سیاسی خدمات

قولہ: "اگر کوئی اہل اللہ تبلیغ سے روکے تو گھاٹے کا سودا ہے۔ مولانا نذر الرحمٰن نے تصوف کو تبلیغ کے تابع رکھا ہوا ہے۔ تم لوگ کہیں مقرر نہ بن جانا۔ خطیبوں سے اگر کام لینا ہوتا تو تبلیغ کا کام اللہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لیتے، ابوالکلام آزادؒ سے لیتے، حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ سے، حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے لیتے۔"

الجواب: مولوی صاحب نے ظلم کی تمام سرحدیں عبور کر ڈالیں۔ جہاد کے حوالہ سے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ پر ہاتھ اُٹھایا اور اب خطیبوں کے عنوان سے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، خطیب ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کا نام لے کر استہزاء کیا کہ یہ لوگ خطیب تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے تبلیغ کا کام نہیں لیا۔ سبحانك هٰذا بهتان عظيم ۔ میں کہتا ہوں یہ شخص خوف خدا سے عاری اور تحریک آزادیٔ ہند کی تاریخ سے نابلد ہے۔

ان اکابر سے تبلیغ کی نفی اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے تبلیغ کا کام نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بہت بڑا افتراء ہے اس کا حساب دینا پڑے گا۔ تنہا اس واعظ سے حساب نہیں ہوگا بلکہ اس کے سبھی مؤیدین، کلمہ حق سے ساقط بہرے، گونگے لوگوں کو بھی اس کا حساب دینا ہوگا۔

قریب ہے یارو کہ روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر\
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ خطابت کے بادشاہ تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔ آپ کی خطابت میں سحر آفرینی تھی۔ ایسا لگتا ہے خدا کا بندہ خطاب نہیں جادو کرتا ہے۔

لاہور تنظیم اہل سنت کانفرنس میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی زیر صدارت شاہ صاحب نے بیان کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے آئندہ اس طرح کے بیان سے روک دیا اور فرمایا شاہ صاحب کے بیان نے سامعین کو ایسا کر دیا کہ اس وقت آپ جو دعویٰ بھی کرتے لوگ مان لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو لحن داؤدی عطا فرمائی تھی۔ آپ کا نغمہ اور لہجہ ایسا تھا کہ مسلم اور غیر

مسلم سبھی وجد میں آجاتے۔ انداز بیاں اسلوب تفہیم اور ہر علاقہ کی بولی کے مطابق بیان آپ کا خاص کمال تھا۔

آپ کی خطابت کا محور دو چیزیں تھیں، اللہ تعالیٰ کی توحید و معرفت اور آنحضرت ﷺ کی شان رسالت و ختم نبوت، جب قرآنی آیات شعر کے انداز میں سمجھاتے تو ایک خاص سماں پیدا فرما دیتے۔

؎ ان کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات ان کی
ان کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر پڑھنے کا خاص اسلوب ودیعت فرمایا۔ آپ کے دہن مبارک سے آواز میں گونج پیدا ہوتی۔ جب اس کا خاص نقشہ جنابی فرماتے، دل و دماغ میں پورا مضمون سما جاتا۔ آیات کی تشریح اور شعر سے اس کا انطباق آپ کا ایسا اعجاز تھا کہ مزید تفہیم کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

فرماتے ایک شاعر کے کلام میں اس کے حسن و جمال کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

؎ در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

کیا وجہ ہے کہ قرآن میں خداوند ذوالجلال کا دیدار اور اس کی تجلی کا مشاہدہ نہ کیا جاسکے۔ فرماتے

ہر گیاہی کہ از زمین روید وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے قادیانیت کے خلاف علمی جنگ لڑی اور مقدمہ بہاول پور میں قادیانیوں کو عالمی شکست دی۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے متحدہ ہندوستان کے قریہ قریہ اور شہر شہر حق کا علم بلند کیا۔ خاص اسلوب، خداداد خوش الحانی اور مخصوص لے سے اصلی نصابی کتاب قرآن مجید سے بغیر کسی قید سہ روزہ، دس روزہ، چلہ، چار ماہ اور سال دعوت و تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ڈنکا بجایا۔ صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ سے خواص و عوام کو روشناس کرایا۔ ناموس رسالت خصوصاً مسئلہ ختم نبوت کے عنوان سے تحریک چلائی اور تمام مذہبی طبقات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ طویل قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت سے آپ کی

مساعی جمیلہ بار آور ہوئیں۔ قائد ملت مولانا مفتی محمودؒ کی قیادت میں قومی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

شاہ صاحب بخاریؒ کی خدمات کے پیش نظر وقت کے بڑے شیخ علامہ انور شاہ کاشمیری نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کو امیر شریعت کا خطاب دیا۔

ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے تبلیغ کا کام نہیں لیا، آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

؎ از خدا خواہیم توفیق ادب

ملکی آزادی کے لئے امیر شریعتؒ اور امام الہندؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ یہ لوگ حکومت کے لئے خطرہ ثابت ہوئے، حکومت کو یہ کانٹے کی طرح چبھتے تھے۔ انہوں نے انگریز کے لئے ہندوستان کی حکمرانی کو مشکل بنا دیا۔ دشمن سے ان حضرات کی قدر و منزلت دریافت کی جاسکتی ہے افسوس اپنوں نے ان کی قدر نہ کی۔ ان اکابر نے اپنی ساری توانائیاں اور رعنائیاں معرکہ حق و باطل میں صرف کیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے فرمایا۔ اس بیس سالہ نوجوان (مولانا ابوالکلام) نے ہمیں صدیوں آزادی کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ لیکن مولوی صاحب کہتے ہیں ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا کام نہیں لیا۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ آزادی کے سربرآوردہ رہنما حضرت شیخ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مشیر خاص تھے۔ قوم نے انہیں مجاہد ملت کا خطاب دیا۔ حکومت ہند ان کی حق گوئی و بیباکی سے خائف اور لرزاں تھی۔ خصوصاً جب حکومت نے علی گڑھ مسلم کالج کا نام تبدیل کرنا اور مسلم کے عنوان کو بدلنا چاہا آپ نے حکومت کو ایسا نہ کرنے دیا۔ علمی میدان میں آپ کی کتاب قصص القرآن شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے بقول حضرت مولانا اسعد مدنیؒ تقسیم ہند کے بعد متعدد مقامات میں متعصب ہندوؤں کے تشدد اور مسلمانوں کی کمزوری کے باعث چند مسلم اقوام ہندوازم میں شامل ہوگئیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندو مظالم اور ان کے خوف و ہراس کو رفع کیا اور اقوام کو جان و مال کے بارے میں اطمینان دلایا، ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے جب تک ان کو ارتداد سے دوبارہ اسلام میں نہیں لے آئے۔

اللہ تعالیٰ نے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے امت کی ہدایت کا عظیم کام لیا۔ آپ نے سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق دعوت و تبلیغ کیلئے اپنی زندگی وقف کردی۔ آپ نے امت کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حق بات ڈنکے کی چوٹ پر کہتے۔ بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ نہ کرتے۔ سرہند شریف امام مجدد الف ثانیؒ کی خانقاہ میں گیارہ دن مکتوبات امام ربانی کا درس دیا۔ وہاں کے سجادہ نشین اور حواری گھبرا اٹھے اور دست بستہ عرض کیا ہم اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس وقت کی خانقاہوں اور سجادہ نشینوں سے آپ کے راہ و رسم معروف ہیں۔ ہر جگہ سنت رسول ﷺ کا درس دیتے۔ اس اعتبار سے آپ کو ''معلم اُمت'' کہنا چاہئے۔

میں کہتا ہوں موجودہ دور میں علماء کرام کو راہِ حق پر چلنا اور نیکی کی توفیق ان اکابر کی بدولت میسر ہے۔ لازم ہے ہم ان محسنین امت کا شکریہ ادا کریں ان کی خدمات کی قدر کریں نہ کہ ان پر نکیر اور ان کی احسان فراموشی۔

نیکو نخواند اہل خرد
کہ نام بزرگاں بزشتی برد

ان اکابر کی یہ مساعی جمیلہ، سیاسی تحریکات، اسلامی دفاع اور اسلاف امت کے طرز پر دعوت و تبلیغ کا کام نہ ہوتا تو یہ رسمی تبلیغی حضرات کبھی اتنی آزادی سے چلت پھرت نہ کر سکتے۔ بنگلہ دیش میں رائیونڈ سے بھی بڑے رسمی تبلیغی اجتماعات ہوا کرتے تھے لیکن مجیب الرحمٰن کی مکتی باہنی تحریک کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ عالم اسلام اور عالم کفر کی معرکہ آرائی اور آپس میں جنگی تناظر پر تبصرہ کرتے ہوئے رافضیوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں (متعلق صفحہ ۹۳)

فلينظر كل عاقل فيما يحدث في زمانه وما يقرب من زمانه من الفتن والشرور والفساد في الاسلام فانه يجد معظم ذلك من قبل الرافضة وتجد هم من أعظم الناس فتنا وشرا وانهم لايقعدون عما يمكنهم من الفتن والشرو ايقاع الفساد بين الامة ونحن نعرف بالعيان والتواتر العام ماكان في زماننا من حين خرج

جنكز خان ملك الترك الكفار وماجرى في الاسلام من الشر فلا يشك عاقل ان استيلاء مثل هؤلاء على بلاد الاسلام وعلى اقارب رسول الله صلى الله عليه وسلم من بني هاشم كذرية العباس وغيرهم بالقتل وسفك الدماء و سبي النساء واستحلال فروجهن وسبي الصبيان واستعبادهم واخراجهم عن دين الله الى الكفر و قتل اهل العلم والدين من اهل القراٰن والصلاة وتعظيم بيوت الأصنام ثم مع هذا الرافضة يعاونون اُولئك الكفار وينصرونهم على المسلمين كما قدقال شاهدة الناس لما دخل هولا كو ملك الكفار الترك الشام سنة ثمان وخمسين وستمائه فان الرافضة الذين كانوا بالشام بالمدائن والعواصم من اهل حلب وماحولها ومن اهل دمشق وماحولهاوغيرهم كانوا أعظم الناس أنصارا وأعوانا على اقامة ملكه وتنفيذ امره في زوال ملك المسلمين وهكذايعرف الناس عامة وخاصة ماكان بالعراق لما قدم هولاكو الى العراق وقتل الخليفة وسفك فيها من الدماء مالا يحصيه الا الله فكان وزير الخليفة ابن العلقمي والرافضة هم بطانته الذين عاونوه على ذلك بانواع كثيرة باطنة وظاهرة يطول وصفها وهكذاذكر انهم كانوامع جنكز خان وقدراٰهم المسلمون بسواحل الشام وغيرها اذااقتتل المسلمون والنصارى هواهم مع النصارى ينصرونهم بحسب الامكان ويكرهون فتح مدائنهم كماكرهوافتح عكا وغيرها و يختارون ادالتهم على المسلمين حتى انهم لما انكسر عسكر المسلمين سنة غازان سنة تسع وتسعين وخمسمائةوخلت الشام من جيش المسلمين عاثوا في البلاد وسعوا في انواع من الفساد من القتل واخذ الاموال وحمل راية الصليب وتفضيل النصارى على المسلمين وحمل السبي والا موال والسلاح من المسلمين الى النصارى أهل الحراب بقبرس وغيرهافهذا وامثاله قدعاينه الناس وتواترعند من لم يعاينه ولوذكرت أنا ماسمعته ورأيته من اٰثار ذلك لطال الكتاب وعند غيري من اخبارذلك وتفاصيله مالا اعلمه فهذاأمر مشهود من معاونتهم للكفار على المسلمين،

ومن اختيار هم لظهور الكفرو اهله على الاسلام واهله [۱]

مسلمانان عالم کو جہاں کہیں نقصان پہنچا ہے۔ اس میں رافضیوں کا بڑا ہاتھ ہے رافضیوں نے لڑائی میں اسلام کے مقابلے میں ہمیشہ کفر کا ساتھ دیا۔ عباسی اسلامی دور خلافت کا سقوط بھی انہی کے ہاتھوں ہوا۔

ہر عاقل کو سمجھ لینا چاہئے موجودہ دور میں یا اس کے قریبی دور میں اسلام میں جو فتنے اور شروفساد رونما ہوئے ہیں اس میں زیادہ تر کردار رافضیوں کا ہے۔ یہ لوگ فتنہ گری اور شر میں سب سے بڑھ کر ہیں جس قدر ممکن ہو امت محمدیہ میں شروفساد پھیلانے سے باز نہیں آتے۔ ہمارا مشاہدہ ہے اور یہ بات حد تواتر تک ثابت ہے ترکوں کا کافر بادشاہ چنگیز خان جب مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوا اور فساد برپا کیا ان لوگوں نے اس کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے خلاف اس کی مدد کی جس سے کفار کو بلاد اسلامیہ پر غلبہ حاصل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے اقارب بنو ہاشم، ذریت عباس کو قتل کیا، خون بہائے، عورتوں کو قیدی بنایا، ان کی شرمگاہوں کو حلال سمجھا، بچوں کو قید کر کے غلام بنایا اور اللہ کے دین سے کفر کی طرف دھکیلا، اہل علم دیندار، اہل قرآن کا قتل عام کیا۔ بت خانے آباد ہوئے۔ وغیر ذلک

مشاہدہ کی حد تک ثابت ہے کہ جب ترک کفار کے بادشاہ ہلاکو خان نے ۶۵۸ھ میں شام پر حملہ کیا شام کے رافضی، مدائن، عواصم حلبی، ان کے ارد گرد اہل دمشق اور ان کے ارد گرد وغیرہ، مل کر اس کی حکومت کی اقامت میں اعوان وانصار بنے۔ مسلمانوں کی بادشاہت کے زوال میں ہلاکو کی حکومت قائم کرنے میں مدد کی اسی طرح عوام وخواص کے علم میں ہے ہلاکو جب عراق کی جانب بڑھا، خلیفہ وقت کو قتل کیا مسلمانوں کے خون بہائے ان کی تعداد شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابن علقمی جو خلیفہ وقت کا وزیر تھا اور دیگر رافضیوں نے ہلاکو کی ہر قسم کی ظاہری وباطنی مدد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے چنگیز خان کا ساتھ دیا جب سواحل شام وغیرہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگ ہوئی حتی الامکان ان کی طرفداریاں عیسائیوں کے ساتھ تھیں۔ یہ لوگ ان کے شہروں پر مسلمانوں کی فتح کو ناپسند کرتے جیسے فتح عک وغیرہ۔ مسلمانوں پر عیسائیوں کے غلبے سے خوش ہوتے۔ حتی کہ

---

[۱] منہاج السنہ ص ۲۴۲، ۲۴۳ ج ۳

۵۹۹ھ میں مسلمانوں کے لشکر کو شکست ہوئی اور شام لشکر اسلام سے خالی ہو گیا تو یہ لوگ شہروں میں دوڑ پڑے اور کئی قسم کے فساد برپا کئے۔ قتل وغارت گری اور لوٹ مار کی، صلیب کا جھنڈا اٹھایا، نصاریٰ کو مسلمانوں پر فوقیت دی۔ مسلمانوں کو قیدی بنا کر ہتھیار قبرص میں حربی نصاریٰ کی طرف منتقل کئے۔ یہ باتیں مشاہدہ اور تواتر کی حد تک ثابت ہیں۔ اگر میں اپنے سماع اور معائنہ کا ذکر کروں تو بات طویل ہو جائے۔ القصہ روافض نے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی معاونت کی ان کی دلی تمنا ہے کہ کفر اور اہل کفر کو اسلام اور اہل اسلام پر غلبہ حاصل ہو۔

مشاجرات صحابہ میں خاموشی کی وصیت (متعلق صفحہ ۱۰۲)

ولهذا وصوا بالامساك عما شجر بينهم لأنالا نسئل عن ذلك كما قال عمر بن عبدالعزيز تلك دماء طهر الله منها يدى فلاأحب أن أخضب بهالسانى وقال اٰخر تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون

لكن اذا اظهر مبتدع يقدح فيهم بالباطل فلا بد من الذب عنهم وذكر ما يبطل حجته بعلم وعدل [۱]

اس لئے علماء نے مشاجرات صحابہ میں خاموشی کی وصیت کی ہے۔ کیونکہ ہمیں اس بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔ جیسے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ نے میرا ہاتھ صاف رکھا ہے میں پسند نہیں کرتا میں اپنی زبان ان (کے خون) سے آلود کروں۔ آخر میں یہ آیت پڑھی۔ **تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولاتسئلون عما كانوا يعملون۔**

لیکن جب ایک ایسا بدعتی سامنے آئے جو ان کے حق میں غلط بیانی کر کے جرح وقدح کرے تو پھر دفاع اور علم وعدل سے ایسے دلائل پیش کرنا جو ان کی حجت کو باطل کر دیں۔ ضروری ہو جاتا ہے۔

---

[۱] منہاج السنہ ص ۱۹۲ ج ۳

سیدنا علیؓ کی سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت میں قول جمہور

وأما علي وغيره فبايعوا الصديق بلاخلاف بين الناس لكن قيل انهم تأخروا عن بيعته ستة اشهر ثم بايعوا وهم يقولون للشيعة على ان يكون تخلف اولاعن بيعة ابى بكر ثم بايعه بعد ستة اشهر كما تقول ذلك طائفة من أهل السنة مع الشيعة واما ان يكون بايعه أول يوم كما يقول ذلك طائفة أخرى ؎۱

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضرت علیؓ وغیرہ نے حضرت صدیقؓ کی بیعت کی۔ لیکن کہا گیا چھ ماہ بیعت سے دیر کی پھر بیعت کی۔ تو اہل سنت کا شیعہ کو کہنا ہے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنے میں پہلے دیر کی پھر چھ ماہ بعد بیعت کی جس طرح اہل سنت شیعوں کے جواب میں کہتے ہیں۔ یا پہلے ہی دن بیعت کر لی جیسا ایک جماعت کا خیال ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو شیعہ کا قول باطل ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے تخلف کیا۔ پس ثابت ہوا حضرت علیؓ ان لوگوں میں داخل ہیں جو سب سے پہلے بیعت کرنے والے ہیں۔

حضرت معاویہؓ شخصیت، خلافت عادلہ، مقام و مرتبہ (متعلق صفحہ ۱۱۷)

۱۔ حضرت معاویہؓ روایت حدیث میں اونچے طبقہ کے لوگوں میں سے ہیں۔ احادیث کے محمل اور موقع سے تطابق کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے ایک وفد کے پاس تشریف فرما تھے۔ معلوم ہوا کہ بعض لوگ حدیث بیان کرتے ہیں قحطان قبیلہ سے ایک بادشاہ ہوگا۔ آپ غصہ میں آ گئے۔ مجمع میں کھڑے ہو کر اللہ کی ثنا کی جو اس کی شان ہے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے تم میں کچھ لوگ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں ہیں نہ رسول اللہ ﷺ سے منقول۔ اپنے ایسے جہال سے بچو اور گمراہ کن اور غلط آرزو سے باز رہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا جب تک وہ دین کی اقامت کرتے رہیں گے جو کوئی ان سے مقابل ہوگا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔ ؎۲

یہ حدیث آپ کی فقہی منزلت اور عزیمت کی مظہر ہے۔

؎۱ منہاج السنہ ص ۲۰۴ ج ۲ ؎۲ بخاری شریف ج ۱ ص: ۴۹۷

۲۔ بخاری میں ہے:

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں بخدا حضرت حسنؓ بن علیؓ، معاویہ کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح کثیر لشکر میدان میں لائے۔ عمرو بن العاص فرمانے لگے میں اتنے کثیر لشکر دیکھ رہا ہوں وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ جب تک اپنے ہمعصر لوگوں کی بڑی جماعت قتل نہ کر لیں اس پر حسن بصریؒ کہتے ہیں معاویہؓ عمرو بن العاص سے کہیں بہتر تھے۔ معاویہؓ نے فرمایا اگر یہ اور وہ سب مارے گئے تو میری مدد کون کرے گا۔ ان کی عورتوں کو کون سنبھالے گا اور ان کے اہل و عیال کا خیال کون رکھے گا۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ قریش کے دو آدمی پیغام لے کر آئے اور صلح تکمیل کو پہنچی۔ ؎۱

یہ حدیث آپ کے تدبر، سیاست، امت مسلمہ کی خیر خواہی، تواضع اور صلح و آشتی پر دال ہے۔ لیکن مولوی صاحب نے آپ کے لئے چھوٹے صحابی (کم درجہ) کا لفظ وضع کر لیا۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ کثیر الروایت، فقیہ، کاتب الوحی اور اپنے درجہ و مقام میں خواص میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۔ علامہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی المتوفی ۱۲۳۹ھ اپنی آخری تصنیف حدیث کی مشہور کتاب کوثر النبی میں تحریر فرماتے ہیں۔

معاوية رضى الله عنه اسلم يوم فتح مكة وكان من مؤلفة القلوب ثم احسن اسلامه وصار من عظماء الصحابة وفقهائهم وقال بعضهم اسلم قبل الفتح لكن كتم اسلامه عن ابيه۔

معاویہؓ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ پھر آپ کے اسلام نے حسن اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ عظماء اور فقہاء صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ بعض نے کہا آپ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن اپنے باپ سے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔

عرباض بن ساریہ سے مسند احمد میں مروی ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

اَللّٰھُمَّ عَلِّمِ الْمُعَاوِیَةَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهُ الْعَذَابَ ۔ اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا اور اس کو عذاب سے بچا۔

؎۱ بخاری شریف ج ۱ ص: ۳۷۳

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَّاهْدِبِهٖ

''اے اللہ! اس کو ہادی ومہدی بنا اور اس کو ہدایت کا ذریعہ بنا۔''

ترمذی نے عمر بن سعد سے ذکر کیا۔

اللهم اهد به اے اللہ! اس کے ذریعے ہدایت دے۔

ولو لم يكن فكفى الصحبةُ شرفاً لعموم الأيات والا حاديث الواردة فى فضائل الصحابة ''اور اگر آپ کی فضیلت میں کوئی حدیث نہ بھی ہو تو آنحضرت ﷺ کی صحابیت کا شرف کیا کچھ کم ہے۔ آپ فضائل صحابہ میں آیات واحادیث کے عموم کا مصداق ہیں۔''

وبالجملة فمعاوية رضى الله عنه من الصحابة الكبار والخطاء الاجتهاد فى محاربة على رضى الله عنه لايوجب قدحا فيه لصحة الاحاديث الناهية عن طعن الصحابة والأمر باكرامهم ومن وقع فيه فهو على خطر من دينه [1]

''القصہ۔ معاویہ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ میں خطاء اجتہادی ان میں قدح کا موجب نہیں۔ کیونکہ صحیح احادیث میں طعنِ صحابہ سے نہی وارد ہوئی ہے اور ان کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے۔ جو شخص اس سلسلے میں زبان درازی کرے گا دین کے اعتبار سے خطرناک موڑ پر ہے۔''

مولوی صاحب حضرت معاویہ کے متعلق لب کشائی کرتے ہیں کہ وہ تو عبداللہ بن عمر کے ناخن کے برابر بھی نہیں تھے درجہ کے لحاظ سے۔

میں کہتا ہوں معاویہ تو انسان تھے۔ صحابی رسول ﷺ کاتب الوحی، ناخن کے برابر انسانیت کا درجہ ہے۔؟

ناطقہ سرگریباں ہے اسے کیا کہئے

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے۔

عبد الله بن عمر كان من ابعد الناس عن ثلب الصحابة واروى الناس لمنا قبهم

عبداللہ بن عمرؓ صحابہ کرام کی ادنی سی عیب جوئی سے بھی دور تر تھے اور سب سے بڑھ کر صحابہؓ کی مدح سرائی کرنے والے تھے۔

[1] کوثر النبی قدیم ص ۲۰۹

اگر عبداللہ بن عمرؓ کو معلوم ہو کسی نے معاویہ کو میری نسبت سے اس طرح ذکر کیا ہے آپ کی طبیعت پر کیا گزرتی؟

اندازہ کیجئے مولوی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن عمرؓ کی نسبت اس طرح کہا ہے جبکہ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں معاویہ سیادت میں ابوبکر اور میرے باپ سے بھی بڑھ کر تھے۔

مارأيت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اسود من معاوية قيل له ولا ابوبكر و عمر فقال ابوبكر و عمر خيرامنه ومارأيت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اسود من معاوية قال احمد بن حنبل السيد الحليم يعنى معاوية وكان معاوية كريما حليما۔ [1]

میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد معاویہ سے زیادہ صاحب سیادت کسی کو نہیں دیکھا۔ کہا گیا ابوبکر وعمر بھی نہیں۔ فرمایا ابوبکر وعمر ان سے افضل تھے۔ لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد معاویہ سے بڑھ کر صاحب سیادت کسی کو نہیں دیکھا۔ (امام) احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے یعنی معاویہ سرداری کے لائق حلیم الطبع۔ معاویہ کریم الطبع اور بردبار تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں۔

ثم من المعلوم من سيرة معاوية أنه كان من أحلمِ النّاس وأصبرهم على من يؤذيه واعظم الناس تأليفا لمن يعاديه وهو بعد الملك يسمع كلام من يشتِمُه فى وجهه [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں یہ بات مسلم ہے وہ لوگوں میں زیادہ بردبار اور بڑے صابر تھے اس شخص پر جو انہیں ایذا دیتا۔ اپنے مخالفین کی حق میں تالیف قلوب کا خیال رکھتے۔ بادشاہ بننے کے بعد آپ اس شخص کا کلام بھی سنتے جو انہیں ان کے منہ پر گالیاں دیتا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کا امارت کے سلسلہ میں حضرت معاویہؓ پر اعتماد

ومعاوية ممن حسن اسلامه باتفاق أهل العلم ولهذا ولاه عمر بن الخطاب رضى الله عنه موضع اخيه يزيد بن أبى سفيان لمامات أخوه يزيد بالشام..... وعمر لم يكن تاخذه فى الله لومة لائم وليس هو ممن يحابى فى الولاية......

[1] حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول النہایہ ابن اثیر جزری کے حوالے سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے سیادت سے ان کی مراد حکومت اور مال دینے میں فیاضی ہے۔ اور یہ قول بعض حکمرانی کے طور طریق میں ماہر تھے۔ [2] منہاج السنۃ ص ۲۱۸، ۲۱۹ ج ۳

فتولية عمر لابنه معاوية ليس لها سبب دنيوى ولولا استحقاقه للامارة لما أمره ثم انه بقى فى الشام عشرين سنة اميرا وعشرين سنة خليفة ورعيته من أشد الناس محبة وموافقة له وهو من أعظم الناس احسانا اليهم وتأليفا لقلوبهم ۱؎

معاویہ کے حسنِ اسلام پر اہل علم کا اتفاق ہے۔لہٰذا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کی شام میں موت کے بعد بھائی کی جگہ آپ کو والی بنادیا۔ حضرت عمرؓ کو اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پروا نہ تھی نہ وہ ولایت میں عطا کے قائل تھے۔حضرت عمرؓ کا ان کو والی بنانا کسی دنیوی غرض کے باعث نہ تھا۔اگر وہ امارت کے مستحق نہ ہوتے تو یہ عہدہ ان کے سپرد نہ کرتے۔وہ شام میں بیس سال امیر اور بیس سال خلیفہ رہے۔آپ کی رعایا آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی اور آپ کے موافق تھی۔آپ دوسرے امراء کی نسبت اپنی رعایا پر زیادہ احسان کرتے اور ان کی تالیف قلوب کرتے۔

عبداللہ بن عمرؓ باوجودیکہ حضرت علیؓ کے قریب اور ان کی عظمت کے قائل تھے،حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ میں الگ تھلگ رہے

ومن حين مات عثمان تفرق الناس وعبدالله بن عمر الرجل الصالح لحق بمكة ولم يبايع احدا ولم يزل معتزل الفتنة حتى اجتمع الناس على معاوية مع محبته لعلىّ ورؤيته له أنه هو المستحق للخلافة وتعظيمه له وموالاته له وذمه لمن يطعن عليه۔ ۲؎

جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے لوگ متفرق ہوگئے۔عبداللہ بن عمر مرد صالح تھے۔مکہ چلے گئے کسی کی بیعت نہ کی۔اس وقت فتنوں سے دور رہے یہاں تک کہ لوگ معاویہ پر جمع ہوگئے۔حالانکہ عبداللہ بن عمرؓ کی حضرت علیؓ سے محبت،ان کو خلافت کا مستحق سمجھنا اور آپ کی تعظیم و محبت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔آپ اس شخص کو برا سمجھتے جو حضرت علیؓ پر طعن کرتا۔

۱؎ منہاج السنہ ص۲۰۲ ج۲   ۲؎ ایضاً ص۲۰۲ ج۳

سیدنا حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور لوگ آپ پر جمع ہوئے تو حضرت ابن عمرؓ نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اسی میں امت کا بھلا سمجھا۔

فإن عبدالله بن عمر لم يقاتل مع هذا ولا مع هذا وكان معظما لعلىّ محبا له يذكر فضائله ومناقبه وكان مبايعا لمعاوية لما اجتمع عليه الناس غير خارج عليه ۱؎

عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر لڑائی کی نہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ۔آپ حضرت علیؓ کی بہت تعظیم کرتے،ان سے والہانہ محبت رکھتے۔آپ حضرت علیؓ کے فضائل ومناقب ذکر کیا کرتے۔بعد میں آپ نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی جب لوگ حضرت معاویہؓ پر جمع ہوئے۔(معاویہؓ کے ہاتھ پر حضرت حسنؓ کی بیعت کے بعد) آپ نے معاویہؓ پر خروج نہیں کیا۔

آپ ان کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا آپ کی خلافت پر بیعت کرنا تقیہ تھا یا حقیقت؟ اگر حقیقت تھا تو مولوی صاحب کا کہنا وہ ان کے ناخن کے برابر نہیں کس قدر ہرزہ سرائی ہے۔

حضرت معاویہؓ کا اپنی رعایا سے حسنِ سلوک اور محبت

وكانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار سير الولاة وكان رعيته يحبونه وقد ثبت فى الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم وانما ظهر الاحداث من معاوية فى الفتنة لما قتل عثمان ولما قتل عثمان كانت الفتنة شاملة لاكثر الناس لم يختص بها معاوية بل كان معاوية أطلب للسلامة من كثير منهم وأبعد من الشر من كثير منهم ومعاوية كان خيرا من الاشتر النخعى ومن محمد بن أبى بكر ومن عبيد الله بن عمر بن الخطاب ومن أبى الأعور السلمى ومن هاشم بن هاشم بن هاشم المرقال ومن الاشعث بن قيس الكندى ومن بسر بن أبى أرطاة

۱؎ منہاج السنہ ص۲۰۶ ج۲

وغیرهؤلاء من الذین کا نوامعه ومع علی بن أبی طالب رضی الله عنهما۔ ۱

معاویہؓ کا رویہ اپنی رعیت کے ساتھ دیگر حکام کے رویے کی نسبت بہترین تھا۔ آپ کی رعیت آپ سے محبت کرتی۔ صحیحین میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے ہو، وہ تم سے محبت رکھتے ہوں۔ تم ان کے حق میں دعا گو، وہ تمہارے حق میں دعا گو ہوں۔ تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو، وہ تم سے بغض رکھتے ہوں۔ تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہوں۔

معاویہؓ سے حوادث کا ظہور اس وقت ہوا جب حضرت عثمانؓ قتل کئے گئے۔ معاویہؓ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اکثر لوگوں کو فتنوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ معاویہؓ تو اکثر لوگوں کے برعکس سلامتی کے طالب تھے اور شر سے دور۔ آپ اشتر نخعی، محمد بن ابی بکر، عبید اللہ عمر بن الخطاب ابی الأعور سلمی، ہاشم بن ہاشم المرقال، اشعث ابن قیس کندی، بسر بن ابی ارطاۃ وغیرہم سب سے بہتر ہیں۔ جو معاویہؓ یا حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شامل تھے۔

حجۃ الوداع اور متعدد غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاویہؓ کی رفاقت

ومعاویة لیس له بخصوصه فضیلة فی الصحیح لکن شهد مع رسول الله حنینا والطائف وتبوك وحج معه حجة الوداع وکان یکتب الوحی فهو ممن ائتمنه النبی صلی الله علیه وسلم علی کتابة الوحی کماائتمن غیره من الصحابة ۲

معاویہؓ کی بخصوصہ صحیح بخاری میں فضیلت مذکور نہیں۔ لیکن غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور (حجۃ الوداع) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ حج کیا، کاتب الوحی تھے۔ آپ ان صحابہ میں سے تھے جن کو کتابت وحی سے متعلق آنحضرت ﷺ نے امین سمجھا۔

حضرت معاویہؓ کی فتوح شام اور قسطنطنیہ

حضرت معاویہؓ نے پہلا اسلامی بحری بیڑہ سمندر میں اتارا رومیوں کے خلاف جہاد کیا۔ روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ متعدد رومی ریاستیں زیر نگیں ہوئیں۔ بے شمار خلق حلقہ بگوش اسلام ہوئی، قیصر روم ہرقل کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی، آنحضرت ﷺ نے

---

۱ منہاج السنہ ص ۱۸۹ ج ۲ ۲ ایضاً ص ۱۱ ج ۲

اس غزوہ اولیٰ میں نکلنے والے مردوں اور عورتوں کو جنت کی بشارت سنائی۔ اور غزوہ ثانیہ میں قسطنطنیہ کے فاتحین کو مغفرت کی خوشخبری دی۔ یہ سب فتوحات حضرت معاویہؓ کی مرہون منت ہیں۔ وکفٰی به شرفا ۱

ومعاویة مع فضل الصحبة له حسنات کثیرة لاتعد ولا تحدمن أجلها جهاده فی سبیل الله اما بجیوشه حتی فتحت بلاد کثیرة وصارت دار اسلام بعد أن کانت دار کفر، وبسببه دخل الی الاسلام الوف الوف کثیرة ممن أسلموا علی یده وبدجیوشه من ذراریهم الی یوم القیٰمة، فله مثل حسناتهم أجمعین۔ ۲

معاویہؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کی فضیلت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی اور بھی بہت سی نیکیاں ہیں جن کا شمار اور احاطہ ممکن نہیں۔ آپ نے بنفس نفیس اپنے عساکر کے ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی یہاں تک کہ بہت سے شہر فتح ہوئے اور وہ دار اسلام بن گئے جبکہ پہلے وہ دار کفر تھے۔ اس کی برکت سے ہزارہا خلق حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ یہ لوگ آپ اور آپ کے عساکر کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اس طرح ان کی اولادیں قیامت تک۔ اس طرح ان سب کی نیکیاں حضرت معاویہ کے حق میں شمار ہوں گی۔

قال تعالیٰ (لایستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین أنفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعدا لله الحسنی) وتأمل قوله تعالی (وکلا وعدالله الحسنی) تجد معاویة وأباه وأخاه وغیرهم ممن أسلموا بعد الفتح داخلون فی هذا الوعد من الله تعالیٰ بالحسنی فضلا عن غیرهم ممن أسلموا قبل الفتح کعمرو بن العاص وکثیر من بنی أمیة الذین کا نوامع معاویة ۳

بزبان خداوندی "تم میں سے وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں قتال کیا یہ لوگ عظیم درجات کے مالک ہیں۔ ان کی نسبت جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔ ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔

کلا وعد الله الحسنی میں غور کرنا چاہئے۔ حضرت معاویہؓ آپ کے والد اور آپ

---

۱ بخاری شریف ص ۴۱۰، ۴۰۳ ج ۱ ۲ الاسالیب البدیعہ فی فضل الصحابہ واقناع الشیعہ للشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی ۵۲۸، ۵۲۷ ۳ ایضاً ۵۲۹

(جنت) کا وعدہ کیا ہے۔ چہ جائیکہ ان لوگوں کا درجہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے جیسے حضرت عمرو بن العاصؓ اور بنو امیہ میں سے بہت سے لوگ جنھوں نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا۔
مزید تفصیل کیلئے ہماری کتاب الناظرہ فی فضل معاویہ مطالعہ فرمائیے۔

دعا اھدنا الصراط المستقیم (متعلق صفحہ ۱۲۲)

افسوس مولوی صاحب سورہ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم دعا جو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، بھول گئے؟ یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ منعم علیھم یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اس سے امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوات والتسلیمات کی راہ مراد ہے یا بنی اسرائیل کی؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے فضائل وخصائص کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں (متعلق صفحہ ۱۳۵)

ونحن ولله الحمد لم يزل لأمتنا سيف منصور يقاتلون على الحق فيكونون على الهدى ودين الحق الذى بعث الله به الرسول فلهذا لم نزل ولا نزال وأبعد الناس عن هذه الطائفة المهدية المنصورة هم الرافضة لأ نهم أجهل وأظلم طوائف أهل الأهواء المنتسبين الى القبلة وخيار هذه الامة هم الصحابة فلم يكن فى الامة أعظم اجتماعا على الهدى ودين الحق ولا أبعد عن التفرق والاختلاف منهم وكل مايذكر عنهم ممافيه نقص فهذا اذاقيس الى مايوجد فى غير هم من الا مة كان قليلا من كثير واذا قيس مايوجد فى الامة الى مايوجد فى سائر الا مم كان قليلا من كثير وانما يغلط من يغلط أنه ينظر الى السواد القليل فى الثوب الا بيض ولا ينظر الى الثوب الا سود الذى فيه بياض وهذا من الجهل والظلم بل يوزن هؤلاء بنظرائم فيظهر الفضل والرجحان[1]

بحمد اللہ تعالیٰ ہماری امت کیلئے سیف منصور ہمیشہ سے قائم ہے وہ حق پر قتال کرتے

[1] منہاج السنہ ص ۲۴۲ ج ۳

والظلم بل یوزن ھؤلاء بنظرائم فیظھر الفضل والرجحان[1]
بحمد اللہ تعالیٰ ہماری امت کیلئے سیف منصور ہمیشہ سے قائم ہے وہ حق پر قتال کرتے
ہیں۔ ہدایت اور دین حق پر قائم ہیں۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔ لہٰذا یہ امت اسی پر قائم ودائم ہے اور رہتی دنیا تک باقی رہے گی اس فرقہ مہدیہ منصورہ سے لوگوں میں دور تر رافضی ہیں۔ قبلہ کی طرف منسوب ہوا پرست طبقات میں سے سب سے زیادہ جاہل اور ظالم ہیں۔

اس امت کے طبقات میں سے بہترین طبقہ صحابہ کا ہے۔ امت میں ہدایت اور دین حق پر اس سے بڑھ کر کبھی اجتماع نہیں ہوا۔ امت میں ان سے زیادہ تفرقہ اور اختلاف سے دور تر کوئی طبقہ نہیں پایا گیا۔ ان کے بعد ہر وہ نقص جو ان کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے اگر اسے امت میں دوسروں کی نسبت دیکھا جائے تو کثیر میں قلیل دکھائی دیتا ہے۔ اگر تمام امتوں کی نسبت اس کا اندازہ لگایا جائے تو بھی کثیر میں قلیل نظر آئے۔ اور اس سلسلے میں جسے غلطی لگتی ہے وہ اس لئے کہ نہایت سفید لباس میں ایک معمولی سا کالا داغ نظر آتا ہے۔ اس شخص کو سیاہ لباس میں سفید داغ نظر نہیں آتا۔ یہ بہت بڑی جہالت اور ظلم ہے۔ ان کا ان کے ہم جنس لوگوں کی نسبت اندازہ لگایا جائے پھر پتہ چلے ان کو کتنا کمال اور فوقیت حاصل ہے۔

قرآن اور نماز دعوت وارشاد اور ہدایت کی بہترین راہ (متعلق صفحہ ۱۵۸)

عبد یالیل کی سرپرستی میں قبیلہ ثقیف کے پانچ سردار مدینہ آئے۔ ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کے خیمے مسجد کے قریب لگادو۔
لیسمعوا القران ویروا الناس اذا صلّوا[1]
''تا کہ وہ قرآن سنیں اور لوگوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھیں''۔ بعد ازاں انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

حدیبیہ میں اُم کلثوم بنتِ عقبہ بن ابی معیط کی عدم واپسی (متعلق صفحہ ۱۸۴)

جب فریقین کے مابین معاہدہ قرار پاچکا تو اُم کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط حدیبیہ کے

[1] نور الیقین ص ۲۴۲

مقام پر مسلمانوں کے پاس پہنچی، مشرکین نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ مسلمانوں نے اسے واپس نہ کیا۔ کیونکہ شرائط مردوں کے بارے میں طے پائی تھیں نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فان علمتموهن مؤمنٰت فلا ترجعوهن الى الكفار[1]

اگر تم انہیں مومن سمجھو تو انہیں کفار کی طرف واپس مت کرو۔

مرد کی نسبت عورت کی عدم واپسی اہل مکہ پر زیادہ گراں تھی۔ لیکن معاہدہ کی شرائط میں عورتوں کے شامل نہ ہونے کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ام کلثوم کو واپس نہ کیا۔

---

[1] الممتحنہ رکوع نمبر ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤلف کا علمی تعارف اور آپ کے کبار مشائخ اور اساتذہ

(آپ کی اپنی زبانی)

بحمد اللہ تعالیٰ راقم الحروف نے ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء مدرسہ نصرۃ العلوم واقع جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں تحصیل علم حدیث کی۔ یہ میرا مادر علمی ہے۔ ۱۳۹۱ھ میں مدرسہ ہذا میں افتاء اور تدریس کی خدمت میرے سپرد ہوئی۔ یقیناً میں اتنی بڑی ذمہ داری کا متحمل نہ تھا۔ میرے زاویہ خیال میں یہاں تک رسائی کا واہمہ بھی نہ تھا۔ لیکن باعث اطمینان یہ کہ **ماطلبت تلك العهدة وما اردتها بل حملت من عند الاساتذة والمشائخ فتحملت وحملت بفضل الله ورحمته**۔

اس معہد علمی میں حضرت الاستاذ الشیخ محی السنہ مولانا ابوالزاہد شیخ محمد سرفراز خان صفدر صدر المدرسین مدرسہ ہذا اور جامع الفضائل والکمال مولانا الشیخ صوفی عبدالحمید صاحب **خلدت ظلالهم ومدت فی الآفاق انفاسهم وافكارهم**، ان دونوں بزرگوں کے حکم سے اور ان کی تربیت اور سرپرستی میں فتویٰ لکھنا شروع کیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ وفضلہ۔

راقم الحروف پر اکابر علماء اور مشائخ کا اعتماد واطمینان

فتاویٰ وغیرہ میں بندہ پر حسب ذیل بزرگوں نے اعتماد واطمینان کا اظہار کیا۔

(۱) حضرت الشیخ مولانا عبدالرشید نعمانی، نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر بروایۃ ابی مطیع البلخیؒ، جو ہمارے شیخ مولانا المفتی قاضی عبداللہؒ ڈیرہ غازیخان کی شرح کے ساتھ مجلس علمی کراچی نے ۱۹۸۵ء میں چھاپی۔ اس پر میرا عربی مقدمہ، مناقب امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ترجمۃ المولف مطالعہ فرما کر بہت سراہا اور کہا آپ نے ایک نئے اسلوب میں امام صاحب پر لکھا ہے جو بہت وقیع اور جاندار ہے۔

(۲) حضرت الشیخ الاستاذ مولانا القاضی شمس الدینؒ مختلف فیہ مسائل میں فتویٰ کیلئے

مستفتیان کو احقر کے پاس بھیجتے اور میرے تحریر کردہ جواب پر تصدیق فرماتے۔

(۳) ایک دفعہ رویۃ الھلال رمضان وعید کے مسئلہ میں کراچی کے بعض علماء نے انفرادیت اختیار کی۔ بندہ نے حضرت الشیخ صفدر کو ان علماء کے عندیہ سے مطلع کیا۔ حضرت نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے مجھے ایک طویل مکتوب لکھا۔

"آپ بفضلہ تعالیٰ ذمہ دار صاحب رائے اور افتاء کے مجاز ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک صحیح ہے تو راقم اثیم کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ اپنے افتاء میں نہ صرف معذور بلکہ ماجور ہوں گے، لیکن راقم اثیم اپنے آپ کو تائید کرنے پر آمادہ نہیں پاتا۔" الخ

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز گکھڑ

۲۲ رمضان ۱۴۰۷ھ

۲۰ مئی ۱۹۸۷ء

(۴) الشیخ الاستاذ مولانا صوفی عبدالحمیدؒ نے حضرت الشیخ کا مکتوب پڑھا تو مجھے کہا کہ شیخ نے آپ کو بڑا مقام دیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو کچھ بھی نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور حضرت کی دعا ہے۔ خود حضرت صوفی صاحب نے اَجْوِبہ اربعین حضرت نانوتویؒ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

"کتاب کی جلد اول کی تسوید کے بعد اس کی خواندگی کیلئے احقر نے مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی جو کئی سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم میں افتاء کا کام کرتے رہے ہیں، تدریس بھی۔ موصوف خود بھی مدرسہ نصرۃ العلوم کے قدیم فضلاء میں سے ہیں اور ان کو فتویٰ نویسی میں کافی تجربہ اور درک ہے۔" الخ [1]

آپ نے جب نظم الدرر فی شرح فقہ الاکبر کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ آپ کی عربیت بہت چست ہے۔ ایک غیر مقلد کی کتاب الدیوبندیہ کا اچھا خاصا جواب لکھ سکتے ہیں۔

(۵) ۱۹۸۰ء میں حضرت الشیخ مولانا مفتی محمود صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ حکومت زکوٰۃ

آرڈیننس کے ذریعہ بینک میں جمع اثاثہ جات نقد اور زیورات میں سے بغیر اجازت مالکان زکوٰۃ منہا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو آپ نے ۲۳ جون ۱۹۸۰ء میں علماء کرام اور مفتیان سے مشاورت کیلئے قاسم العلوم ملتان میں ایک میٹنگ بلائی۔ اس میں بہت سے اہل علم جمع ہوئے۔ اسکی دو مجلسیں ہوئیں، ایک صبح اور دوسری مجلس بعد از مغرب۔ تمام حضرات کے اتفاق سے یہ طے پایا کہ حکومت مالکان کی اجازت کے بغیر جبراً بینک سے زکوٰۃ لینے کا اختیار نہیں رکھتی۔ اس میں کئی قسم کی قباحتیں ہیں۔ بینک کا مال اموال باطنہ کی مد میں آتا ہے جبکہ حکومت اموال ظاہرہ سے جبراً زکوٰۃ لینے کی مجاز ہے۔ زکوٰۃ ایک اسلامی فریضہ ہے، نیت کے بغیر اسکی ادائیگی نہیں ہو سکتی۔ انما الاعمال بالنیات۔ (الحدیث)

بحث ختم ہوئی تو حضرت الاستاذ نے مجھے روک لیا اور واپس آنے کی [illegible] دی اور فرمایا کہ اس بحث کیلئے مآخذ اور مراجع تلاش کیجئے۔ میں نے مرجع تلاش کیا کہ امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں خذ من اموالھم صدقۃ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ [1]

"واما زکوۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال ھذا شھر زکوتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل لھم اداء ھا الی المساکین وسقط من اجل ذلک حق الامام فی اخذھا لانہ عقد عقدہ امام من ائمۃ العدل فھو نافذ علی الأمۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ [2]

حضرت الاستاذ نے اس کو بہت پسند کیا اور اس کو اپنا بڑا استدلال قرار دیا۔

(۶) حضرت الشیخ مولانا مفتی جمیل احمد صاحبؒ صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور۔

حضرت مولانا مفتی محمد جمال صاحبؒ (سوکڑ تونسہ شریف) کی طرف سے ایک سوال موصول ہوا۔ جو فتاویٰ قاضی خان کی عبارت سے متعلق تھا کہ ایک آدمی دس عورتوں سے علی التعاقب نکاح کرے تو نویں دسویں کا نکاح صحیح اور باقی کا نکاح باطل ہے۔ حضرت الشیخ مولانا

مفتی جمیل احمد صاحب (خلدت ظلالہ) سے حوصلہ افزائی ہوئی اور بحمد اللہ تا حل عبارت آخر تک مراسلہ جاری رہا۔ خوش قسمتی سے ایک سال بعد فتاویٰ قاضی خاں باب محرمات کی عبارت کچھ زیادتی کے ساتھ شرائط نکاح کے فصل میں مل گئی۔ میں نے مفتی صاحب کو اس سے آگاہ کیا جس سے مسئلہ واضح ہوگیا۔ آپ نے جواباً لکھا:

"مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد (کلام طویل) آپ کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جمیعاً کا لفظ اس کی صریح دلیل ہے۔

جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ"

کبار مشائخ واساتذہ جن سے تفسیر، حدیث فقہ اور افتاء میں درس لیا اور استفادہ کیا

۱۔ حضرت الاستاذ الشیخ مولانا محمد امیرؒ المتوفی ۱۴ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ بمطابق یکم اگست ۱۹۸۵ء۔ درس ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء۔ استفادہ تا آخر حیات (مدرسہ عربیہ چاہ داد و والا جھوک وینس ملتان)

۲۔ حضرت الاستاذ الشیخ مولانا مفتی محمودؒ المتوفی ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء درس ۱۹۵۶ء استفادہ تا آخر حیات (قاسم العلوم ملتان)

۳۔ حضرت الاستاذ الشیخ مولانا عبدالرحیمؒ المتوفی ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹۹۶ء ماہ اکتوبر۔ درس سراجیہ ۱۹۵۶ء (مدرسہ عربیہ کہہار منڈی ملتان)

۴۔ حضرت الاستاذ الشیخ مولانا قاضی شمس الدین المتوفی ۱۹۸۵ء۔ درس صحاح وتفسیر ۱۹۵۷ء نصرۃ العلوم گوجرانوالہ دورہ حدیث کے سات رفقا میں سے اول۔ استفادہ تا آخر حیات (جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ)

۵۔ حضرت الاستاذ الشیخ المرشد حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری المتوفی ۱۹۶۲ء۔ دورہ تفسیر ۱۹۶۰ء (قاسم العلوم جامع مسجد شیرانوالہ لاہور)

راقم الحروف سمیت چار رفقا اول آئے۔ نمبر ۱۰۰/۱۰۰ جب مجھے سند دینے کی باری آئی حضرت شیخؒ

نے فرمایا پرچہ جات موجود ہیں جسے شک ہو وہ دیکھ سکتا ہے۔

۶۔ حضرت الاستاذ الشیخ ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ۔ درس صحاح ستہ ۱۹۵۷ء۔ استفادہ تا آخر حیات (نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

۷۔ حضرت الاستاذ الشیخ مفتی مولانا قاضی عبیداللہ المتوفی ۱۹۸۵ء۔ استفادہ ۱۹۶۱ء تا آخر حیات (مدرسہ عبیدیہ ڈیرہ غازی خان)

۸۔ حضرت الاستاذ الشیخ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ المتوفی ۱۹۸۰ء۔ دورہ تفسیر ۱۹۶۲ء تین سو طلباء میں سے اول فاز فی الدرجۃ الاولی (تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی)

۹۔ حضرت الشیخ مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ استفادہ ۱۹۷۰ء تا آخر حیات (نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

۱۰۔ حضرت الشیخ مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ المتوفی ۱۹۹۴ء۔ استفادہ بحضور مجلس والمراسلہ ۱۹۹۱ء تا آخر حیات۔ (دارالعلوم اسلامیہ وجامعہ اشرفیہ لاہور)

۱۱۔ حضرت الاستاذ الشیخ مولانا مفتی عبدالحق المتوفی ۱۹۸۴ء۔ استفادہ ۱۹۷۹ء تا آخر حیات۔ (جامع مسجد وہوا، تونسہ شریف ڈیرہ غازی خان)

۱۲۔ حضرت الشیخ مولانا مفتی عبدالواحدؒ المتوفی ۱۹۸۴ء۔ استفادہ ۱۹۷۰ء تا آخر حیات۔ (انوار العلوم شیرانوالہ گوجرانوالہ)

۱۳۔ حضرت الاستاذ الشیخ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی استفادہ ۱۹۷۰ء تا حال۔ (سابق استاذ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

۱۴۔ الشیخ المحقق المحدث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ المتوفی ۱۹۹۹ء۔ کراچی سندھ پاکستان۔ استفادہ ۱۹۹۱ء تا آخر حیات۔

۱۵۔ الشیخ المحقق النبیہ حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی مدظلہ العالی کراچی سندھ استفادہ بحضور مجلس ۲۰۰۲ء تا حال۔

۱۶۔ حضرت الشیخ العلامہ عبدالواحد مصریؒ۔ الاستاذ بجامعۃ ام القریٰ مکۃ المکرمہ
سہ ماہی دورہ لغویہ عربیہ جامعہ فاروقیہ کراچی ۱۹۸۴ء ، ۱۴۰۴ھ

۱۷۔ حضرت الشیخ الفقیہ المولیٰ عثمان بن ابراہیم المرشدؒ استاذ الفقہ والاصول بجامعۃ ام القریٰ مکۃ المکرمہ سہ ماہی دورہ لغویہ عربیہ۔ جامعہ فاروقیہ کراچی ۱۹۸۴ء۔ ۱۴۰۴ھ

۱۸۔ ۱۹۷۹ء دارالعلوم فیصل آباد پیپلز کالونی نمبر ۲ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوریؒ نے متوسلین اور علماء کی بڑی جماعت کی معیت میں پورے رمضان المبارک کا اعتکاف کیا۔ آخری عشرہ میں علماء کرام کو خصوصی طور پر مدعو کیا جن میں یہ احقر بھی شامل تھا۔ بخاری شریف کا اول اور آخر پڑھا اور اپنے مشائخ کرام کے سلسلہ حدیث کی اجازت دی اور خصوصی سند مرحمت فرمائی۔

۱۹۔ حضرت شیخ مولانا خیر محمد مہاجر المدنی ثم المکی سے بیت اللہ شریف میں سلاسل احادیث کی اجازت بواسطہ جناب مولانا ابو محمد قاسمی لاہوری مرحوم۔

سلسلہ سلوک، بیعت اور اجازت

۱۔ ۱۳۸۰ھ بمطابق ۱۹۶۰ء استاذی و مرشدی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں دورہ تفسیر میں داخلہ لیا۔ ۲۷ رمضان بعد از نماز مغرب آپ کے دست مبارک پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ حسب قاعدہ آپ نے ابتدائی ذکر کی تلقین فرمائی۔ شب و روز آپ کی صحبت اور بیعت سے بہت سی برکات کا مشاہدہ کیا۔

۲۔ ۱۹۶۲ء جامع عیدگاہ کلورکوٹ تدریس کے دوران حضرت الشیخ فقیر جان محمدؒ، آپ حضرت شیخ مولانا حسین علیؒ کے سلسلہ میں مجاز بیعت تھے، ان سے نقشبندی سلسلہ کے مطابق لطائف اور آغاز مراقبات تک اسباق طے کئے اور ان میں شیخ کی توجہات اور عنایات سے ریاضت حاصل کی۔ اور جامع عیدگاہ ڈیرہ غازی خان میں بفضلہ تعالیٰ ربط و ضبط سے ہمقریں ہوا۔ واللہ الموفق

۳۔ ۷ شوال ۱۴۱۲ھ ، ۱۱ اپریل ۱۹۹۲ء علی پور ضلع مظفر گڑھ کے ایک تعلیمی و تبلیغی سفر میں راقم

حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ہمراہ تھا حضرت نے فرمایا:

''میں مفتی صاحب کو ان تمام سلاسل کی اجازت دیتا ہوں جن کی مجھے اپنے مشائخ سے اجازت ہے۔ عمل کی، تعویز کی اور بیعت کی''۔

میں نے اس سفر کی دوسری مجلس میں عرض کیا حضرت میں تو اس کا اہل نہیں اور میں نے آپ سے بیعت بھی نہیں کی۔ فرمایا میں نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ مجھ سے کہلوایا گیا ہے۔

راقم الحروف نے کئی ایک سفر حضرتؒ کے ساتھ کئے۔ آپ کو اپنے نیاز مندوں کی ناز برداری بھی برداشت تھی۔ حضرت نے ایک شعر پڑھا میں نے عرض کیا مجھے لکھ دیں۔ تو آپ نے اپنے قلم سے لکھ دیا۔ جس کا عکس پیش خدمت ہے۔

NAME & ADDRESS — PHONE NO.

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں

یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

جگر

اسی طرح بندہ نے ایک نا تمام مصرعہ پڑھا حضرت نے اس کی تصحیح فرمائی اور مکمل شعر سنایا۔

وداع و وصل ہر یک جداگانہ لذتی دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا — آزاد

ایک دفعہ راقم نے حضرت شاہ صاحبؒ کو مفسر قرآن مولانا حسین علیؒ کا قول سنایا۔ ''دتی دا مولوی قرآن سمجھدا اے'' اس پر حضرت نے فرمایا مجھے ایک بات کی تصدیق ہوگئی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا کہ ہمارے دور کے دو شخص قرآن کا بڑا فہم رکھتے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا حسین علیؒ (۲) مولانا ابوالکلام آزادؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہم ذیلی مباحث کا انتخاب

تصنیفات مولف مدظلہ العالی

1- نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر (بروایۃ ابو مطیع بلخی تلمیذ امام اعظم)

علم کلام، اسلامی عقائد اور نظریات میں امام ابو حنیفہ کوفیؒ کی عظیم کتاب ہے جس میں فرقہ باطلہ جبریہ، قدریہ، مشائیہ، جہمیہ، کرامیہ، خوارج، مرجئہ، شیعہ، دہریہ اور معتزلہ پر سخت رد کیا گیا ہے۔ مولف کے استاد مولانا قاضی عبید اللہ (مفتی ڈیرہ غازی خان) نے بیس سال کی عمر میں اس کتاب کی عربی میں مفصل شرح لکھی اور مولف کو اس کی طبع کی اجازت دی۔ حضرت الشیخ مولانا محمد طاسین (رئیس مجلس علمی کراچی) کی فرمائش پر مولف نے اس پر مفصل ومدلل مقدمہ تحریر کیا اور ۱۹۸۵ء میں اسے مجلس علمی کراچی کی طرف سے شائع کیا گیا۔

2- اعجاز الصرف: علم صرف کی اس عظیم کتاب میں امام سیبویہ، ابو عثمان مازنی، ابو علی فارسی، علامہ ابن جنی، علامہ میدانی، علامہ زمخشری اور علامہ محمد صافی وغیرہم محققین علماء تصریف کے قواعد اور اصلاحات کو لیا گیا ہے۔ قوانین میں شرائط مختصر و جامع اور انداز نہایت سہل اختیار کیا گیا ہے۔ نیز قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور کتب ادبیہ سے سینکڑوں صیغہ جات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اجرا اور مشق کیلئے بناوٹی صیغوں کی بجائے قرآن کے صیغوں کو اولیت دی گئی ہے۔ صحیح مجرد، صحیح مزید، افتعال، تفعل، تفاعل، مثال، اجوف، ناقص، لفیف، مرکب مہموز، مضاعف ثلاثی، مضاعف رباعی کے الگ الگ صیغہ ہائے الفاظ جمع کردیے گئے ہیں۔

3- اعجاز النحو: یہ قواعد نحویہ کا ایک نادر مجموعہ ہے جس میں تراکیب اور اعراب میں پیش آمدہ امثلہ زیادہ تر قرآن واحادیث اور کتب عربیہ سے لائی گئی ہیں اور ان کا حل واضح اور سادہ انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کی تمرین ومشق سے نحو کے طالب علم کا ذہن کشادہ ہو اور اس کیلئے عربی عبارت پڑھنا آسان ہو۔ ایسے عامۃ الورود قواعد جو کتب نحویہ میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں جبکہ ان سے اجرا اور مشق میں مدد ملتی ہے، انہیں اس کتاب میں اولیت دی گئی ہے اور چند ایسی مفید تراکیب نحویہ جن سے علماء نے اپنی کتابوں کو زینت بخشی ہے، ان کو بڑے اہتمام کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔

4- آراء الاجلہ فی بیان ما اہل بہ لغیر اللہ: اس رسالہ میں "نیاز غیر اللہ" کی حرمت پر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ علمائے سلف اور خلف کے اقوال کی روشنی میں جاہل اور محرف لوگوں کی تاویلات کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ، مولانا شاہ عبد العزیزؒ، مولانا شاہ رفیع الدینؒ، مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا شاہ

اسحاقؒ، مولانا محمد قاسمؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ محمود آلوسیؒ، مولانا حسن علی ہاشمیؒ و دیگر مشاہیر علماء کی آراء تفسیر، حدیث، اصول فقہ ہر پہلو سے مفصل درج کی گئی ہیں۔

5- چشمہ حیات: (مولانا محمد بخش گورمانی المتوفی ۱۳۴۱ھ)

اس کتاب میں آپ کی درویشانہ اور زاہدانہ زندگی کے عجیب وغریب واقعات، قومی وعلاقائی رسم ورواج، انگریزی قانون وراثت اور عدالتوں کیخلاف آپ کی کوششیں، احیائے شریعت کے سلسلے میں آپ کی حکمت عملی اور مساعی جمیلہ، آپ کے ہاتھوں محکمہ قضائے شرعیہ کا قیام، آپ کے اسلامی جرات وحمیت کے چھوڑے ہوئے نقوش، طالب علمی سے وفات تک کی عبرت آموز زندگی کے حالات درج ہیں۔

6- چشمہ شریعت: مولف کے ایک خاندانی بزرگ بہت بڑے زاہد، متبحر عالم حضرت مولانا محمد بخش گورمانی کی گراں مایہ تصنیف ہے۔ قانون خداوندی کو ٹھکرا کر انگریزوں کے غیر شرعی قانون کو اپنانے، رسوم جاہلیت، معاشی ومعاشرتی خرابیوں، شرک وبدعات، لادینیت اور دیگر بداعمالیوں کیخلاف شمشیر برہنہ کا کام دیتی ہے۔ تمام اہل اسلام خصوصاً قوم کی ہمدردی اور دلجوئی کا دلکش اور حقیقت افروز منظر پیش کرتی ہے۔

7- الحسن البصری: حضرت حسن بصریؒ پر یہ رسالہ حضرت علامہ ابن جوزیؒ کی تالیف ہے۔ انہوں نے جس محبت، خلوص اور سپردگی سے یہ تذکرہ مرتب فرمایا ہے، وہ آداب صوفیہ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مولف نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ فرما کر اردو زبان کے قارئین پر احسان فرمایا ہے۔ آپ نے جس سادگی، سلاست، روانی اور خوب صورتی سے ترجمہ کیا ہے وہ بذات خود مترجمین کے لئے ایک مثال ہے۔

8- دورۂ تفسیر القرآن اور اس کا تاریخی پس منظر: اس میں مولف نے اپنے مشائخ تفسیر کی امام شاہ ولی اللہ تک متصل اور مسلسل سند پیش کی ہے اور امام المترجمین حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ کو اس سلسلہ اسناد میں بطور رابطہ محور قرار دیا ہے۔ نیز مولف نے اپنے اساتذہ ومشائخ سلسلہ تفسیر میں سے ہر ایک کی سوانح درج کی ہیں۔ اور ان کی تفسیری افادات اور ملفوظات کو بھی قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ آغاز میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کی اصلاحات اور تفسیری افادات کو بطور مقدمہ درج کیا گیا ہے۔

9- التائید لائمۃ المسلمین: اس رسالہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ پر کیے گئے اعتراضات کا تحقیقی والزامی جواب ہے۔

10- رحیما بر تضمین کریما: شیخ سعدی کی کتاب "کریما" کے معانی اور مطالب کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی

وزن اور قافیہ سے مولف نے "رحیما" مرتب کیا ہے۔

11-افتاء اور اصول افتاء: مولف نے افتاء کے طویل تجربات کی روشنی میں اصول وضوابط اور دیگر ضروری معلومات کا بیش بہا ذخیرہ اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ آپ نے اس علمی وتحقیقی مقالہ میں مفتی کا دائرہ کار، فرائض، آداب واصول اور طریق کار پر اس قدر عمدہ بحث فرمائی ہے کہ ایک طالب علم اور ایک عالم ان سے یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

12-القصائد السنیہ فی الاکابر

مصنف کے چند مختصر اور جامع مضامین

1-شرح نظم الفرائض
2-مروجہ کمیٹی اور اس کا شرعی حکم
3-پرائز کی شرعی حیثیت
4-ہنگامی حالت کا شرعی تصور
5-امام اعظم کا علم کلام اور ان کا طریق استدلال
6-جدید مسائل اور ان کا فقہی حل
7-معاہدہ اجرت اور اس کے احکام
8-حفاظت قرآن اور وعدۂ خداوندی
9-صلاۃ یا جنگ
10-مسئلۃ الغراب اور اس کی فقہی تحقیق
11- مولانا مودودی اپنی تفسیر کے آئینہ میں (افادات: شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، جمع وتدوین: مولف مدظلہ)